سالہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات | تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں
مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں | تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

سوانح مسیح الامت نور اللہ مرقدہٗ

متوفی ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹۹۲ء

شیخ المشائخ امام السلوک عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خانصاحب شروانی رحمۃ اللہ علیہ جلال آبادی کی علمی، دینی، ارشادی و اصلاحی خدمات و خصوصیات نیز ان کی زندگی کے احوال وکوائف کا دلنشیں اور پر کیف مرقع

حسب ایماء
حضرت مولانا محمد صفی اللہ خانصاحب شروانی دامت برکاتہم
صاحبزادہ وخلیفہ حضرت مسیح الامتؒ

تالیف: حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب مظاہری الہ آبادی
بانی وناظم دار العلوم مرکز اسلامی الہ آباد

شعبۂ نشر واشاعت
جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد ضلع مظفرنگر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سالہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات | تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں
مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں | تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

سوانح مسیح الامت نور اللہ مرقدہ

(متوفی ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹۹۲ء)

شیخ المشائخ امام السلوک عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خانصاحب شروانی رحمۃ اللہ علیہ جلال آبادی کی علمی، دینی، ارشادی و اصلاحی خدمات و خصوصیات نیز ان کی زندگی کے احوال و کوائف کا دلنشیں اور پر کیف مرقع

حسب ایماء

حضرت مولانا محمد صفی اللہ خانصاحب شروانی دامت برکاتہم

صاحبزادہ و خلیفہ حضرت مسیح الامتؒ

تالیف

حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب مظاہری الہ آبادی

بانی و ناظم دار العلوم مرکز اسلامی الہ آباد

شعبہ نشر و اشاعت

جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد ضلع مظفر نگر

تفصیلات

نام کتاب : سوانح مسیح الامتؒ
مؤلف : حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب مظاہری الہ آبادی
مؤلف کا پتہ : 548-A/4۔ راجہ پور (اُونچوا) الہ آباد، یوپی، انڈیا۔
فون نمبر: 0532-2460733 موبائل: 9415630879
کمپیوٹر کمپوزنگ: سید محمد ضیاء الدین مظاہری سید محمد عماد الدین مظاہری و اخوانہما
الاشرف کمپیوٹر ایجوکیشن سینٹر۔ راجہ پور۔ الہ آباد۔ یوپی، انڈیا۔
صفحات : ۴۱۶
سن اشاعت : محرم الحرام ۱۴۲۶ھ مطابق فروری ۲۰۰۵ء
تعداد : ۱۱۰۰
قیمت : ۱۵۰/=
ناشر : جامعہ مفتاح العلوم، جلال آباد ضلع مظفر نگر، یوپی، انڈیا
ملنے کے پتے : (۱) مکتبہ فیض اشرف، جلال آباد ضلع مظفر نگر۔
(۲) مکتبہ الاشرف، دار العلوم مرکز اسلامی 548-A/4۔ راجہ پور (اُونچوا) الہ آباد، یوپی، انڈیا۔
(۳) مدرسہ قاسم العلوم۔ کنجا۔ پٹی ضلع پرتا پگڈھ۔
(۴) زمزم بکڈپو۔ دیوبند۔
(۵) مسعود پبلشنگ ہاؤس۔ دیوبند۔
(۶) مکتبہ اشرفیہ محمد علی روڈ۔ بھنڈی بازار، بمبئی۔
(۷) کتب خانہ امداد الغرباء محلہ مفتی سہارنپور۔
(۸) خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر

فہرست مضامین

کلمات استناد واعتماد

از

حضرت مولانا محمد صفی اللہ خانصاحب شروانی دامت برکاتہم
صاجزادہ وخلیفہ حضرت مسیح الامت نوراللہ مرقدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

"سوانح مسیح الامتؒ" اباجی قبلہ محترم حضرت مسیح الامت نوراللہ مرقدہ کے حالات زندگی اور علمی، دینی، اصلاحی، وارشادی خدمات وکمالات کے موضوع پر ایک تازہ اور قابل قدر بہترین تالیف ہے۔ اسکے مؤلف مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب مظاہری الہ آبادی کئی علمی واصلاحی کتابوں کے مصنف ہیں، سلیقہ تحریر ماشاء اللہ قلم کی شادابی کا مظہر ہے۔ وہ حضرت مسیح الامت کے مرید ومسترشد ہیں اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حیات کے آخری لمحات تک اصلاح واسترشاد کا تعلق قائم رہا اور اسی اثناء میں حضرت مسیح الامتؒ کے حکم سے حضرت کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا سید حسین صاحب (کمشنر) الہ آبادی ثم علیگڑھی سے بھی تعلق رہا۔ حضرت سید صاحبؒ نے ان کو اجازت بیعت سے مشرف فرمایا۔ فبارک الله تعالی وزاده علماً وشرفاً۔

مولانا موصوف نے یہ کتاب لکھ کر ایک اہم ضرورت کی تکمیل کی ہے اور بہت اچھی خدمت انجام دی ہے، حضرت مسیح الامتؒ کے متوسلین ومتعلقین کے لئے خصوصاً اور تمام مسلمانوں کے لئے عموماً انشاء اللہ تعالی یہ کتاب مفید ثابت ہوگی۔

دل سے دعا ہے کہ حق تعالی اس کو نافع اور مقبول فرمائیں اور مؤلف سلمہ کو دینی و دنیوی ترقیات سے نوازیں اور علم دین کی مزید خدمات کی توفیق ارزانی فرمانے رہیں۔

احقر محمد صفی اللہ غفرلہ ۲۸ شوال المکرم ۱۴۲۵ھ

احقر محمد صفی اللہ غفرلہ

خادم مفتاح العلوم۔ جلال آباد

ضلع مظفرنگر۔ یوپی

مدارس عربیہ دینیہ کی ضرورت

احکام دین کا حصول صحیح و مضبوط اردو دینی رسائل اور دین کا تحقیقی مکمل علم بدلائل نقلی عقلی، اصولی وفروعی بزبان عربی بدون مدارس عربیہ ناممکن۔ لہذا مدارس عربیہ کا قیام نہایت ضروری وواجب ہے پس علماء پر لازم ہوا کہ مدارس کو قائم فرمائیں اور امراء، دولت مندوں، زمینداروں، تاجروں، کاشتکاروں پر فرض ہوا کہ اعانت مال حسب حیثیت کرتے رہنے میں دریغ نہ فرمائیں۔

(حضرت مسیح الامتؒ کی ایک یادگار تحریر سے ماخوذ۔ حیات مسیح الامت ص ۵۴۵)

اظہار مسرت

از

حضرت مولانا وکیل احمد خانصاحب شروانی دامت برکاتہم

خویش وخلیفہ حضرت مسیح الامتؒ

مکرمی ومحترمی حضرت مولانا غیاث الدین صاحب زید مجدہ ولطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ

خدا کرے کہ آپ بخیر وعافیت ہوں، جناب سے غائبانہ تعارف ہے، اب جب کہ برادرم آرزو میاں صاحب سلمہ جلال آبادی لاہور آئے تو ان کی زبانی مزید تعارف ہوا، آپ کے حالات سن کر اور حضرت مسیح الامتؒ سے تعلق معلوم ہو کر مزید مسرت حاصل ہوئی اور خصوصاً یہ معلوم ہو کر کہ آپ ماشاء اللہ حضرت اقدسؒ کے حالات زندگی پر کچھ تحریر فرما رہے ہیں اس سے مسرت میں مزید اضافہ ہوا، خدا کرے کہ آپ کی یہ تحریر جلد مکمل اور طبع ہو کر منصۂ شہود پر آجائے اور مفید عام ہو۔

احقر نے کچھ واقعات حضرت والاؒ کے عزیزم آرزو میاں سلمہ کو بتا دیئے جن کا ذکر تذکرہ مسیح الامتؒ مصنفہ مولانا مفتی رشید احمد صاحب زید مجدہ کے مرتبہ سوانح میں نہیں آسکے، آپ ان سے معلوم کرلیں، اگر ان واقعات کا ذکر آپ کی مرتب ہونے والی کتاب میں کسی مناسب موقع ومحل کی مناسبت سے آجائیں تو بہتر ہے، مثلاً ایک واقعہ یہ کہ ایک دن آپ کی خدمت میں جنات کی جماعت آئی اور اپنے وطن لے جانے کی درخواست کی۔ ایک دفعہ حج کے موقع پر کنکریاں مارنے کے وقت احباب کی نظروں سے غائب ہو جانا پھر کچھ دیر کے بعد آموجود ہونا، دریافت کرنے پر فرمانا کہ ایک صاحب آئے تھے وہ کنکریاں مروانے لیگئے تھے اور پھر یہیں چھوڑ گئے، احباب کے اصرار پر فرمایا کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ ایک دفعہ ایک گاؤں کا آدمی پڑھوانے کے لئے مٹی لایا، اگلے دن مٹی

لینے کے لئے حاضر ہوا تو حضرتؒ نے وہ پڑیا واپس کردی، گھر جا کر دیکھا تو بجائے مٹی کے اس میں شکر نکلی، تو اس نے آ کر عرض کیا کہ ابا جی میں مٹی پڑھوانے کے لئے لایا تھا اس میں تو شکر نکلی یہ آپ نے کسی اور کی تو نہیں دیدی۔ حضرت نے فرمایا کہ نہیں میں نے تو اس کو شکر سمجھ کر اس کو دم کیا تھا۔ ایسا ہی ایک واقعہ رات کے تین بجے اپنے کمرے سے غائب ہونا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد آجانا جس کے راوی منشی سعادت علی خانصاحب ہیں جو حضرت والاؒ کی ڈاک لاتے تھے اور رات کو حضرت والاؒ کے پاس برآمدے میں سوتے تھے، احقر سے یہ واقعہ حضرت مولانا شمس الحق خانصاب مرحوم جلال آبادی مدرس اعلی دار العلوم کراچی نے بیان کیا جس کی تفصیل عزیزم آرزو میاں سلمہ سے معلوم فرمالیں۔ اگر آپ کی تحریر میں ان واقعات کا ذکر بھی آجائے تو مناسب ہے۔

ایک بات جس کا آپ سے عرض کرنا ضروری ہے یہ ہے کہ "مجالس مسیح الامت" پر آپ نظر ثانی فرماویں تا کہ اس کا افادہ عام ہو، ان مجالس کا کماحقہ استفادہ نہیں ہو رہا ہے، آپ اس کی طرف خصوصی توجہ فرماویں، یہ کام آپ اور مولانا عقیل الرحمٰن صاحب ہی کر سکتے ہیں کیونکہ آپ دونوں حضرات حضرت والاؒ کے مزاج شناس ہیں اور حضرت والاؒ کی مجالس کو سنے ہوئے ہیں۔

والسلام

احقر الناس وکیل احمد شروانی مدیر ماہنامہ "الصیانۃ"

بیت الاشرف ۸۷/اے، ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان

قصیدہ

نتیجۂ فکر : جناب مولانا نادر حسن صاحب بالوی مرحوم
(تلمیذ وخلیفہ حضرت مسیح الامتؒ)

در مدح شیخ المشائخ، جنید زماں، رازئ دوراں، غزالئ وقت مسیح الامت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خانصاحب مدت فیوضہم خلیفہ ارشد قطب الارشاد، مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہ۔

ہو رہا ہے قلب پر ولولوں کا یوں ہجوم
آسماں پر پھیلے ہوں ہر طرف جیسے نجوم

گل بداماں ہو رہا ہے آج یہ سارا چمن
بلبلوں نے ہے گلوں پر وہ مچائی خوب دھوم

مخملی پوشاک کرلی ہے زمیں نے زیب تن
چل رہی ہے آج اک باد بہاری جھوم جھوم

کس کی مدحت میں ہوا خامہ ہے یہ بادپا
دوڑتا ہے یوں نقوش مضامیں چوم چوم

کیا نہیں معلوم ہے تجھ کو وہ شاہانہ نام
سرنگوں جس پہ ہیں یہ ماہ وخورشید ونجوم

وہ مسیح اللہ ہیں اشرفؒ کے روحانی سپوت
مچ گئی افریشیاء بھر میں جنکی آج دھوم

نوٹ: یہ قصیدہ حضرتؒ کی حیات میں لکھا گیا تھا۔ ؎ افریقہ اور ایشیاء

ان کے سب علمی کمالوں کی بس میں کیا کہوں

موتیوں کی لڑیاں ہیں گویا ترے سارے علوم

سنتیں ہیں آج زندہ انہیں کے دم کے ساتھ

قاطع بدعت ہیں وہ ماحیٔ کہنہ رسوم

دور کے اس رہبروں میں ہیں وہ عالی مقام

راہ ان سے پائیں سب، کیا جہول وکیا ظلوم

ان کو رتبہ مرشدوں میں ہے بس ایسا ملا

ہے بجا گر میں کہوں وہ قمر اور سب نجوم

وہ حکیم القلب وہ قاسم علم وعمل

شان کا مظہر ہے بس ان کی مفتاح العلوم

چل چلاؤ آج ہے بس جلال آباد کو

ہوگیا گھر پھر کے بس گردان کے اک ہجوم

اے خدا مقبول نادر کی ہو بس یہ التجا

ہو حیات خضر کا واسطے ان کے لزوم

مؤرخہ ۳و۴و۵ ذیقعدہ ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۴و۱۵و۱۶ فروری ۱۹۶۷ء

عکس تحریر

حضرت مسیح الامتؒ

زندگی کے آخری ایام میں جب خطوط کے جوابات لکھنے کی بالکل سکت نہ رہی تو یہ تحریر اصلاحی خطوط میں رکھ کر بھیج دی جاتی تھی۔

محمد مسیح اللہ

مکرم زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بندہ کافی عرصہ بیمار رہ کر اس [illegible] لگ گیا ہے پس کوئی جواب نہیں

کہ وہ سنتے اور بندہ جواب لکھواتا اب ضعف ہے روزانہ کی

ڈاک روزانہ بند جاری ہے بتدریج نقاہت کے

اللہ تعالیٰ آپ کے حالات درست فرمائیں انجام بخیر فرمائیں و

محفوظ رکھیں امن و عافیت سے رکھیں

ہر قسم کی ظاہری و باطنی خطرات سے اور استقامت سے نوازیں

تا اصلاح کیں بخیر و عافیت کامیاب فرمائیں

اپنے پیر عجب و تکبر کی نگاہ نہیں اور دوسروں پر حقارت کی

نگاہ نہیں۔

مفید ہیں حسن سعی اور دعا خوب

نفس کا احتساب۔

آغاز سخن

الحمد لله رب العلمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین و علی آلہ وصحبہ اجمعین.

مرشدنا ومولانا، مقتدانا ومطاعنا، شیخنا وسندنا مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب شروانی نوراللہ مرقدہ وبرداللہ مضجعہ کی ذات والاصفات ان مقبولان بارگاہ الٰہی مصلحین امت داعین الی اللہ اور مشائخ راہ سلوک ومعرفت میں سے تھی جو ''موفق من اللہ'' ہوتے ہیں اور اپنے اندر جامعیت کی شان رکھتے ہیں۔ حضرت قدس سرہ کو صحیح معنوں میں ''جامع الاضداد'' شخصیت ہونے کا شرف حاصل تھا۔ وہ بیک وقت شریعت غراء کے متعلقہ علوم ظاہری ـــــ تفسیر واصول تفسیر، حدیث واصول حدیث، فقہ وافتاء اور ان کے اصول حتی کے علم معقولات تک میں ناقدانہ بصیرت رکھتے تھے اور ان علوم کے ماہر اور تجربہ کار مدرس اور استاد تھے، اور شریعت اسلامیہ ہی کے دوسرے جزو ـــــ راہ طریقت و سلوک ـــــ سے متعلق علم باطنی میں بھی انکو ذوق ووجدان اور حال کا جو مقام حاصل تھا اس کا کچھ بھی ادراک ہم جیسے کم سواد تو کیا کر سکتے ہیں ـــــ عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس راہ میں بھی حضرت قدس سرہ کو ایسا مبصرانہ علمی کمال حاصل تھا جو اللہ کے ایسے خاص برگزیدہ بندوں کو ہی عطا ہوا کرتا ہے جو موہبت الٰہیہ اور الطاف رحمانیہ کے خاص الخاص مورد بارگاہ قدس میں قرار پاتے ہیں۔

ان کی مجالس سلوک ومعرفت اور دروس حدیث وفقہ کے مواعظ و بیانات اور سالکین کے مکتوبات کے مربیانہ جوابات اس پر بین دلیل ہیں۔ مسائل شریعت کی توضیح و تشریح کرتے ہوتے تو ان کی زبان پر محدث عصر، متکلم دوراں اور فقیہ وقت کی زمزمہ سنجیاں ہوتیں اور سلوک ومعرفت کے حقائق ودقائق اور اسرار رموز کے چہرہ سے پردہ کشائی

فرماتے تو ابن العربیؒ اور غزالیؒ کی نغمہ سرائیوں کا سماں بندھ جاتا، یقیناً آپ کی ذات اس کا صحیح مصداق تھی۔

بر کفے جامِ شریعت بر کفے سندانِ عشق ہر ہوسنا کے نداند جام وسنداں باختن

آپ احقاق حق، ابطال باطل اور بلا خوف لومۃ لائم اظہار حق نیز طرز تربیت و اصلاح اور اسلوب ارشاد وہدایت میں ''مثنائے شیخ'' تھے، گو طبع مبارک پر رنگ جمال غالب تھا لیکن کمال علمی وعملی اور طرز اصلاح کی ادا نے ''شیخ تھانویؒ'' کے رعب وجلال کے پرتو کے امتزاج سے ایک عجیب شان دلربائی پیدا کر دی تھی، وہ ظاہر وباطن میں پیکر حسن و جمال اور فیضان علم ومعرفت میں مجسم فضل وکمال تھے۔ ان کی سوانح نگاری کا حوصلہ مجھ جیسے نااہل اور کم سواد کے لئے کسی طرح مناسب اور درست نہ تھا، لیکن اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں مفتی رشید احمد میواتی مدظلہم کو جنھوں نے حضرت قدس سرہ کی حیات ہی میں کافی مواد ومعلومات جمع اور مرتب فرما دیا تھا، اور گو حضرت کی حیات میں اس کی اشاعت کا ارادہ تھا مگر بقضائے الٰہی اس کی طباعت حضرتؒ کی وفات کے بعد ''حیات مسیح الامتؒ'' کے نام سے ہوئی۔ یہی کتاب ہماری اس پیش نظر ''سوانح'' کا اصل ماخذ ہے۔ مفتی رشید احمد صاحب حضرت مسیح الامتؒ کے مسترشد اور تلمیذ خاص ہیں، انھوں نے یہ معلومات خود حضرتؒ سے حاصل کی ہیں یا قریب ترین اور معتمد ذرائع سے اور بہت ساری معلومات کے شاہد ومشاہد تو وہ خود ہیں۔ اس خاکسار کو تاہنوز مفتی صاحب سے نیاز نہیں حاصل ہو سکا ہے تاہم ان کی نادیدہ شکر گذاری لازم اور ان کی احسان مندی کا اعتراف ناگزیر ہے کہ انھوں نے مستقبل کے سوانح نگار کے لئے زمین ہموار فرما دی، **فجزاھم اللہ تعالی خیراً**۔

اس کے علاوہ بھی جن حضرات کی تحریروں یا زبانی بیانات سے استفادہ کیا گیا ہے اور جن کا حوالہ موقع پر درج کر دیا گیا ہے خاکسار ان سب کا شکر گذار ہے، اللہ تعالیٰ

سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

جس ماخذ سے جو کچھ لیا گیا ہے اس کا حوالہ دیدیا گیا ہے اور اگر کہیں کوئی بات بدوں حوالہ کے نظر آئے تو اس کو "حیات مسیح الامت" سے ماخوذ سمجھنا چاہئے۔ بندہ کے پیش نظر ضروری اور منتخب حالات کا احاطہ بھی ہے اور اختصار بھی تاکہ اس مصروف دنیا میں لوگ کتاب کی ضخامت سے اکتانہ جائیں اور بہ شوق ورغبت استفادہ کرسکیں۔ اب مرتب کو اس میں کتنی کامیابی ملی ہے؟ اس کا فیصلہ قارئین کتاب فرمائیں گے۔ حضرت قدس سرہ کے متوسلین کی خدمت میں بصد ادب گذارش ہے کہ وہ فروگذاشتوں اور قابل مشورہ امور سے ازراہ کرم مرتب کو براہ راست مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ ممکن حد تک آئندہ اشاعت میں اس کی اصلاح کی جاسکے۔

اس موقع پر سب سے پہلے حضرت مولانا محمد صفی اللہ خانصاحب شروانی دامت برکاتہم صاحبزادہ وخلیفہ حضرت مسیح الامتؒ کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ انھوں نے اپنے کلمات طیبات تحریر فرما کر سند توثیق وتصدیق عطا فرمائی جس سے کتاب کی وقعت اور اس کے مرتب کی عزت میں اضافہ ہوا۔ دل سے دعا ہے کہ حق تعالیٰ ان کو صحت کاملہ عطا فرما کر تادیر ان کے سایہ کو عافیت کے ساتھ قائم رکھیں (آمین)

یہ عرض کردینا بھی ضروری ہے کہ مکرم ومحترم جناب مولانا وصی اللہ خان صاحب عرف آرزو میاں کی تحریک وحوصلہ افزائی اور برادران گرامی قدر جناب مولانا عبدالحلیم صاحب وجناب مولانا جمشید احمد صاحب (معروف بہ وکیل صاحب) پرتاپگڈھی کی ہمت افزائی اور سوانح کی تسوید وتکمیل کے سلسلہ میں ان کی رہنمائی اور مشورے شامل حال نہ ہوتے تو اس اہم کام کا بار اٹھانا احقر کے لئے آسان نہ تھا، ان دونوں حضرات کے برادر خورد عزیز گرامی قدر مولانا توقیر احمد صاحب کا بھی ممنون ہوں کہ وقتاً فوقتاً ان کی حوصلہ

افزائی بھی بہت معاون ثابت ہوتی رہی۔

آخر میں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ احقر زادہ عزیز برخوردارم مولوی حافظ سید محمد ضیاء الدین مظاہری سلمہ (ایم، اے عربی) نے اپنے دو چھوٹے بھائیوں برخوردار عزیز مولوی سید محمد عماد الدین سعد مظاہری سلمہ اور برخوردار عزیز حافظ سید محمد راشد سلمہ کے تعاون سے کتاب کی کمپوزنگ و کتابت اور تصحیح بڑی محنت و جفاکشی اور شوق و دلچسپی کے ساتھ انجام دی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اور ان کے سب بھائی بہنوں کو جملہ شرور وفتن سے محفوظ رکھ کر علمی و عملی ترقیات اور دنیا و آخرت کی بھلائیوں سے نوازیں، اور ان تمام حضرات پر بھی اپنے فضل وکرم کی بارش فرمائیں جنھوں نے اس کی اشاعت میں کسی طرح کا بھی تعاون فرمایا ہے۔ اور ہمیں اپنی مرضیات پر چلنے اور نامرضیات سے پرہیز کرنے کی توفیق ارزانی فرماتے رہیں۔ (آمین)

احقر سید محمد غیاث الدین غفرلہ ولوالدیہ
دار العلوم مرکز اسلامی الہ آباد
۲/ ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ مطابق ۱۵/ دسمبر ۲۰۰۴ء

حصۂ اوّل

پیدائش سے وفات تک

باب ۱

خاندان اور وطن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاندان اور وطن

مسلمانان ہند کی علمی ، مذہبی ،ثقافتی اور سیاسی تاریخ میں شروانی خاندان کے نامور علماء، فضلاء، مشائخ وصوفیاء ، رؤساء و امراء اور ارباب سیاست نے بہت قیمتی اضافے کئے ہیں اور اس سلسلہ میں ان کی خدمات کے نقوش مستحکم اور نہایت وقیع ہیں۔

سکندر خان شروانی اور ان کے بیٹے عمر خاں شروانی سلطان بہلول لودھی کے دربار کے معتمد امراء میں سے تھے اور باپ بیٹے دونوں دربار سلطانی سے "خان اعظم" کے خطاب سے سرفراز تھے۔ محمد خاں شروانی ان باحوصلہ امراء میں تھے جنھوں نے علی گڑھ میں ۹۳۱ھ میں ایک قلعہ تعمیر کرایا اور اس کا نام "محمد گڈھ" رکھا، یہ قلعہ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ سے شمال کی جانب تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے، قلعہ میں جو کتبہ لگا ہوا ہے اس کا آخری شعر بانیٔ قلعہ کے اخلاص و ایمان اور محبت رسول کا آئینہ دار ہے، شعر یہ ہے۔

من بیچارہ کو نام است احمد بباید روز محشر سایۂ احمد

صدر جہاں شیخ احمد زندہ پیر شروانی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ (متوفی ۶۶۷ھ) کے نامور پوتے شاہ رکن عالم ملتانیؒ کے مرید با اختصاص تھے، آپ نے ستلج پار اس علاقہ میں سکونت اختیار کی جہاں اس وقت ریاست مالیر کوٹلہ کا قصبہ مالیر واقع ہے، سلطان بہلول لودھی ان کے تقدس اور بزرگی کی خبر سن کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے انفاس قدسیہ اور اخلاق عالیہ سے ایسا متاثر ہوا کہ سلطان نے اپنی ایک شہزادی کو اس درویش خدا پرست کے حبالۂ عقد میں دے کر رشتۂ قرابت کی سعادت حاصل کی اور اس علاقہ میں پانچ بڑے مواضعات اور چھ چھوٹے گاؤں ان کے اخراجات ومصارف کے لئے عطا کئے۔ سابق ریاست مالیر کوٹلہ کے نوابین ان ہی حضرت صدر جہاں شروانی رحمہ اللہ تعالی کی اولاد ہیں۔

شروانی خوانین کے اندر دین کی عظمت، اہل علم، اہل تقوی اور اہل اللہ کے ساتھ محبت اور عقیدت کا تعلق بھی بالعموم استوار اور مضبوط رہا ہے۔

خان زمان خان نے رسوم ورواج کی بابت چھتیس سوالات بہ طور استفتاء حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دہلی بھیجے، حضرت شاہ صاحب نے جواب لکھنے کے لئے اپنے نواسے حضرت مولانا شاہ محمد اسحاقؒ کے سپرد فرمایا، انھوں نے چار سوالوں کا مع ان کے جوابات کے اضافہ کر کے جواب بھیج دیا، یہی فتوی ”مسائل اربعین“ کے نام سے مشہور ہوا۔ خان زمان خان نے اس کو اپنے بڑے بھائی داؤد خاں کو دکھایا تو انھوں نے کہا کہ سرگروہ شروانی پٹھانوں کا جلسہ طلب کرو، بھیکم پور میں جلسہ کیا گیا اور شاہ صاحبؒ کا فتوی برادری کے سامنے پیش کیا گیا، سب نے اس سے اتفاق کیا، حاجی داؤد صاحب نے کہا کہ اس پر عمل ہونا چاہئے۔ چنانچہ ان مسائل کے موصول ہونے کے بعد سب سے پہلی شادی اللہ وردی خاں زمیندار کے یہاں ہوئی، اس سے پہلے اعلان کیا گیا کہ رقص وسرود وآتشبازی وغیرہ کچھ نہ ہوگا، اس پر بعض پٹھان بگڑے مگر حاجی داؤد خاں خود شادی میں شریک ہوئے اور ممنوع رسموں میں سے ایک بھی نہ ہونے دی۔ یہ واقعہ گو بظاہر اہم نہ معلوم ہوتا ہو مگر اہل تجربہ جانتے ہیں کہ اجتماعی معاملات میں اتباع شریعت کا ــ بالخصوص شادی بیاہ کے موقعوں پر ــ یہ ایک غیر معمولی واقعہ ہے جو دین اور علمائے دین کی عظمت و عقیدت اور سنت کے ساتھ محبت کے تعلق کے بغیر ممکن نہیں۔

خاندان شروانی: اصل اور وجہ تسمیہ

مصنف ”شروانی نامہ“* کے بیان کے مطابق اس خاندان کے جد اعلیٰ سید شاہ حسین غوری عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں غور سے آکر کوہ سلیمان کے جوار میں بٹن

* ”شروانی نامہ“ کے مصنف عباس خاں شروانی ہیں، ان کا وطن برلہ سرائے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

بن قیس عبدالرشید کے یہاں آکر رہے اور بٹن بن قیس کی بیٹی ''متو'' سے شادی کی، جن کے بطن سے دولڑکے پیدا ہوئے، لودی اور سروانی۔ سروانی کی اولاد آگے چل کر اپنے مورث اعلی کے نام پر سروانی کہلائی اور بعد میں کثرت استعمال کیوجہ سے یہی سروانی (بالسین المہملہ) شروانی (بالشین المعجمہ) ہوگیا۔

مصنف ''شروانی نامہ'' ہی کا ـــــ جوخود بھی شروانی ہیں ـــــ بیان ہے کہ سید حسین غوری کی اولاد ہونے کے لحاظ سے لودی اور شروانی دونوں سید ہیں، مگر مؤرخین نے ان کا شمار پٹھانوں میں اس وجہ سے کیا کہ دونوں نے بٹن بن قیس کی اولاد کے ساتھ پٹھان کے گھر میں پرورش پائی اور ان کی ماں ''متو'' بھی پٹھان کی اولاد سے تھی۔ اور انہیں کا بیان ہے کہ یہ خاندان محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان آیا اور یہیں بودوباش اختیار کرلی ـــ اور پھر ہندوستان کے مختلف اضلاع میں پھیل گئے، جن میں سے کچھ لوگوں نے علی گڈھ اور مضافات کو اپنا وطن بنایا۔ علی گڈھ ہی کی تحصیل اترولی کا موضع سرائے برلہ ہمارے حضرت

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) ضلع علی گڑھ ہے۔ جنوری ۱۹۳۸ء میں ڈپٹی کلکٹری کے معزز عہدہ سے ریٹائرڈ ہوئے اور ''شروانی نامہ'' کی تالیف سے ذوالحجہ ۱۳۷۲ھ مطابق ستمبر ۱۹۵۳ء میں فارغ ہوئے۔

یہی مصنف ''شروانی نامہ کا بھی وطن ہے، انگریزوں کے زمانہ میں برلہ میں بہت رونق تھی جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ سے یہاں انگریز تاجروں کی نیل کی کوٹھی اور کارخانے تھے، ان کی وجہ سے انگریز حکام اور بعض زعمائے شروانیان یہاں آتے رہتے تھے۔ نیل کا کارخانہ ختم ہونے کے بعد ابتداء میں اس میں عربی فارسی مذہبی تعلیم کے واسطے مدرسہ عربیہ یعقوبیہ کے نام سے قائم ہوا، اس کے ایک حصہ میں سرکاری مڈل اسکول ہے، اس مدرسہ کے بانی مصنف ''شروانی نامہ'' کے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خانصاحب شروانی نور اللہ مرقدہ کا مولد ومنشا ہے۔

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) حقیقی چھوٹے بھائی مولوی حاجی الیاس خاں تھے انھوں نے ۱۳۴۰ھ میں اس تعلیم گاہ کی بنیاد ڈالی۔ مولوی الیاس خانصاحب دارالعلوم دیوبند کے فارغ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مرید تھے، انکا انتقال پچپن سال کی عمر میں ۱۹۴۷ء میں ہوا۔ (شروانی نامہ ص۹۰-۹۲) ''شروانی نامہ میں تو یہی لکھا ہوا ہے کہ مولانا الیاس خان حضرت تھانویؒ سے بیعت تھے لیکن ''حیات مسیح الامت'' کے مصنف نے حضرت مسیح الامت سے یہ نقل کیا ہے کہ ''وہ بڑے صاحب حال تھے حضرت تھانویؒ کی خدمت میں تھانہ بھون حاضر ہو کر اپنے حالات بیان کر کے بیعت کی درخواست کی تو حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ تمہارا حصہ حضرت مولانا محمود الحسنؒ صاحب کے یہاں ہے، چنانچہ پھر حضرت شیخ الہند ہی سے بیعت ہوئے۔ (حیات مسیح الامت ص۶۹)

باب ۲

پیدائش، بچپن اور ابتدائی تعلیم

پیدائش، بچپن اور ابتدائی تعلیم

مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خانصاحب شروانیؒ کی ولادت اپنے آبائی وطن موضع سرائے برلہ تحصیل اترولی ضلع علیگڑھ میں اپنے آبائی مکان میں ۱۳۲۹ھ یا ۱۳۳۰ھ میں ہوئی۔ سرائے[1] برلہ شہر علیگڑھ سے تقریباً تیس کیلومیٹر کی مسافت پر ہے۔ علیگڑھ سے دس کیلومیٹر مغرب کی طرف چل کر تقریباً بیس کیلومیٹر شمال کی جانب جانا پڑتا ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام سعید خاں تھا جو متدین، دین دار، اہل علم اور اہل اللہ کے قدرداں اور رتبہ شناس ایک نیک اور صالح شخص تھے، اثر ورسوخ اور عزت ووجاہت کے مالک تھے، انتظامی لیاقت اور صلاحیت میں ایسی شہرت تھی کہ کسی رئیس کی ریاست کے نظم و انتظام میں خلل آجاتا تو اس کو درست کرنے کے لئے ان کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔

یہ ان کی دینداری، دین، علم دین اور اہل دین کے ساتھ ان کی محبت اور عظمت ہی کی بات ہے کہ عین اس زمانہ میں جب ان ہی کے اہل خاندان کی اولاد انگریزی اور دنیوی علوم کی تحصیل میں مصروف تھی اور ان کے وطن سے صرف چند میل کے فاصلہ پر شہر علی گڑھ

---

[1] سرائے برلہ میں حضرت کے آبائی مکان میں حضرت کے برادر زادہ اور حضرت کے صاحبزادہ کے خویش جناب مولانا وصی اللہ خانصاحب عرف آرزو میاں نے ۱۴۲۰ھ میں ایک دینی مدرسہ بنام "مدرسہ اسلامیہ فلاح دارین" حضرت کی یادگار کے طور پر اپنی انتھک جدوجہد اور مخلصانہ مساعی سے قائم کر دیا ہے، بحمدہ تعالیٰ یہ مدرسہ علم دین کی خدمت میں مصروف رہ کر مکین کی طرح مکان کے بھی صاحب رشد وہدایت اور سرچشمۂ علم ونور ہونے کا ثبوت بہم پہنچا رہا ہے، حق تعالیٰ اس ادارہ کو مزید روز افزوں ترقیات سے نوازتے رہیں۔

میں مسلم یونیورسٹی اپنے پورے جاہ وجلال اور شان وشوکت کے ساتھ مسلمان رؤساء کی اولاد کے لئے نہایت پرکشش اور دنیوی اعتبار سے بہترین روشن مستقبل کی ضمانت دینے والی عظیم الشان درسگاہ موجود تھی۔ انھوں نے اپنے دونوں عزیز بیٹوں —— حضرت مسیح الامتؒ اور ان کے چھوٹے بھائی جناب مولانا سمیع اللہ خانصاحبؒ —— کو دینی تعلیم دلائی اور علوم شرعیہ کی تکمیل کے لئے دارالعلوم دیوبند بھیجا اور کھانے کا بار مدرسہ پر ڈالنا پسند نہیں کیا بلکہ آپ کے اخراجات کے لئے اس زمانہ میں ماہانہ دس روپئے بھیجا کرتے تھے، وہ خود بھی نماز باجماعت کی پابندی فرماتے اور بچوں کی بھی سخت نگرانی فرماتے۔ حضرت کا خود اپنا بیان ہے کہ ایک دفعہ بچوں کے ساتھ کھیل کود میں عشاء کی جماعت چھوٹ گئی تو والد صاحب نے زبانی طور پر تنبیہ فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ اب کی مرتبہ تو معاف ہے آئندہ ایسا نہ ہو۔ حالانکہ وہ آپ کی دینداری اور سعادتمندی کی وجہ سے آپ کو مولوی صاحب کہا کرتے تھے۔

آپ کی والدہ ماجدہ بھی بہت دیندار اور مخیّر خاتون تھیں، حضرت نے خود بیان فرمایا کہ:۔

"میں چھوٹا سا تھا والدہ صاحبہ مجھے اپنے پاس دو پہر کو دوسری چارپائی پر لٹالیا کرتی تھیں اور دینی کتابیں پڑھتی رہتی تھیں اور اکثر دینی کتابوں کو پڑھتے ہوئے روتی رہتی تھیں، آنسو جاری رہتے تھے"

آپ کے دادا جان بھی متدین، پرہیز گار اور پابند صوم وصلوۃ تھے، علی الصباح ہی بیدار ہوجاتے، اور آخری عمر میں نابینا ہوجانے کے باوجود صبح ہی اٹھکر مسجد جاتے اور گھر والوں کو جگاتے ہوئے آواز لگاتے کہ "دروازہ کھول دو اللہ کی رحمت کا نزول ہورہا ہے" اس طرح گھر کے لوگوں کو نماز فجر کے لئے بیدار کرتے۔

حاشیہ صفحہ نمبر ۳۶ پر دیکھئے۔

گھر اور خاندان کے اس ماحول کا اثر اور آپ کی فطری سعادت وہ چیزیں تھیں جس نے بچپن ہی سے آپ کو علم کا شیدا اور تقوی و پرہیز گاری اور طہارت و پاکبازی کا پیکر بنا دیا تھا۔

نسب آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے: محمد مسیح اللہ خاں بن سعید خاں بن جیون خاں بن شہباز خاں بن ممریز خاں بن صفات خاں۔

ابتدائی تعلیم آپ نے قرآن مجید قاری عبداللہ صاحب سے پڑھا، اس کے علاوہ درجہ ہشتم تک سرکاری اسکول میں تعلیم حاصل کی، درجہ پرائمری تک تو اپنے وطن برلہ میں اور اس کے بعد علی گڑھ میں، زمانہ تعلیم میں ہمیشہ اپنے ساتھیوں میں ممتاز رہے، مگر چونکہ عالم غیب میں آپ کو امت مسلمہ کی مسیحائی کے لئے منتخب فرمالیا گیا تھا اور اس کے لئے علوم دینیہ شرعیہ میں عبور و مہارت عطا فرمانی مقصود تھی اسلئے اسکولی تعلیم کی طرف سے آپ کا رجحان ہٹ گیا اور آپ کی طبیعت کا میلان دیکھ کر والد صاحب نے بھی دینوی تعلیم کے لئے اصرار نہ فرمایا بلکہ دینی تعلیم میں لگا دیا۔ بچپن ہی سے آپ کے دینی مزاج اور علم دین سے رغبت کا یہ حال تھا کہ جس زمانہ میں اسکول میں زیر تعلیم تھے اس وقت بھی آپ دینی کتابوں کا مطالعہ فرمایا کرتے حالانکہ اس عمر کے لڑکوں کی ساری دلچسپی کھیل کود اور تفریح و تماشہ سے ہوا کرتی ہے نہ کہ خشک مذہبی کتابوں سے۔ ''حیات مسیح الامت'' کے مصنف نے حضرت کا قول نقل کیا ہے کہ:۔

> ''جب میں درجہ تین میں پڑھتا تھا اس وقت بطور خود بہشتی زیور برابر مطالعہ میں رہتی تھی اور مولوی الیاس صاحبؒ کے پاس جو رسائل ''النور'' اور ''الامداد'' وغیرہ آتے تھے ان کا برابر مطالعہ کیا کرتا تھا''۔

پھر علی گڑھ میں فارسی کے ایک کامل استاد میاں جی عبدالرحمٰن صاحب سے فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی، یہ استاد ایک رئیس کے گھر پران کے بچوں کو پڑھایا کرتے تھے، حضرت انہی کے گھر پر جا کر میاں جیؒ سے فارسی پڑھا کرتے، میاں جی کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ گلستاں اور بوستاں ان کو حفظ تھیں۔

عربی تعلیم یہ تفصیل معلوم نہیں کہ آپ نے علی گڑھ میں میاں جیؒ عبدالرحمٰن صاحب سے فارسی کتابیں کہاں تک پڑھیں اور ان سے حصول تعلیم کی مدت کیا تھی؟ اور پھر کس سن میں علی گڑھ شہر سے ترک تعلیم کر کے اپنے وطن موضع برلہ میں باقاعدہ درس نظامی کی تعلیم شروع کی؟ بس اتنا معلوم ہے کہ برلہ کے مدرسہ اسلامیہ میں شرح جامی تک جناب مولانا حکیم محفوظ علی صاحب دیوبندی سے کتابیں پڑھیں اور اس سے آگے شرح وقایہ، جلالین شریف اور ملاحسن تک جناب مفتی سعید احمد لکھنویؒ سے تعلیم حاصل کی، یہ تمام کتابیں بہت لگن، محنت اور جفاکشی کے ساتھ پڑھیں جو اس زمانہ کے طلبہ کے لئے بہت

حضرت مفتی سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک جامع المعقول والمنقول متبحر عالم تھے، بالخصوص فقہ میں ان کو خاص مقام حاصل تھا، یہ مفسر قرآن حضرت مولانا فتح محمد صاحب لکھنویؒ صاحب ''خلاصۃ التفاسیر'' کے صاحبزادہ اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ کے شاگرد رشید تھے۔ حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ سے بیعت اور ان کے مجاز صحبت بھی تھے۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے دیوبند سے ڈابھیل تشریف لے جانے کے بعد دارالعلوم دیوبند کے ''شیخ الحدیث'' کے منصب کے لئے حضرت تھانویؒ نے آپ کا نام تجویز فرمایا تھا۔ حضرت تھانویؒ کو آپ کے علم وتفقہ پر خصوصی اعتماد تھا۔ حضرت مولانا جلال آبادیؒ نے اپنے وطن برلہ ضلع علی گڑھ میں اور لکھنؤ میں شرح وقایہ اور جلالین تک حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہی قابل عبرت بلکہ اسوہ بنانے کی ہے، اس شوق، اور محنت کا حال خود حضرت ہی کی زبانی سن لیجئے:۔

''بیان فرمایا کہ شرح جامی بحث فعل تک تمام کتابیں میزان منشعب، صرف میر، فصول اکبری اور نحو میر وغیرہ ہم نے اپنے استاد کو حفظ سنائی ہیں'' (حیات مسیح الامت ص ۶۸)

فطری ذہانت وذکاوت اور پھر اس محنت وشوق کے ساتھ کسب علم کا نتیجہ یہ تھا کہ استعداد علمی زمانہ طالب علمی ہی میں مستحکم اور پختہ ہوگئی تھی، چنانچہ اگر کبھی مدرسہ میں حضرۃ الاستاذ کسی وجہ سے تشریف نہ لاتے تو ہدایۃ النحو کے طلبہ کو آپ سبق پڑھادیا کرتے تھے، ظاہر ہے کہ یہ آپ کے اوپر حضرۃ الاستاذ کے اعتماد اور طلبہ کے آپ کی تدریس پر اطمینان ہی سے

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) بعد میں حضرت مسیح الامت جلال آبادیؒ کی استدعاء پر مفتی صاحب مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں تشریف لائے اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے، آپ کا درس بخاری علمی وفقہی تحقیقات، اصول حکم اور دلائل وشواہد سے پُر اور عجیب شان کا ہوتا تھا، بسا اوقات حضرت جلال آبادیؒ اور مدرسہ کے دوسرے اکابر مدرسین اور بعض اعاظم فضلاء وعلماء آپ کے درس میں شریک ہوکر استفادہ کرتے۔

مفتی صاحبؒ حضرت تھانویؒ کی وفات کے بعد اپنے شاگرد حضرت مسیح الامتؒ سے بیعت ہو گئے تھے، اللہ اکبر! ان حضرات کا اخلاص وللّٰہیت بھی کس قدر سبق آموز ہے۔ حضرت مولاناؒ کیلئے مفتی صاحب ہی نے سب سے پہلے ''مسیح الامت'' کا لقب استعمال فرمایا تھا جو ایسا مقبول ہوا کہ زبان زد خاص وعام ہوگیا۔ حضرت مسیح الامت کی طرف سے آپ مجاز بیعت ہوئے۔ ۱۰؍جمادی الاولی ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۲؍نومبر ۱۹۵۹ء کو جلال آباد میں آپ کا انتقال ہوا اور مدرسہ کے متصل قبرستان میں مدفون ہوئے۔

رحمه الله تعالى رحمة واسعة وافاض عليه شآبيب نعمه۔

ہوتا تھا، طلبہ اگر آپ کے پڑھانے سے مطمئن نہ ہوتے تو یہ سلسلہ چل نہ پاتا۔

اور برلہ کے اسی مدرسہ اسلامیہ میں آپ نے فن تجوید کی کتابیں ''جمال القرآن'' وغیرہ پڑھی، وہاں ایک قاری صاحب تھے جو مدینہ طیبہ میں دس بارہ سال رہ چکے تھے وہ مختلف لہجوں میں بہت عمدہ قراءت کرتے تھے، آپ نے انہی قاری صاحب سے مختلف لہجوں کی مشق بھی کی، اس طرح ایک باکمال ماہر فن قاری اور مجود سے آپ نے یہ فن شریف حاصل کیا۔ افسوس ہے کہ ان قاری صاحب کا نام اور ان کی کچھ تفصیلات ہمارے سامنے نہیں ہیں اور نہ اب ان کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس ہے —— لیکن حضرت کے شوق علم کا یہ حال بھی آپ سنتے چلئے کہ جب مفتی سعید احمدؒ صاحب سے تعلیم حاصل کرنے کیلئے آپ لکھنؤ تشریف لیگئے تو اس وقت لکھنؤ میں مدرسہ فرقانیہ تجوید وقراءت کا ایک اہم مرکز تھا اور اس شہر کے گلی کوچے بھی قراءت قرآن کی زمزمہ سنجیوں سے گونج رہے تھے، وہاں کی مساجد و مدارس کی فضاء تجوید وقراءت کے فن لطیف کی عطر بیزیوں سے معطر تھی، ناممکن تھا کہ علم کا ایک شائق اور فریفتہ ایسے ماحول میں رہے اور طلب مزید کا جذبہ اسے مہمیز نہ کرے ۔ اب آگے کی داستاں خود حضرت ہی کی زبانی سنئے:۔

''وہاں یعنی لکھنؤ میں کچھ وقت خالی تھا، مجھے تجوید کا شوق ہوا، مدرسہ فرقانیہ میں جو قاری صاحب تھے وہ مفتی (سعید احمد) صاحبؒ کے شاگرد تھے، مفتی صاحب نے ان کے نام پرچہ لکھ دیا، قاری صاحب نے پرچہ پڑھ کر فرمایا کہ پہلے آپ سنایئے گا، اس پر میں نے سنایا تو انھوں نے کہا کہ آپ کو تو تجوید کی ضرورت نہیں ہے آپ تو مشق کئے ہوئے ہیں، مگر چونکہ مفتی صاحب نے لکھا ہے اسلئے آپ آجایا کیجئے اس اجازت کے بعد میں تقریباً آدھ گھنٹہ یا بیس منٹ کے لئے جایا

کرتا تھا، قاری صاحب ایک مرتبہ پڑھا کرتے تھے اس کے بعد میں الحمدللہ ہو بہو اسی طرح پڑھ دیا کرتا تھا'' (حیات مسیح الامت ص۷۶)

پھر جب دارالعلوم دیوبند میں تعلیم شروع کی تو وہاں بھی فن تجوید کی بعض کتابیں جزری وغیرہ پڑھی۔ تجوید کے ساتھ آپ کے شغف کا یہ حال تھا کہ ایک زمانہ میں مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد کے طلبہ کو مشق بھی کرایا کرتے تھے۔

وقت کی قدر اور علم کا شوق

لکھنؤ ہی میں مفتی سعید احمد صاحبؒ سے تلمذ کے زمانے میں آپ نے محمد مصطفیٰ صاحب کاتب سے کتابت کی بھی مشق کی تھی یہ کاتب صاحب بھی مفتی صاحب کے شاگرد تھے، مفتی صاحب نے ان کو بھی پرچہ لکھدیا تھا، حضرت تو ان سے کتابت کی مشق کرتے اور وہ حضرت والا سے مسائل واحکام اور دینی باتیں دریافت کرتے جس سے ان کو خوب خوب دینی نفع ہوتا۔

حصول علم کے شوق اور طلب علم میں محنت اور لگن کی یہ کیفیت تھی کہ آپ کوئی وقت ضائع نہ جانے دیتے اور حصول علم کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ چھوڑتے اس راہ میں اپنی راحت وآرام کا بھی خیال نہ فرماتے، جس زمانہ میں آپ کا قیام اپنے وطن برلہ میں تھا اور آپ وہیں زیر تعلیم تھے، میرٹھ کے ایک حکیم صاحب سے وہاں کے مدرسہ میں آپ نے طب کی بھی تعلیم حاصل کی اور فن طب کی بعض اہم کتابوں کا بطور خود مطالعہ فرما کر خاصی استعداد حاصل کر لی، حکیم صاحب نبض وغیرہ دیکھنے کی عملی مشق بھی کرایا کرتے تھے، اس سلسلہ میں حضرت والاؒ نے اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ:۔

"حکیم صاحب نبض دیکھنے کی مشق کرایا کرتے تھے، چنانچہ ایک مریض کے لئے حکیم صاحب نے کہا کہ ان کی نبض دیکھیں، میں نے نبض دیکھی تو نبض اپنی جگہ تھی ہی نہیں، میں نے حکیم صاحب سے کہا کہ نبض تو ہے ہی نہیں، اس پر حکیم صاحب نے خود نبض دیکھ کر بتلایا کہ ان کی نبض اوپر کی جانب پہنچے کے پاس ہے اور مجھے دکھلایا، میں نے بھی دیکھا تو اوپر کی جانب نبض تھی" (حیات مسیح الامتؒ ص۷۷)

لیکن جس زمانہ میں آپ طب کی تعلیم حاصل کر رہے تھے اسی زمانہ میں کسی عزیز مخلص نے یہ رائے دی کہ "آپ طب پڑھ کر دین کے کام کے تو رہو گے نہیں" اس کے بعد آپ نے طب کی تعلیم ترک فرمادی۔ اسی طرح کا واقعہ آپ کے شیخ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا بھی ہے انھوں نے بھی تحصیل طب کا پختہ ارادہ کر لینے کے بعد کسی صاحب کے اسی طرح کی بات کہنے پر اس طرف سے بالکل توجہ ہٹالی، پھر کبھی اس طرف رخ ہی نہ کیا۔

ان حضرات اکابر کے اس طرز عمل کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہے کہ علم طب یا اسی طرح کا دوسرا کوئی فن یا صناعت حاصل کرنا ممنوع یا ناپسندیدہ ہے، بلکہ بات دراصل یہ ہے کہ جن ذوات قدسیہ کو اللہ تعالی امت کی اصلاح، خلق خدا کے امراض روحانی کی مسیحائی اور ایک عالم کے رشد و ہدایت کے لئے منتخب فرمالیتے ہیں فطری طور پر ان کی توجہات عالیہ کو ان مادی علائق سے بعید تر فرما دیتے ہیں، روح کے طبیب و مسیحا کے لئے جسم و بدن کا طبیب و معالج بننا کچھ زیب بھی نہیں دیتا، اور بہ یک وقت کامل یکسوئی کے ساتھ دو کام بتمام و کمال اور بحسن و خوبی انجام نہیں پا سکتے، یہی وجہ ہے کہ تقسیم کار کا اصول ہر خاص و عام

کے نزدیک مسلم ہے، پس عالم بالا میں جن نفوس قدسیہ کو امت کی اصلاح و تربیت اور رشد و ہدایت کے لئے انتخاب فرمالیا جاتا ہے ان کے قلب و دماغ اور ذہن و مزاج کو مکمل طور پر اخروی علوم اور روحانی مدارج کی ترقیات ہی کی طرف گامزن رکھا جاتا ہے اور جو چیز اس شاہد مقصود تک رسائی کی راہ میں کسی درجہ میں بھی مانع یا حارج ہو اس سے ان کی طبیعت و مزاج کا رخ اور قلب و نظر کی توجہ فوراً پھر جاتی ہے۔

صفحہ نمبر ۲۹ کا حاشیہ :۔

حضرت مولانا سمیع اللہ خانصاحب شروانی اچھے عالم، جید مدرس اور لائق منتظم تھے، اپنے برادر معظم حضرت مسیح الامتؒ کے ایماء اور مشورے سے علاقہ پنجاب کے بعض مدارس میں تدریسی خدمت انجام دی۔ بعد میں زندگی کے آخری ایام تک مفتاح العلوم جلال باد میں تعلیم و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، حضرت مسیح الامتؒ کی وفات کے تقریباً دو سال بعد ۲۳ ؍ستمبر ۱۹۹۴ء میں وفات پائی اور حضرت کے قریب ہی مدفون ہوئے۔ ان کے تین صاحبزادے ہیں، سب سے بڑے حافظ رضی اللہ خان صاحب مفتاح العلوم میں مدرس ہیں، دوسرے مولوی ذکی اللہ خانصاحب مفتاح العلوم سے فارغ التحصیل ہیں اور تجارت کرتے ہیں اور تیسرے مولانا وصی اللہ خانصاحب عرف آرزو میاں ہیں ان سے حضرتؒ کے صاحبزادہ بھائی جان کی صاحبزادی منسوب ہیں، یہ بھی مدرسہ میں استاد اور مجلہ مفتاح الخیر کے مدیر ہیں۔

باب ۳

دار العلوم دیوبند میں

دار العلوم دیو بند میں

یہاں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ میرے سامنے حضرت مسیح الامتؒ کے سوانح اور حالات کے سلسلہ میں جو سب سے اہم اور مستند ماخذ ہے وہ ''حیات مسیح الامتؒ'' ہے جس کے مصنف مفتی رشید احمد صاحب میواتی مفتاحی ہیں، یہ حضرتؒ کے شاگرد اور مسترشد ہیں اور یہ کتاب انھوں نے خود حضرت والاؒ سے معلومات حاصل کر کے لکھی ہے تاہم اس میں تاریخی اور فنی لحاظ سے بعض جگہ بہت پیچیدگی پیدا ہوگئی ہے اور بعض مقامات پر معلومات بہت ناقص اور ادھوری ہیں جس کی وجہ سے بعد کے مرتب سوانح کو جس کے پاس معلومات حاصل کرنے کا کوئی دوسرا مستند ذریعہ نہیں بہت دشواری کا سامنا ہے۔

آپ پچھلے صفحات میں سن چکے ہیں کہ حضرت والاؒ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے مفتی سعید صاحبؒ کے یہاں لکھنؤ تشریف لے گئے، (حیات مسیح الامت ص ۷۶) اور اسی زمانے میں لکھنؤ کے مدرسہ فرقانیہ میں کسی قاری صاحب سے جو حضرت مفتی سعید احمد صاحب کے شاگرد تھے تجوید کی مزید مشق فرمائی اور کتابت بھی سیکھی، پھر یہی سوانح نگار کم از کم دو مقامات پر یہ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے شرح وقایہ، جلالین شریف اور ملا حسن تک اپنے وطن میں مفتی سعید احمدؒ سے پڑھا۔ (حیات مسیح الامت ص ۶۷ و ۷۷) اس کے بعد ۱۳۴۷ھ میں مشکوۃ شریف، ہدایہ اولین وغیرہ سے دار العلوم دیو بند میں داخلہ لیا۔

جب آپ نے شرح وقایہ، جلالین شریف اور ملا حسن تک اپنے وطن برلہ میں مفتی صاحب سے کسب تعلیم کر کے اس کے آگے کی تعلیم کے لئے ۱۳۴۷ھ میں دار العلوم دیو بند میں داخلہ لے لیا تو پھر آخر لکھنؤ کب اور کیا پڑھنے گئے؟ چونکہ سوانح نگار نے حضرت سے معلوم کر کے یہ لکھا ہے کہ آپ نے لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی ہے اسلئے یہ امر قطعی ہے اس

میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ آپ کا قیام لکھنؤ میں بغرض تعلیم رہا ہے، مگر ان سوالات کا جواب معلوم کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ اب تک تو نہیں ہے کہ لکھنؤ میں آپ کا قیام کب اور کتنے عرصہ رہا؟ اور وہاں آپ نے حضرت مفتی صاحبؒ سے کیا کتابیں پڑھیں؟ اور پھر جب مفتی صاحب برلہ کے مدرسہ میں ہی مدرس تھے تو لکھنؤ جانے کا کیا سبب ہوا؟ یہ وہ سوالات ہیں جو ایک سوانح نگار کے لئے بہ حیثیت واقعہ نگاری بہت اہم ہیں۔

دارالعلوم دیوبند سے پہلے کے تعلیمی سلسلہ کے بیان میں ـــــ جو برلہ، علی گڑھ پھر برلہ اور لکھنؤ کے درمیان دائر ہے ـــــ بڑا خلط واقع ہو گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا صاحب سوانحؒ نے مختلف اوقات میں اپنے یہ حالات اور واقعات اسی طرح بیان فرمائے ہوں گے جس طرح سے عام طور پر بر سبیل تذکرہ اپنے خوردوں کے سامنے بلالحاظ ترتیب وتذکرہ سن وسال اکابر بیان کر دیا کرتے ہیں اور سوانح نگار نے بوقت تالیف بھی ان واقعات کے لکھنے میں ترتیب قائم کرنے اور سن وسال وغیرہ کے ذکر کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی اس وجہ سے یہ سوالات تشنۂ جواب رہ گئے ہیں۔

بہر حال یہ تو متعین ہے کہ آپ نے ۱۳۴۷ھ میں مشکوۃ شریف اور ہدایہ اولین وغیرہ سے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا جہاں آپ کا چار سال قیام رہا، پہلے سال ہدایہ اولین، مشکوۃ شریف وغیرہ کتابیں پڑھیں اور دوسرے سال دورۂ حدیث کی تکمیل کی، اور دورۂ حدیث شریف کے بعد دو سال فنون کی کتابیں پڑھیں۔ اب جو دورۂ حدیث شریف کے بعد کی مزید تعلیم کے لئے تکمیل یا اختصاص وتخصص کے نام سے مختلف علوم وفنون کے الگ الگ درجات قائم ہو گئے ہیں پہلے اس کے بجائے مختلف فنون ـــــ منطق، فلسفہ، ہیئت اور ادب عربی وغیرہ ـــــ کی اہم اور مشکل کتابیں پڑھائی جاتی تھیں اور اسی کو

''درجۂ فنون'' یا ''فنون کا سال'' کہا جاتا تھا۔ اور بالعموم یہ ''درجۂ فنون'' ایک سال کا ہوا کرتا تھا مگر حضرت والاؒ نے یہ فنون کی تعلیم بھی دو سال حاصل کی، جس کی وجہ معلوم کرنی بھی دلچسپی سے خالی نہیں، بلکہ اس زمانے کے ہم جیسے کوتاہ حوصلہ اور قاصر الہمت طالبعلموں کے لئے نہایت ضروری بلکہ تازیانۂ عبرت ہے، جس کا قصہ یہ ہے کہ آپ اپنے حالات اور علمی و عملی مصروفیات سے اپنے مرشد حضرت تھانویؒ کو برابر مطلع کرتے رہا کرتے تھے اور انہیں کی ہدایات کی روشنی میں اپنی زندگی کا سفر طے کرتے رہتے۔ جب آپ نے دورہ کی تکمیل کے بعد فنون کی تعلیم بھی مزید ایک سال دیوبند میں قیام کر کے حاصل کر لی تو حسب معمول اس کی اطلاع مرشد تھانویؒ کو دی حضرت مرشدؒ نے ارشاد فرمایا:۔

''میرا خیال ہے کہ دو چار کتابیں فنون کی جو رہ گئی ہیں ان کو بھی پڑھ لیا جائے، اب زمانہ ایسا نہیں ہے کہ کسی دوسرے عالم پر رہا جائے'' (حیات مسیح الامت ص ۷۱)

سعادتمند مسترشد نے عرض کیا:۔

''بہت اچھا، انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا، والد صاحب کی خوشامد کر کے ایک سال کی اجازت اور لے لوں گا''

چنانچہ جب والد صاحب سے اجازت طلب کی گئی تو انھوں نے بخوشی اجازت عطا فرمادی اور آپ نے مزید ایک سال اور فنون کی کتابیں پڑھیں، جس میں یہ کتابیں شامل تھیں: قاضی حمد اللہ، امور عامہ، تصریح شرح چغمینی، صدرا، شمس بازغہ وغیرہ۔ اس طرح ۱۳۵۱ھ تک آپ کا قیام دارالعلوم دیوبند میں رہا۔

دارالعلوم میں آپ کے اساتذۂ کرام دارالعلوم میں بخاری شریف آپ نے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے پڑھی، اور دوسری کتابوں میں بھی آپ کے

اساتذہ وہ معادن فضل وکمال اور جہابذۂ علم وفن تھے جو آسمان علوم شرعیہ کے آفتاب و ماہتاب اور فنون عقلیہ میں ارسطو وافلاطون کے ہم پلہ تھے، ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:۔

"شیخ الفقہ والادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا رسول خاں صاحبؒ، حضرۃ العلامۃ محمد ابراہیم صاحبؒ، محدث العصر حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ، مناظر اسلام حضرت مولانا مرتضی حسن چاند پوری رحمہم اللہ تعالی اجمعین"

دارالعلوم میں آپ کے شب و روز دارالعلوم دیو بند جیسا عالمی ادارہ جہاں مختلف بلاد وامصار کے اور مختلف ذوق ومزاج کے طلبہ کا ایک ازدحام اور جم غفیر اپنی طرح طرح کی علمی، ادبی، شعری وغیرہ طالبعلمانہ سرگرمیوں اور شوخیوں میں مصروف رہتا ہے کسی طالب علم کا ان سے الگ اور یکسو ہوکر اپنی دنیا الگ آباد کرنا کتنا دشوار ہے اس کو وہی لوگ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جن کو ایسے ماحول میں رہنے سہنے کا سابقہ پڑا ہو، لیکن آگے چل کر مسیح الامت بننے والا یہ انوکھا طالب علم —— جب کہ آپ کی عمر ۱۷۔۱۸ سال کی تھی جو طبیعت کی شوخی اور چہل نیز دارالاقامتی طالبعلمانہ سرگرمیوں اور مصروفیتوں میں بصد شوخی و طنازی سرگرم اور مصروف رہنے کی عمر ہوتی ہے —— جوامت اسلامیہ کی مسیحائی کے لئے عالم بالا میں منتخب کیا جاچکا تھا چار سال کی خاصی طویل مدت اس طرح گزار دیتا ہے کہ اس کی ساری سرگرمی اور توجہ صرف اپنی کتابوں، درس ودرسیات، استعداد وقابلیت کے بنانے، سنوارنے، بڑھانے، جلاء دینے اور نفس کے تزکیہ اور تحلیہ میں مبذول اور منہمک، محفل آرائی اور یار باشی کا تو کیا ذکر وہاں تو حال یہ تھا کہ انھوں نے اپنی کتابوں اور اساتذہ

کے علاوہ کسی کو جانا ہی پہچانا نہیں، خود انہیں کے الفاظ میں :۔

''احقر چار سال دارالعلوم دیوبند جیسی جگہ رہا، وہاں اوروں نے تو مجھے دیکھا ہوگا پہچانا ہوگا، مگر میں نے کسی کو جانا نہیں، نہ میرے پاس کوئی آتا تھا نہ میں کسی کے پاس جاتا تھا، کبھی کبھی جمعہ کے روز مزارات پر حاضر ہو جایا کرتا تھا'' (حیات مسیح الامت ص ۲۷)

اور ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ :۔

''چار سال میں ایک تو داخلہ کی جگہ جانا ہوا تھا امتحان دینے کیلئے، امتحان دینے کے بعد میں پوچھنے بھی نہیں گیا کہ نمبر کیسے آئے، وہیں امتحان گاہ میں ممتحن حضرات نے بتلا دیا تھا کہ آپ کی مطلوبہ کتابیں مل گئی ہیں، آپ یہ کتابیں لے لیں۔ میں نے کہا بہت اچھا، چار سال کے اندر کبھی دفتر میں نہیں گیا، سردیوں میں کپڑے وغیرہ تقسیم ہوتے تھے، میرا بھی نام تھا اسی طرح وظیفہ ملتا تھا مگر میں نے کبھی نہ کپڑے لئے نہ وظیفہ لیا'' (حیات مسیح الامتؒ ص ۲۷)

خلوت در جلوت اور باہمہ رہتے ہوئے بے ہمہ رہنے کی یہی کیفیت تھی کہ اپنے ''وقت عزیز'' کے ایک ایک لمحہ کی ایسی قدر و حفاظت کی کہ اس کی نظیر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ :۔

''ہم ایک کمرہ میں ایک مرتبہ چار ساتھی تھے، میرے علاوہ تین اور تھے لیکن میں اس طرح رہتا تھا کہ گویا میں اکیلا ہوں، دوسرے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھ کر باتیں نہیں کیں (یعنی فضول گوئی اور گپ شپ نہیں کی) یہ بھی فرمایا کہ مہتمم صاحب یعنی جناب

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب (عثمانیؒ) بہت کرم فرماتے تھے،
انھوں نے طیب منزل میں صدر دروازہ کے اوپر تنہا کمرہ دیدیا تھا،
دوسال تک اس میں قیام رہا" (حیات مسیح الامتؒ ص ۴۷)

اس یکسوئی کے ساتھ محنت کا یہ حال تھا کہ جب آپ کے شیخ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو کسی ذریعہ سے آپ کی اسقدر جفاکشی اور محنت کا حال معلوم ہوا تو انہیں اس قدر مشقت برداشت کرنے سے روکنا پڑا اور یہ فرمایا کہ:۔

"کیا یہی زمانہ طالب علمی کا ہے اصل زمانہ تو طالب علمی کا فارغ ہونے کے بعد شروع ہوگا، اس طرح سے محنت کی جائے کہ صحت میں خلل نہ پڑے"

یہ ہے مرشدِ کامل کا انداز اصلاح و تربیت اور طریق اعتدال کی تعلیم اور " ان لجسدک علیک حقاً " (بیشک تیرے جسم کا تجھ پر حق ہے) کی تشریح اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توجیہ ورہنمائی، اور یہ ہے اصل تصوف وسلوک کی روح کہ ہر حقدار کو اس کا حق ادا کیا جائے، خواہ وہ حق اللہ جل شانہ کا ہو، بندوں کا ہو یا خود اپنی جان وجسم اور اعضاء کا ہو۔ اور پھر یہ ہے طالب صادق، مسترشد مخلص ومطیع کی اثر پذیری اور اطاعت وانقیاد کہ:۔

"جب حضرت والا (مولانا تھانویؒ) نے ایسا جملہ فرمایا تو بس میرا مزاج طالب علمانہ ہوگیا" (حیات مسیح الامتؒ ص ۴۷)

اسی کا نام تصوف کی اصطلاح میں "فناء فی الشیخ" ہے کہ خودرائی ختم، اپنی رائے کو، اپنے جذبات کو شیخ اور مرشد کی رائے اور تجویز کے سامنے پامال کردینا —— جب بات محنت اور دھن ودھیان کی چل رہی ہے تو محنت کرنے کے انداز اور طریقہ کو بھی سن لیجئے شاید ہم جیسے طالب علموں کیلئے کچھ مہمیز کا کام کردے اور کسی باہمت کو کچھ فائدہ پہنچ جائے

کہ علماء ومشائخ اور بزرگوں کے سوانح لکھنے لکھانے اور پڑھنے پڑھانے سے مقصود اصلی یہی تو ہے، فرمایا کہ:۔

"جب میں دارالعلوم دیوبند میں پڑھتا تھا تو کتاب کا تکرار اس طرح کیا کرتا تھا کہ آنکھیں بند کرلیا کرتا تھا اور پھر خیال دوڑایا کرتا تھا کہ فلاں صفحے سے فلاں صفحے تک یہ مضمون ہے، فلاں یوں کہہ رہا ہے اور فلاں یوں کہہ رہا ہے اور فلاں کا مذہب یہ ہے اور فلاں کا مذہب یہ ہے" (ایضاً)

یہ تو تھا سبق کا اعادہ اور ہمارے درس نظامی کے مدارس کی اصطلاح وزبان میں تکرار کا طریقہ اور انداز۔ آیئے مطالعہ کا طریقہ بھی معلوم کرلیجئے جس سے مطالعہ کا مقصد بھی واضح ہوجائے گا، فرمایا کہ:۔

"میرے ایک استاد نے مجھے نصیحت کی تھی کہ مطالعہ آپ دیکھتے ہی ہیں مگر جب مطالعہ دیکھا کرو تو اس نیت سے نہ دیکھا کرو کہ مجھے پڑھنے جانا ہے بلکہ اس نیت سے مطالعہ دیکھا کرو کہ مجھے پڑھانے کے لئے جانا ہے" (ایضاً)

ظاہر ہے کہ استاد کی نصیحت پر عمل کیا گیا چنانچہ حضرۃ الاستاذ کی یہ نصیحت سنانے کے بعد طلبہ کو ترغیب وتشویق کے طور پر فرمایا کہ جو طالب علم اس طرح مطالعہ کرے گا وہ حاشیہ بھی دیکھے گا اور شروحات بھی دیکھے گا ہم نے پڑھنے کے زمانہ میں شرح جامی سے پہلے تحریر سنبٹ دیکھی ہے، عجیب کتاب ہے اور میزان الصرف سے لیکر فصول اکبری تک اور نحو میر سے لیکر شرح جامی بحث فعل تک حفظ سنایا تھا۔ (ایضاً بحوالہ درس شمائل ترمذی شریف ۸؍جمادی الاخری ۱۴۱۲ھ)

موجودہ زمانہ میں طلبہ کی ضرورتیں جو زیادہ تر خودساختہ ہیں نہ صرف یہ کہ بڑھ گئی ہیں بلکہ روز افزوں ہیں، عصر حاضر کی نئی نئی ایجادات اور بازاروں میں کثرت سے رنگ برنگ اور قسم قسم کے سامانوں کی موجودگی نے اہل دنیا کی طرح ان کی آنکھوں کو بھی چکا چوند کر دیا ہے اور ''قناعت'' و ''کفایت شعاری'' کے الفاظ روزمرہ کی لغت سے خارج قرار دیدیئے گئے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ ان کیلئے بھی نمونہ اور اسوہ یہی اہل دنیا اور اہل غفلت ہیں جب کہ انکے سامنے اپنے اسلاف واکابر اور بزرگوں کا طرز عمل موجود ہے، اسی ضرورت اور مناسبت سے امت کے اس مسیحا کی کفایت شعاری اور قناعت کا حال بھی سنتے چلئے اور یہ خیال رہے کہ یہ حال ۱۷۔۱۸ سال کی عمر کے طالب علم کا ہے نہ کہ دراز عمر، سن رسیدہ شیخ وقت اور مسیح الامت کا۔ ''حیات مسیح الامت'' کے مصنف نے خود حضرتؒ ہی کی زبانی نقل کیا ہے کہ:۔

> ''فرمایا والدصاحب کی طرف سے دس روپیہ ماہانہ خرچ کے لئے آتے تھے، اس میں سے چار روپئے کھانے کے جاتے تھے، دہی اور برف کا شوق پہلے سے تھا اس میں ایک روپیہ اور خرچ ہو جاتا تھا اس طرح مکمل پانچ روپئے ماہانہ خرچ ہوتے تھے، سال میں تقریباً ساٹھ روپئے بچ جاتے تھے وہ میں اپنی اہلیہ مرحومہ کو دیدیا کرتا تھا''
>
> (حیات مسیح الامتؒ ص۴۷)

یہ ہے ۱۷۔۱۸ برس کی عمر کے طالب علم کی کفایت شعاری اور حقوق کی ادائیگی ورعایت نیز مصارف واخراجات میں اعتدال کا حال، چونکہ والدین کی خواہش کے احترام میں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو چکے تھے اور اپنی مستقل آمدنی کا ذریعہ نہ تھا اسلئے جو کچھ اپنی ضروریات سے پس ماندہ رہ جاتا اس سے اہلیہ محترمہ کی دلداری کی جاتی۔ کیا ہے اس زمانہ کے طلبہ کے لئے اس میں کوئی نصیحت کا سامان؟

باب ۴

مرشد تھانویؒ سے تعلق وارادت

مرشد تھانویؒ سے تعلق وارادت

حصول علم و ہنر اور کسب فضل و کمال کے لئے استاد و شاگرد اور معلم و متعلم کے درمیان مناسبت کا ہونا اشد ضروری ہے اس کے بغیر اکثر دیکھا گیا ہے کہ ذہین اور با استعداد طالب علم بھی با کمال اور بافیض استاد کی درسگاہ علم وادب سے خالی ہاتھ واپس ہوا اور جب دونوں جانب سے مناسبت رہی تو بسا اوقات یہ ہوا کہ نسبتاً کم استعدادی کسب فیض اور حصول کامرانی کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکی۔ پھر ایک استاد و شاگرد کے درمیان مناسبت کا ہونا جتنا اہم اور ضروری ہے اس سے کہیں زیادہ مرشد اور مسترشد کے درمیان مناسبت کا پایا جانا لابدی اور ناگزیر ہے، اسی واسطے مشائخ طریق کے یہاں شیخ و مرید کے درمیان مناسبت کو تعلق اصلاح و تربیت اور رشتۂ بیعت وارادت کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ مشائخ کاملین کے ایسے واقعات ملتے ہیں کہ کوئی مسترشد کچھ عرصہ تک ان کی خدمت میں رہا لیکن جب مزاج کی عدم مناسبت ظاہر ہوگئی تو اس سے صاف کہدیا کہ آپ کا حصہ یہاں نہیں ہے تاکہ وہ دھوکہ میں رہ کر محروم نہ رہ جائے اور اپنے مناسب کسی دوسرے شیخ سے تعلق قائم کر کے اپنی منزل تک پہنچنے کا سفر جاری رکھے، یہ ایسا ہی جیسے کوئی طالب علم کسی مدرسہ یا کالج میں داخلہ لیتا ہے مگر وہاں سے اس کو مناسبت نہیں ہوتی اور وہاں کی فضاء اس کو راس نہیں آتی مگر وہی طالب علم جب کسی دوسری جگہ داخلہ لیتا ہے تو وہ اپنی منزل پانے میں کامیاب ہو جاتا ہے، ہاں یہ شرط ضرور ہے کہ طالب کے اندر طلب صادق اور استعداد ضروری موجود ہو۔

ہمارے حضرت مسیح الامتؒ کو اپنے شیخ و مرشد حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور ان کی تصنیفات سے فطری مناسبت حاصل تھی، ابھی آپ کا بچپن ہی

تھا اور آپ درجہ تین ہی کے طالب علم تھے کہ بہ طور خود بہشتی زیور اور تھانہ بھون سے شائع ہو نے والے رسالے "النور" اور "الامداد" کا مطالعہ کرنے لگے تھے اور دراصل ان کے مطالعہ ہی سے آپ کے اندر دینی تعلیم حاصل کرنے کا رجحان پیدا ہوا جو روز بروز بڑھتا گیا اور پھر یہ فطری مناسبت ہی کی بات تھی کہ محض بہشتی زیور اور چند رسالوں کے مطالعہ کرنے ہی سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ساتھ آپ کو ایسی عقیدت و محبت ہوگئی — گو یہ عقیدت و محبت غائبانہ ہی تھی — کہ بڑے بڑے درویشوں اور علماء کی ملاقات و زیارت کے مواقع ملے، مگر آپ کی نظر میں مرشد تھانویؒ کے علاوہ کوئی سمایا ہی نہیں اور قلب کا رجحان کسی اور طرف ہوا ہی نہیں، بس ابتداء ہی سے یہ کیفیت تھی کہ ع

"ہمہ شہر پُر زخوباں منم و خیال ماہے"

حضرت تھانویؒ کے ساتھ اس فطری مناسبت اور بن دیکھے ہی عقیدت و محبت کی اس والہانہ کیفیت کا حال حضرت والاؒ ہی کی زبانی سن لیجئے:۔

"فرمایا کہ حضرت تھانوی کی "بہشتی زیور" اور رسالہ "النور" وغیرہ کے مطالعہ سے غائبانہ عقیدت و محبت ہوگئی تھی کہ بڑے بڑے درویشوں اور علماء کو دیکھنے اور زیارت کرنے کا موقعہ ملا ایسے درویشوں کے حلقوں میں بھی بیٹھا جن سے ہمارے یہاں (علیگڑھ) کے بڑے بڑے رئیس اور نواب صاحبان بیعت تھے، ان کے بیانوں میں بھی شریک ہوا مگر حضرت والا (مولانا تھانویؒ) کے علاوہ کبھی کسی کی طرف نظر ہی نہیں گئی، حالانکہ بعضوں نے تو جب میں ان کے حلقوں میں گیا کہا بھی تھا کہ کیا آپ مجھ سے بیعت ہوں گے؟ میں نے عرض کر دیا کہ جی نہیں، اس پر انھوں

نے فرمایا کہ ہمارے حلقوں میں تو وہی لوگ بیٹھتے ہیں جو ہم
سے بیعت ہوں یا بیعت ہونا چاہتے ہوں یہ سن کر میں اٹھ کر چلا
آیا"

زیارت وملاقات جاننے والے جانتے ہیں کہ عشق ومحبت اور جذب وعقیدت کے تعلق کے لئے دید وزیارت کی چنداں اہمیت نہیں ہے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اگر شوق دید کی بیقراری نہ ہو تو نعمت زیارت کی لذت کی قدر کا ادراک واحساس بھی نہ ہو سکے اور اسی لئے عارف شیرازیؒ فرما گئے ہیں۔

نہ دوری دلیل صبوری بود — کہ بسیار دوری ضروری بود

جن کی کتابیں اور مضامین پڑھ کر ان سے عقیدت ومحبت کا تعلق استوار ہوا تھا اور اس طرح ہوا تھا کہ اب کسی اور پر نگاہ ٹکتی نہ تھی جب ایک دن یہ خبر معلوم ہوئی کہ وہ تو ان ہی کے شہر علی گڑھ میں جلوہ افروز ہیں اور شمع ہدایت روشن کئے ہوئے کتاب وسنت کے انوار سے علی گڑھ کی فضا کو منور فرما رہے ہیں تو اس وقت ایک عاشق نادیدہ اور معتقد غائبانہ کے دل میں کیف وسرور کی کیسی لہریں اٹھی ہوں گی اس کا اندازہ کرنے کے لئے کوئی عشق چشیدہ اور عقیدت گزیدہ دل مضطر چاہئے، آپ جلد ہی حضرت تھانویؒ کی قیام گاہ پر حاضر ہو گئے، سلام ومصافحہ ہوا اور اس پہلی ملاقات کے موقع پر بھی دیر تک آپ کی صحبت اور معیت میں قیام رہا حالانکہ ابھی آپ کی عمر سن طفولیت سے متجاوز نہ تھی جو اس عمر کے بچوں کے لئے کھیل تماشہ کی عمر ہوتی ہے نہ کہ شیخ خانقاہ کی مجلس میں حاضری کی۔ پھر ان کی باتیں اس طرح غور سے سنتے اور دل میں بسا لیتے ہیں کہ آخر عمر تک ان باتوں کو مزہ لے لیکر سناتے ہیں، آپ بھی اب حضرتؒ ہی کی زبانی اس پہلی زیارت کی داستان سنئے جو داستان نہیں بلکہ گنجینۂ علم وعرفان ہے:۔

''فرمایا کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ حضرت والا (مولانا تھانویؒ) علی گڑھ تشریف لائے ہیں تو جہاں حضرت والاؒ کا قیام تھا میں وہیں حاضر ہوا، حاضری کے بعد سلام و مصافحہ ہوا، اس وقت میری عمر تیرہ چودہ برس کی تھی، عصر اور ظہر کی نمازیں بھی مسجد میں حضرت والا کے ساتھ پڑھیں۔ مسجد میں ایک طالب علم امام تھے جو جامع مسجد علی گڑھ میں عربی پڑھتے تھے، انھوں نے ادباً حضرت والا سے عصر کی نماز پڑھانے کے لئے عرض کیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ آپ امام صاحب ہیں، آپ احق ہیں، آپ نماز پڑھایئے، میں تو مسافر ہوں، چنانچہ حضرت والا نے نماز نہیں پڑھائی ان امام صاحب ہی نے نماز پڑھائی، عصر کی نماز سے پہلے کچھ بیان ہوا تھا اور عصر کے بعد مجلس ہوئی تھی۔ اس سفر میں حضرت والا کے ساتھ جناب امیر شاہ خانصاحب بھی تھے جو بڑے وجیہ، سفید رو، سفید ریش اور سفید پوش تھے، اپنے تمام اکابر کو دیکھے ہوئے تھے اور ان کے بڑے معتقد تھے، حافظہ بھی ان کا ماشاء اللہ خوب تھا اپنے اکابر کے بہت سے واقعات انکو یاد تھے، انکی زیارت بھی حضرت والا کے ساتھ ہوئی تھی'' (حیات مسیح الامتؒ ص ۸۰)

ابھی اس پہلی زیارت و ملاقات کا قصہ ختم نہیں ہوا، مزاج کی مناسبت اور طبیعت کی اخاذی کا یہ حال ہے کہ تیرہ چودہ برس کے سن میں سنی ہوئی اس پہلی مجلس کی جزئیات علمیہ بھی ذہن میں محفوظ ہیں، اسی مجلس کا ایک واقعہ یا لطیفہ علمیہ بیان فرمایا کہ:۔

''عصر کے بعد مجلس ہوئی تھی اسمیں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلبہ

اور بعض اہم ارکان شریک تھے، چنانچہ ایک صاحب نے جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں شعبہ دینیات کے صدر تھے حضرت والا سے یہ سوال کیا کہ حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ جہاں زنا کی کثرت ہوتی ہے وہاں طاعون پھیلتا ہے، یہ سمجھ میں نہیں آیا، حضرت والا (مولانا تھانویؒ) نے دریافت فرمایا کہ مفہوم سمجھ میں نہیں آیا یا ربط سمجھ میں نہیں آیا، انھوں نے عرض کیا کہ مفہوم تو معلوم ہے ربط سمجھ میں نہیں آیا، اس پر حضرت والاؒ نے فرمایا کہ اگر ربط سمجھ میں نہیں آیا تو کیا حرج ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ اطمینان قلبی کے لئے دریافت کررہا ہوں، ''ولکن لیطمئن قلبی ''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہی فرمایا تھا، حضرت والا نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تو اطمینان قلبی ہوگیا تھا، میرے بتلانے سے آپ کو اطمینان قلب ہو جائے گا اس کی کیا دلیل ہے؟ اس پر وہ خاموش ہوگئے، اور باہر جا کر انھوں نے کہا کہ میرے سوال کا جواب ہوگیا کیونکہ ذات باری تعالی نے تو اطمینان قلب کرانے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مشاہدہ کرایا تھا اور حضرت والا جو فرماتے وہ عقلی دلائل ہوتے اس لئے بس میری سمجھ میں آ گیا'' (حیات مسیح الامتؒ ص۸۱)

اسی طرح کا ایک واقعہ اور بیان فرمایا کہ:۔

''عصر کے بعد مجلس ہو رہی تھی، یونیورسٹی کے طلبہ بھی آئے ہوئے تھے، اسی مجلس کے دوران ایک صاحب یونیورسٹی کے

ذمہ دار حضرات میں سے آئے، جو بڑے بولنے والے تھے اور انھوں نے حضرت والا (مولانا تھانویؒ) کو تحریکات میں (اس زمانہ میں تحریک خلافت وغیرہ کے نام سے جو تحریکیں چل رہی تھیں انمیں) شرکت کی دعوت دینا چاہی، ان کا خیال تھا کہ میں ان کی زبان بند کردوں گا، چنانچہ انھوں نے حضرت والا سے تنہائی کا وقت مانگا، حضرت والا ایک کمرہ میں تشریف لے گئے اور ان سے تنہائی میں گفتگو کی، پانچ سات منٹ ہوئے ہوں گے کہ باہر نکل آئے اور ان صاحب کو اعتراف کرنا پڑا کہ یہاں دال نہیں گلتی"۔ (حیات مسیح الامتؒ ص۸۲)

باقاعدہ تعلق یہ تو تھی روداد ابتدائے تعلق و ارادت اور زیارت و ملاقات اور اس وقت کے تاثرات کی، پھر جب آپ نے ۱۳۴۷ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا تو اسی سال حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے باضابطہ اصلاحی تعلق قائم فرما کر راہ استفادہ استوار فرمالی اور اطلاع احوال وطلب اصلاح کیلئے مراسلت کا سلسلہ پابندی اور التزام کے ساتھ جاری رکھا، اپنے تمام کوائف واحوال سے حضرت مرشد کو مطلع کرتے اور ان کی ہدایات اور رہنمائی کے مطابق عمل پیرا ہوتے، اس زمانہ کے بعض خطوط خوش قسمتی سے ہمیں دستیاب ہوگئے ہیں جن سے اس کم سنی ہی میں آپ کی غایت درجہ کی انابت الی اللہ، اتباع سنت کے اہتمام، حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی ادائیگی کی فکر، تواضع وانکسار، کم تر سے کم تر مخلوق خدا کی اذیت کے احساس کی شدت، آخرت کے ہمہ وقت استحضار اور خشیت ومحبت الٰہیہ کے ان احوال رفیعہ اور مقامات بلند کا سراغ لگتا ہے جو برسہا برس کی مشقت وریاضت اور مجاہدہ کے بعد پختہ عمروں کو بھی قسمت سے نصیب ہوتے ہیں۔ اس موقع پر دور طالب علمی کا ایک

قدرے طویل مکتوب نقل کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے جس سے آپ کی اس وقت کی کیفیات باطنی اور جذبہائے اندرون کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے:۔

"مسیح اللہ۔ دارالعلوم دیوبند ۱۹؍رجب ۱۳۵۰ھ

حضرت مرشدنا، ماوانا وملجانا عمت فیوضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت کا یہ غلام بدتر از خلائق عرصہ سے اپنے اندر ایک تغیر پاتا ہے جسکی اطلاع کا ارادہ اسی وقت تھا مگر خیال ہوا کہ یوں ہی معلوم ہوتا ہے، خیال ہی خیال ہے کہ تغیر ہوا ہے، مگر جب عرصہ گذر گیا اور اس میں زیادتی دیکھی پھر اپنا فرض سمجھا کہ حضور والا کو اطلاع کر کے حسب ارشاد اتباع کرے کہ یہ اپنا فرض عین ہے، گذشتہ سال تک اپنی یہ حالت تھی کہ اگر خلاف طبیعت کسی سے کوئی بات ہو جاتی تو بہت ناگوار ہوتا تھا کہ ناراض بھی ہو جاتا اور اسکا اثر اس سال کے شروع میں بھی رہا، رفتہ رفتہ اب بہت عرصہ سے یہ حالت ہے کہ خلاف طبیعت وخلاف قاعدہ ہونے پر قلب کو تکلیف تو ہوتی ہے مگر غصہ تو کیا ناگواری بھی نہیں ہوتی یہاں تک کہ بعض دفعہ نان بائی بڑی دیر سے کھانا لایا، کبھی بالکل نہیں لایا، انتظار میں فاقہ کرنا پڑا، دھوبی نے وقت پر کپڑے نہ دئے کبھی لے نہ گیا اور کبھی خود ڈال آیا کبھی ہاتھ سے دھوکر پہن لئے مگر ان بیچاروں سے ناراض ہونے کو، غصہ کرنے کو دل نہیں چاہتا، کبھی نرمی سے سمجھا بھی دیا تو خیال ہوا کہ شاید ناگواری ہوتی ہو،

دوسرے وقت احقر معافی چاہتا ہے اور خوش کرنے کو کچھ پیسے زائد دیدیتا ہے، حضرت، واللہ ایسے موقع پر فوراً یہ خیال ہو جاتا ہے کہ اس غلام میں اور ان بیچاروں میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ خیال آتا ہے کہ یہ سب میرے محبوب کے ہیں، پھر تو کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوتی، شرم آتی ہے کہ اس نالائق سے محبوب خدا کی کسی مخلوق کو تکلیف پہنچے، حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ خادم سے کسی کو ایذا نہ ہو، حضرت، اس کا یہ اثر ہے کہ بھڑ تک کے مارنے کو دل نہیں چاہتا، یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ نابکار سب سے بدتر روز وشب خدا کی نافرمانی کرتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ معاف فرماتے رہتے ہیں، اگر گرفت فرمائیں کہیں ٹھکانہ نہ رہے، یہ لوگ بیچارے تیری طبیعت کے خلاف کر دیتے ہیں، کیا یہ نہیں ہوتا کہ تو ضبط کرلے اور تیری طبیعت ہی کیا جو ناگواری ہو، حضرت، یہ بھی دل میں آتا ہے کہ سب منجانب اللہ ہے کہ کوئی کھانا نہ لایا، کسی نے کپڑے نہ دھوئے، کسی نے کچھ گم کر دیا حالانکہ ایسے وقت میں یہ خیال آتا ہے کہ یہ جانور موذی ہیں اور موذی کے مارنے کا حکم ہے اور ان افعال میں ان لوگوں کے کسب کو دخل ہے، اگر ان جانوروں کو مار دیا جائے اور ان لوگوں کو کچھ کہہ دیا جائے اور کہتے وقت اپنے بڑے ہونے کا خیال قطعاً نہ آوے اور ان بے چاروں کو چھوٹا و حقیر نہ سمجھ کر کیا جائے تو کوئی حرج نہ ہوگا، مگر حضرت، واللہ یہ خیال کہ یہ سب میرے محبوب کے ہیں ان باتوں سے روکتا ہے کسی سے کچھ کہنے کو دل نہیں چاہتا۔ فقط والسلام

جواب حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ:۔

''مبارک ہو، مگر بھڑ میں قدرے ترمیم کی ضرورت ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ اور کسی کو بتلا دیا کہ یہ بھڑ بیٹھی ہے'' (حیات مسیح الامتؒ ص۸۳۔۸۴)

محبت الٰہیہ کی شدت اور اس کے نتیجہ میں خلق خدا کے ساتھ شفقت و ہمدردی کا جو رنگ آپ نے اس مکتوب میں دیکھا آخر عمر تک آپ کی طبیعت میں یہ رنگ باقی رہا، چنانچہ کبھی کسی جانور حتی کہ کھٹمل وغیرہ کو بھی نہ مارتے مگر چونکہ طبیعت کو حد شرع کے مطابق اور حد شرعیہ کے تابع بنالیا تھا اسلئے'' **قتل الموذی قبل الایذاء** '' کے مصداق دوسروں کو اشارہ سے بتلا دیا کرتے کہ کہیں کسی اور کو ایذاء نہ پہنچادے۔

قیام دیوبند کے زمانے میں آپ کا معمول تھا کہ سالانہ امتحان سے فارغ ہو کر ۱۵ر شعبان کے بعد تھانہ بھون حاضر ہو جاتے اور رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں وطن تشریف لے جاتے، یہ وہ موقع ہوتا تھا کہ ملک کے اطراف واکناف سے علماء وصلحاء کی ایک بڑی تعداد کھنچ کر تھانہ بھون آجاتی تھی اور خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کے علم پرور اور معرفت آگیں ماحول وفضاء میں ساقیٔ محبت ومعرفت کے فیضان علم وآگہی اور انوار و برکات روحانی سے اپنے عقل ودماغ کے دریچوں کو روشن اور قلب وروح کو نئی زندگی اور شادابی وتازگی سے سرشار کرتی۔ حضرت مسیح الامتؒ اس موقع کے علاوہ درمیان سال کی چھٹیوں میں بھی خدمت اشرف میں حاضر ہو کر قلب وروح کے تزکیہ وجلاء کا سامان بہم پہنچاتے اور عشق ومعرفت کی دولتِ بے بہا سے دامنِ مراد بھر لیتے۔

بیعت وخلافت مشائخ دیوبند کا عام معمول ودستور تھا کہ زمانہ طالب علمی میں کسی کو بیعت نہیں فرمایا کرتے تھے، اور یہی معمول حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا

بھی تھا اور وجہ اس کی یہ تھی کہ طلب علم مستقل انہماک، مسلسل محنت وتوجہ اور مکمل یکسوئی کا متقاضی ہے اور راہ سلوک وتصوف کی ابتداء میں اکثر ایسی وادیوں سے سالک کو گزرنا پڑتا ہے جو اس کے طلب علم کی راہ میں دشواریوں کا موجب بن سکتی ہیں، اسلئے سلامتی کی راہ یہی ہے کہ ایک کی تکمیل کے بعد دوسرے کی راہ میں قدم رکھا جائے — تاہم یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ کلی اکثری ہے، چنانچہ اس میں کئی ایک مستثنیات بھی ہوئے ہیں، حضرت والا جلال آبادیؒ کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا کہ آپ دیوبند میں طالب علمی کے زمانہ میں ایک بار جب تھانہ بھون حاضر ہوئے اور درخواست بیعت کا عریضہ لکھ کر خانقاہِ تھانہ بھون کے دستور کے مطابق لیٹر بکس میں (جو خانقاہ میں سالکین کے لئے رکھا رہتا تھا) ڈال دیا تو اس کا جواب اسی پرچہ میں حسب معمول تحریر فرمودہ ملا کہ:۔

"ظہر کے بعد یہ پرچہ مجھے دیدیا جائے اور مغرب کے بعد مسجد میں رہیں، میں آواز دوں گا تو تشریف لے آئیں"

حضرت کا بیان ہے کہ میں اوابین پڑھا کرتا تھا مگر اس روز مغرب کے بعد اوابین نہیں پڑھی کہ نہ معلوم کس وقت آواز ہوجائے صرف سنتیں پڑھ کر مسجد کے برآمدہ میں آگے کے حصہ میں بیٹھا رہا، حضرت والا (مولانا تھانویؒ) نے سہ دری میں جہاں تشریف فرماتھے وہیں بیعت فرمالیا۔

بات دراصل یہ ہے کہ شیخ وقت مسترشدین کی اصلاح کے باب میں مجتہد ہوتا ہے، ہر ایک کی صلاحیت واستعداد اور ذوق ومزاج جداگانہ ہوتا ہے، یہاں حضرت حکیم الامتؒ نے اپنی فراست مومنانہ ومرشدانہ سے یہ تاڑ لیا ہوگا کہ ان کو بیعت کرنا طلب علم کی راہ میں کسی طرح کے حرج کا باعث تو کیا ہوگا بلکہ اس میں مزید معاون ثابت ہوگا اسلئے بلا کسی ردوقدح کے فوراً بیعت فرمالیا ع رموز مملکت خویش خسرواں دانند۔

پھر ۱۳۵۱ھ میں جب حضرت والا دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اور حسب معمول سابق شعبان میں تھانہ بھون حاضر ہوکر ۲۰؍رمضان المبارک تک قیام کرنے کے بعد وطن (علی گڑھ) تشریف لے گئے تو وہاں سے آپ نے خدمت مرشد میں اپنے حالات لکھ کر بھیجے، حکیم الامتؒ نے اسی مکتوب کے جواب میں آپ کو تحریری اجازت بیعت عطا فرمائی، اوراس طرح آپ علم ظاہر وباطن دونوں کی سند تکمیل سے ایک ساتھ سرفراز وکامران ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند سے تکمیل کے بعد آپ نے چند سال تک اپنے وطن کے مدرسہ اسلامیہ میں تدریسی خدمت انجام دی پھر حضرت تھانویؒ نے ۱۳۵۷ھ میں آپ کی تقرری کی تجویز جلال آباد کے لئے فرمادی تو آپ یہیں آکر یہیں کے ہوکر رہ گئے، تفصیل انشاءاللہ آگے آرہی ہے۔

اصحاب اختصاص میں حکیم الامت کے یہاں تین مجلسیں ہوا کرتی تھیں (۱) مجلس عام (۲) مجلس خاص (۳) مجلس اخص الخواص، ان تینوں مجلسوں کی خصوصیت ان کے ناموں سے ظاہر ہے، حضرت والاؒ ان مخصوص حضرات میں تھے جن کو ہر مجلس میں شرکت کی اجازت تھی، بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ مجلس مبارک میں صرف آپ ہی ہوتے اور ساقی میخانہ معرفت کے فیوض باطنی کے ترشحات اور انوار قلبی کے تنورات کا مرکز توجہ آپ ہی کا قلب مبارک ہوتا اور افادہ واستفادہ کا عجیب سماں اور منظر ہوتا، جب آپ کا قیام جلال آباد ہوگیا تو التزاماً یہ معمول ہوگیا کہ جمعرات کی شام کو جلال آباد سے خانقاہ تشریف لیجاتے اور سنیچر کے روز مجلس خاص میں شرکت کے بعد واپس تشریف لاتے۔ جو کچھ مجالس میں اپنے شیخ کی زبان مبارک سے سنتے غور اور توجہ سے سنتے اور یاد رکھتے، زندگی کے آخری ایام تک ان باتوں کو سناتے اور بار بار جوش محبت وعقیدت میں فرماتے کہ یہ سب باتیں حضرت والا (مولانا تھانویؒ) سے سنی ہوئی عرض کر رہا ہوں۔

حضرت تھانویؒ کے یہاں اتباع سنت میں ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ کچھ مخصوص حضرات اہل علم وفہم واصحاب صلاح وتقوی کے لئے مجلس میں بیٹھنے کی جگہ مقرر تھی، حضرت جلال آبادیؒ کا بیان ہے کہ:۔

"ایک مرتبہ حضرت والا (مولانا تھانویؒ) نے مجھے دیکھ کر مغربی جانب مخصوص حضرات کی جگہ بیٹھنے کے لئے فرمایا، وہاں چوں چرا کی گنجائش نہیں تھی، میں اٹھ کر وہاں بیٹھ گیا، پھر دوبارہ حضرت والاؒ نے عام اہل مجلس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمایا کہ "جب ایک مرتبہ بتلا دیا گیا تو بار بار کہنے کی کیا ضرورت ہے" اسکے بعد سے "الامر فوق الادب" پر عمل کرتے ہوئے مخصوص حضرات کی نشست کی جگہ ہی بیٹھنے لگا"

لطف وعنایت کے اظہار کا اس سے بھی زیادہ دلچسپ واقعہ حضرت ہی کے الفاظ میں یہ ہے کہ:۔

"حضرت والا (مولانا تھانویؒ) ایک مرتبہ یہاں جلال آباد تشریف لائے ہوئے تھے، میں بھی حاضر تھا، ایک کونہ میں بیٹھا ہوا تھا، حضرت والا نے مجھے دیکھ لیا تو فرمایا کہ مولوی مسیح اللہ تم وہاں کہاں بیٹھ گئے، یہاں میرے پاس آکر بیٹھو، وہاں چوں چرا کی گنجائش نہیں تھی، میں چپکے سے آکر بیٹھ گیا"

مرشد کی خصوصی توجہ وعنایت اور مسترشد کے کمال ادب وفناء کا یہ دلکش منظر بھی دیکھتے چلئے کہ راہ سلوک ومعرفت میں افاضہ واستفاضہ کی گرہیں اسی طرح کھلا کرتی ہیں۔ حضرت والاؒ بیان فرماتے ہیں کہ:۔

''حضرت خواجہ صاحب (خواجہ عزیز الحسن مجذوب خلیفہ حضرت تھانویؒ) نے مجھ سے فرمایا کہ آپ حضرت والا (مولانا تھانویؒ) سے بولا کریں، تو میں نے عذر کر دیا تھا پھر دوبارہ کہا تھا پھر عذر کر دیا تھا تو تیسری مرتبہ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ حضرت والا نے فرمایا ہے کہ مولوی مسیح اللہ مجھ سے بولا کریں، مگر اس پر بھی کبھی کھل کر نہیں بولا، مجلس میں تو بولتا ہی نہیں تھا، ہاں جب بالکل تنہائی ہوتی تھی تو کوئی سلوک و تصوف کا مسئلہ پوچھ لیا کرتا تھا، خاص خاص باتیں ہوجایا کرتیں تھیں'' (حیات مسیح الامتؒ ص ۸۸۔۸۹)

خلفائے مخصوصین میں حضرت حکیم الامتؒ کو آپ کے طرز تعلیم و تربیت پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب اپنی علالت کے زمانہ میں آپ نے اپنے گیارہ مخصوص خلفاء کے نام شائع فرمائے — جن کے بارے میں تحریر فرمایا تھا کہ اپنے چند مجازین کے نام لکھتا ہوں جنکی طرز تعلیم پر مجھے اعتماد ہے، ان میں سے جس سے چاہیں اپنی تربیت متعلق کرلیں — تو ان گیارہ مخصوص مجازین میں حضرت مسیح الامتؒ کا نام بھی شامل تھا۔ بہت سے حضرات کو تو آپ کا نام دیکھ کر تعجب بھی ہوا کیونکہ آپ نوعمر تھے اور آپ سے پہلے کے اجازت یافتہ بہت سے حضرات موجود تھے جن کا نام اس فہرست میں نہیں تھا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مزید براں متعدد مواقع پر مختلف انداز سے مرشد تھانویؒ آپ کی تعلیم و تربیت پر اپنے اعتماد کا اظہار فرماتے رہتے تھے، ایک مرتبہ کسی طالب سالک کا خط آیا، حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ اس خط کا جواب جو یہ (حضرت جلال آبادیؒ) کہیں وہ لکھدو، حضرت

فرماتے تھے کہ "وہاں چوں چرا کی گنجائش نہیں تھی چنانچہ میں نے اس خط کا جواب لکھوایا جو جواب میں نے عرض کیا وہ لکھ دیا گیا" اس واقعہ کو بیان فرمانے کے بعد حضرت والاؒ نے ارشاد فرمایا کہ "دیکھو بڑے یوں بڑھایا کرتے ہیں اپنے چھوٹوں کو"۔

اسی نوع کے ایک واقعہ کی تفصیل حضرت والاؒ کی زبانی ہی سنتے چلئے، فرمایا کہ:۔

"بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ کسی طالب تربیت کی میرے پاس اصلاحی خط و کتابت ہوتی رہی، کچھ عرصہ کے بعد حضرت والا (مولانا تھانویؒ) نے تحریر فرمایا کہ مولوی مسیح اللہ کے وہ خطوط جو آپ کے پاس ہیں میرے پاس بھیج دیں میں ان کو دیکھوں گا۔ چنانچہ ایک دفعہ جمعہ کا دن تھا، مولوی عابد حسین صاحب مرحوم وغیرہ بھی میرے ساتھ تھے، حضرت والا (مولانا تھانویؒ) علالت کی وجہ سے بجائے خانقاہ کے دولتکدہ پر تشریف فرما تھے، جس وقت حاضری ہوئی حضرت والا کے پاس ان صاحب کے بھیجے ہوئے اصلاحی خطوط رکھے ہوئے تھے، انہیں دیکھ کر فرمایا، اوہو، یہ تو کافی خطوط ہیں، میں نے ایک صاحب کو لکھا تھا کہ مولوی مسیح اللہ صاحب کے خطوط بھیج دیں، یہ انھوں نے بھیجے ہیں، میں اسوقت حضرت والاؒ کی خدمت میں حاضر تھا، میرے سامنے ہی حضرت والا ان خطوط کو ملاحظہ فرماتے رہے، میں بہت گھبرایا کہ نہ معلوم کیا کیا غلطیاں نکلیں گی، حضرت والا ایک ایک خط کو لیتے رہے اور دیکھتے رہے۔ چند خطوط کو دیکھ کر فرمایا کہ "ماشاء اللہ انھوں نے خوب لکھا ہے" حضرت والا کے یہ فرمانے کے بعد مجھے تسلی

ہوئی، بفضلہٖ تعالیٰ اصلاحی مکاتیب کا میں امتحان دے چکا ہوں"

(حیات مسیح الامتؒ ص۹۳۔۹۴)

حضرت تھانویؒ کی نظر میں حضرت جلال آبادیؒ کے طریق اصلاح کی پسندیدگی اور طرز تربیت پر اعتماد کا اسی قسم کا ایک واقعہ اور سن لیجئے:۔

"ایک مرتبہ حضرت حکیم الامتؒ نے ایک شخص کو خانقاہ شریف سے کسی وجہ سے نکال دیا تھا اور کئی سال تک وہ خانقاہ سے نکلے ہوئے رہے۔ حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں ان کے متعلق بہت سفارشیں ہوئی حضرت مولانا شبیر علی صاحب مرحوم نے (جو حضرت تھانویؒ کے بھتیجے اور بہت عزیز تھے) سفارش فرمائی، اس پر حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ اچھی بات ہے، اس شرط پر اجازت ہے خانقاہ میں آنے کی کہ مولوی مسیح اللہ خاں صاحب سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرلیں اور ہر ماہ جو خط و کتابت ہو وہ مجھے دکھلا دیا کریں، حضرت والاؒ (مولانا جلال آبادیؒ) نے اولاً تو ان صاحب سے اصلاحی تعلق سے معذرت فرمادی پھر حضرت مولانا شبیر علی صاحب مرحوم نے آپ سے بھی سفارش فرمائی، اس پر آپ نے ان کا اصلاحی تعلق منظور فرمالیا، اس کے بعد سے دو تین سال تک برابر حضرت حکیم الامتؒ اصلاحی خط و کتابت کو ملاحظہ فرماتے رہے، مگر الحمد للہ کبھی کوئی اصلاح آپ کے جوابات پر نہیں فرمائی"

(حیات مسیح الامتؒ ص۹۵)

ان اقتباسات سے جہاں حضرت جلال آبادیؒ پر حضرت تھانویؒ کے اعتماد اور خصوصی توجہ ونظر عنایت کا پتہ چلتا ہے وہیں پر حکیم الامتؒ کے طریق اصلاح وتربیت اور مردم سازی کی فکر اور بعد کی نسل میں صحیح نہج پر کام کرنے والے افراد کی تیاری کے لئے اہتمام بلکہ اس کے لئے ایسی دلسوزی اور جگر کاوی کا سراغ بھی لگتا ہے جو اہل حق وارثین نبوت اور نائبین رسالت علمائے ربانیین اور مشائخ حق کا شیوہ اور انہیں کا حصہ ہے۔

حضرت حکیم الامتؒ کو آپ کے اوپر اس قدر اعتماد ہو گیا تھا کہ ایک مرتبہ کسی شخص کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ:۔

"عیسیٰ اور مسیح دونوں بڑھ گئے"

عیسیٰ سے مراد حضرت مولانا سید محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادی خلیفہ اجل حضرت تھانویؒ ہیں اور مسیح سے مراد صاحب سوانح حضرت جلال آبادیؒ۔ اسی طرح ایک مرتبہ فرمایا کہ:۔

"بالترتیب ان کی (حضرت مسیح الامتؒ کی) طبیعت میں انتظام ہے لہذا ان کی تعلیم بالترتیب ہے"

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت حکیم الامتؒ جلال آباد جلسہ میں تشریف لائے ہوئے تھے وہاں آپ نے سب لوگوں کے سامنے فرمایا کہ:۔

"میرے جی میں ایک بات ہے اسے میں کیوں نہ کہدوں اور میں سب کے سامنے صاف صاف کہتا ہوں کہ مولوی مسیح اللہ صاحب سے مجھے محبت ہے" (حیات مسیح الامتؒ ص ۹۷)

ایک موقعہ پر حضرت تھانویؒ نے آپ کے جلائے قلب اور صفائے باطن کی شہادت اس طرح دی کہ حضرت جلال آبادی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ:۔

"جو بات بار بار تقاضے کے ساتھ تمہارے دل میں آوے بس اسی پر عمل کرلینا"

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ نظیر ہے اس حدیث کی کہ" استفت قلبک " (اپنے دل سے فتوی پوچھ لے) یہ انہی حضرات کے لئے ہے جن کا قلب نور ایمان سے منور اور ظلمات نفسانیہ وکدورات طبعیہ سے مصفیٰ ومجلیٰ ہو۔ ہر کس وناکس کے لئے یہ حکم نہیں ہے کہ وہ اپنے دل سے فتوی پوچھ کر عمل کرلیا کرے۔

شیخ کی محبت واطاعت حضرت جلال آبادیؒ کو اپنے شیخ حضرت تھانویؒ کے ساتھ محبت واطاعت کا جو تعلق تھا اس کے نمونے گذشتہ سطور میں قارئین جا بجا پڑھتے آئے ہیں، آپ نے علماً وعملاً مکمل طور پر اپنے کو شیخ ہی کے رنگ میں رنگ لیا تھا، تمام مسائل خلافیہ میں مسلک شیخ پر مضبوطی سے بصیرت کے ساتھ قائم رہے اور جسکو حق سمجھا اس سے سر مو انحراف نہیں فرمایا، تحریکات کے ہنگامہ خیز دور میں وہ اپنے استاذ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگداشت اور احترام کو پوری طرح نبھاتے رہے مگر ساتھ ہی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے، جب حضرت تھانویؒ نے انہیں جلال آباد بھیج دیا تو آپ نے وہاں طرح اقامت اس **طرح ڈالدی کہ** وطن مالوف علی گڑھ سے ہجرت ہی کر لی اور ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے ہنگامہ خیز انقلاب کے زمانہ میں جب کہ تھانہ بھون سے اہل خانقاہ بھی پاکستان ہجرت فرماگئے آپ اپنے شیخ کے بٹھائے ہوئے مقام (جلال آباد) میں استقامت کے ساتھ قیام پذیر رہے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"مجھے کچھ خبر نہیں کہ میں کیوں جما رہا اور کیوں جمایا گیا، چونکہ حضرت والا (مولانا تھانویؒ) نے مجھے یہاں (جلال آباد) بھیجا تھا

اسلئے ممکن ہے کہ حضرت والا کے بھیجنے کا اثر ہو، بہر حال اس وقت
میری طبیعت جمی رہی اور مجھے خبر نہیں کہ کیوں جمی رہی"

اور پھر آپ کے اخلاص، فیضان علم اور عرفان و آگہی کی برکت کا ظہور اس طرح ہوا کہ جلال آباد کا وہ مدرسہ جو آپ کے وہاں تشریف لیجانے کے وقت بہت چھوٹا سا مدرسہ تھا آپ کے قیام کے بعد آناً فاناً عروج و ترقی کی منزلیں طے کرنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک چھوٹے مدرسے سے ترقی کر کے "جامعہ" بن گیا جو ملک و بیرون ملک میں "جامعہ عربیہ مفتاح العلوم" کے نام سے معروف ہے، جس کے فضلاء ایشیاء سے نکل کر یوروپ اور افریقہ کے بلاد و امصار میں بھی اللہ کا کلمہ بلند کرنے کا فریضہ انجام دے رہے ہیں اور اصلاح و تزکیہ، احسان و سلوک نیز ذکر و تذکیر کی قندیلیں روشن کئے ہوئے ہیں۔

شیخ سے محبت اور تعلق کے ضمن میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت تھانویؒ کی رحلت کے بعد آپ کا یہ معمول رہا کہ ہمیشہ حضرت پیرانی صاحبہ (اہلیہ محترمہ حضرت تھانویؒ) کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے اور ہدیہ و نذرانہ پیش کیا کرتے اور اس کو اپنے لئے بہت ہی موجب خیر اور باعث سعادت سمجھتے۔ جب بھی شیخ کا ذکر فرماتے تو آپ کے اوپر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی، بعض مرتبہ تو آب دیدہ ہو جاتے، ایک مرتبہ حضرت حکیم الامتؒ کا تذکرہ فرماتے ہوئے بہت ہی غمزدہ ہو گئے اور نہایت غم آگیں لہجہ میں یہ شعر آپ کی زبان مبارک پر آ گیا۔

نہ چھیڑو ہمیں ہم ستائے ہوئے ہیں
جدائی کے صدمے اٹھائے ہوئے ہیں

باب ۵

جلال آباد میں جمال افروزی

جلال آباد میں جمال افروزی

جلال آباد ضلع مظفر نگر صوبہ اتر پردیش کا مشہور و معروف ایک قدیم قصبہ ہے، جو دہلی سے شمال کی جانب ایک سوبیس کیلومیٹر کی مسافت پر اس مردم خیز علاقہ میں واقع ہے جو زمانہ قدیم سے اکابر علماء و صلحاء اور اصحاب فیض مشائخ و اہل اللہ کا مرکز و مسکن رہا ہے، قصبہ جلال آباد کے مغرب میں تقریباً ۲۵ کیلومیٹر کے فاصلہ پر گنگوہ ہے جہاں شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اپنے اپنے وقت میں ایک عالم کو اپنے فیوض علمیہ و روحانیہ سے سیراب فرماتے رہے ہیں، اور مشرق میں پانچ کیلومیٹر کی مسافت پر لوہاری میں قطب العالم حضرت میانجی نور محمد نور اللہ مرقدہ کا چشمہ فیض جاری تھا، شمال میں نانوتہ کا وہ تاریخی قصبہ ہے جس کو استاذ الکل حضرت مولانا مملوک العلیؒ اور حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم بانی دار العلوم دیوبند کا وطن ہونے کا شرف حاصل ہے اور جنوب میں تین کیلومیٹر کے فاصلہ پر تھانہ بھون کا وہ بابرکت قصبہ ہے جس کو شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے وطن ہونے کی سعادت حاصل ہے اور جہاں انہی کی خانقاہ میں بیٹھ کر اور اس کو آباد کر کے ان کے خلیفہ اجل حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تعلیم و تزکیہ اور تجدید دین کا وہ کارنامہ انجام دیا جس نے دین حنیف کے چہرہ اور راہ سلوک کے نقوش پر بدعات و خرافات اور رسوم و عادات کے برسہا برس کے پڑے ہوئے غبار کو صاف کیا اور شریعت مطہرہ کے خدو خال کے ایک ایک نقش کو اس طرح نکھار دیا کہ سنت و بدعت اور حق و باطل کا فرق و امتیاز روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔ اور یہی نہیں بلکہ اپنے بعد کیلئے ''دین حق'' کے خدام کی ایک مخلص اور راسخ فی العلم جماعت حقہ تیار کر دی جس کیلئے انہیں انتھک جدو جہد اور بے مثال ایثار و قربانی کا نذرانہ پیش کرنا پڑا اور جس کے

لئے وہ بارگاہ خداوندی میں دعائیں مانگا کرتے تھے ''ظل صفہ'' میں مرقوم ہے کہ:۔

''احقر اشرف علی کی یہ بھی دعا ہے کہ میں اپنی نظر سے دو چار آدمی ایسے دیکھ لوں جن سے مجھکو آئندہ اس مقام کے آباد ہونے کی امید ہو اور جو مدۃ العمر کے لئے اپنے آپ کو خدمت دین کے لئے وقف کردیں'' (ظل صفہ ص ۲۴۔ حیات مسیح الامتؒ ص ۱۶۹۔۱۷۰)

امت کے حکیم کی دین کے درد میں ڈوبی ہوئی اور دل کی گہرائی سے نکلی ہوئی یہ مخلصانہ دعا شرف قبولیت سے بہرہ مند ہوئی اور انھوں نے اپنے خلفاء و مجازین کی ایک جماعت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ وہ پورے رسوخ فی العلم کے ساتھ ''دین کامل'' کی خدمت کے لئے اپنے کو وقف کئے ہوئے ہیں —— اور بالخصوص صاحب سوانح حضرت مسیح الامت جلال آبادی نور اللہ مرقدہ کہ ان کے حق میں تو مرشد تھانویؒ کی یہ دعا حرف بہ حرف ثابت ہوئی کہ جلال آباد اور تھانہ بھون قرب مکانی کے اعتبار سے گویا ایک ہی مقام ہیں، گو کہ حضرت حکیم الامتؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا شبیر علی صاحب برادر زادہ حضرت حکیم الامتؒ و ناظم خانقاہ تھانہ بھون، خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ اور مولانا جلیل احمد خان صاحب شروانی خلفاء حضرت تھانویؒ نے باہم مشورہ کر کے حضرت جلال آبادیؒ سے خانقاہ تھانہ بھون میں قیام کرنے کی فرمائش کی تھی اور پھر کچھ دنوں کے بعد جب اہل خانقاہ پاکستان ہجرت فرمانے لگے تو اس وقت بھی حضرت مولانا شبیر علی صاحبؒ نے خط تحریر فرمایا کہ ''میں تو جا رہا ہوں پاکستان، آپ جلال آباد سے یہاں خانقاہ (تھانہ بھون) میں آجایئے'' لیکن حضرت نے شیخ اور شیخ کی جگہ کے غایت ادب و احترام کی وجہ سے وہاں قیام فرمانے سے عذر فرمادیا، مگر جلال آباد میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور اس کو وطن بنا کر منشاء شیخ کو پورا بھی فرمایا اور پھر اس شان سے اپنی ذات کو خدمت دین کے لئے وقف

کردیا کہ ''دین کامل'' کے دونوں اجزاء — شریعت وطریقت یا شریعت وتصوف — کے علوم ومعارف اور اسرار ودقائق کے دریا بہادئے، اور بقول کسے ع

''جلال آباد قصبہ بن گیا تھانہ بھون ثانی''

جلال آباد تھانہ بھون سے صرف تین کیلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے، اسلئے قرب مکانی کے اعتبار سے گویا دونوں مقامات ایک ہی مقام کے حکم میں ہیں، زمانہ قدیم سے وہاں علماء ومشائخ اور اہل اللہ ہوتے رہے ہیں اور وہاں کے برسر اقتدار طبقہ خاندان خوانین کوان سے بہت ربط اور تعلق رہا ہے، ان خوانین نے ہمیشہ علماء اور صالحین کی قدر اور ان کی خدمت اور ان سے وابستگی اور تعلق کو اپنے لئے موجب سعادت جانا اور ان کے فیوض سے مستفیض ہوتے رہے۔ یہیں پر حضرت سید شاہ سلیمان قدس سرہ ایک بلند مرتبت بزرگ گزرے ہیں جو خوانین جلال آباد اور خاندان روہیلہ کے روحانی شیخ تھے۔ حضرت سید غلام علی شاہ قدس سرہ کے خلیفہ حضرت مولانا سید مظہر علی شاہ صاحبؒ اسی بستی کے رہنے والے تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ سید قلندر بخش محدث نور اللہ مرقدہٗ اسی قصبہ کے دُرِ یکتا تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے اولین پانچ فارغین میں سے ایک مولانا عبداللہ صاحب جلال آبادی یہیں کے باشندے تھے، رئیس القراء حافظ رحیم اللہ صاحب استاذ نواب ضابطہ خاں بھی جلال آباد ہی کے رہنے والے تھے دین اور اہل دین کی عظمت اور علماء وصالحین کے ساتھ محبت وعقیدت اور ان کے فیوض وافادات سے استفادہ کا یہی جذبہ تھا جس کی بناء پر اہل جلال آباد خصوصاً وہاں کے خوانین کو حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ سے خصوصی ربط اور تعلق تھا یہاں تک کہ بعض مرتبہ آپ کسی مریض کی عیادت یا کسی کے انتقال پر تعزیت کے لئے بھی یہاں تشریف لاتے۔ اور خوانین جلال آباد کی بناء کے ساتھ محبت وعقیدت اور تہذیب وسلیقہ نیز اکرام واحترام کا تذکرہ بھی فرماتے۔

مدرسہ مفتاح العلوم اور خانقاہ حضرت تھانویؒ کے ساتھ اہل جلال آباد کے اسی تعلق نے مدرسہ مفتاح العلوم کے قیام وتاسیس کی صورت پیدا کی، ان کے دل میں اپنے قصبہ میں ایک دینی مدرسہ کی ضرورت کا احساس اور داعیہ پیدا ہوا، پھر ان کا ایک وفد حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ درخواست کی کہ جلال آباد میں دینی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ قائم کر دیا جائے حضرتؒ ان کی اس سراسر دینی اور مخلصانہ درخواست کو قبول فرما کر ۳؍محرم الحرام ۱۳۳۶ھ کو جلال آباد تشریف لائے اور منی والی مسجد میں وعظ فرمایا، یہ وعظ "مفتاح الخیر" کے نام سے شائع ہو چکا ہے، وعظ کی ابتداء میں آپ نے آیت "ومن یؤت الحکمة فقد اوتی خیراً کثیراً" (سورہ بقرہ:۲۶۹) کی تلاوت فرما کر علم اور اہل علم کی فضیلت اور علم کی ضرورت کو اپنے مخصوص انداز سے ثابت فرماتے ہوئے یہ حدیث شریف پڑھی "فطوبیٰ لعبد جعله الله مفتاحاً للخير مغلاقاً للشر وويل لعبد جعله مفتاحاً للشر مغلاقاً للخير" (خوشخبری ہے اس بندہ کے لئے جس کو اللہ نے خیر اور بھلائی کی کنجی اور شر و برائی کا قفل بنایا اور خرابی ہے اس بندہ کے لئے جس کو اللہ تعالیٰ نے شر اور برائی کی کنجی اور خیر و بھلائی کا قفل بنایا) اور وعظ کے آخر میں فرمایا کہ "اب وقت اس کا ہے کہ آپ لوگ عمارت کی بنیاد رکھیں اور یہ دعا کریں " رَبّنا تقبّل مِنّا انّک انت السمیع العلیم " یہ دعا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو بوقت بنیاد کعبہ آپ نے جناب باری تعالیٰ میں عرض کی تھی اور واقع میں حق تعالیٰ کی اعانت کی نہایت ضرورت ہے" (وعظ مفتاح الخیر ص ۴۷۔ از حیات مسیح الامتؒ ص ۳۹۷)۔ وعظ کے بعد منی والی مسجد کے مشرقی جانب حضرتؒ نے دعائے ابراہیمی "ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم" پڑھتے ہوئے مدرسہ کی بنیاد رکھدی۔

مفتاح العلوم نام رکھنے کی وجہ حضرت تھانویؒ نے اسی وعظ کے آخر میں مدرسہ

کا نام بھی ''مفتاح العلوم'' تجویز فرمادیا اور یہ نام رکھنے کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ:-

''چونکہ عمارت مدرسہ کا وقت ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ کبھی یہاں مدرسہ اس سے پہلے ہوا ہے اس مناسبت سے بھی اور نیز اس مناسبت سے کہ افتتاحی کتابیں یہاں پڑھائی جائیں گی اور نیز اس مناسبت سے بھی کہ فتح باب خیر ہے اور اس مناسبت سے بھی کہ حدیث میں جو یہاں بیان کی گئی ہے لفظ ''مفتاح'' واقع ہوا ہے اس کا نام ''مفتاح العلوم'' رکھتا ہوں اور اس وعظ کا نام ''مفتاح الخیر'' چونکہ یہ اسماء مقتبس من الحدیث ہیں اسی لئے مدرسہ میں اور وعظ میں برکت کی زیادہ امید ہے، اب دعا فرمایئے'' (حیات مسیح الامتؒ ص۳۹۸)

چنانچہ حضرت تھانویؒ ہی مدرسہ مفتاح العلوم کے سرپرست تھے، آپ ہی کے مشورہ سے اساتذہ و مدرسین کی تقرری ہوتی بلکہ مدرسہ کا پورا انتظام کار ہی حضرتؒ کی سرپرستی اور نگرانی میں سرانجام پاتا، مقامی طور پر انتظام وانصرام کے لئے جناب لیاقت علی خانصاحب رئیس جلال آباد اس کے پہلے مہتمم مقرر ہوئے۔ اور سب سے پہلے مدرس مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب کاندھلویؒ (شارح ترمذی شریف) مقرر ہوئے اور اس طرح تعلیم کا مبارک سلسلہ شروع ہوگیا۔ بعد میں طلبہ کی کثرت کیوجہ سے منی والی مسجد کی جگہ تنگ ہوگئی تو مدرسہ کے لئے کسی وسیع جگہ کی ضرورت محسوس کی گئی اور اس موجودہ جگہ پر جہاں اس وقت مدرسہ کی درسگاہوں اور دارالاقامہ وغیرہ کی لق ودق عمارتیں پھیلی ہوئی ہیں نئی تعمیرات شروع کی گئیں۔

جس وقت مسیح الامتؒ جلال آباد تشریف لائے ہیں اس وقت مدرسہ میں صرف

دو کمرے تھے اور خام چہار دیواری تھی، اور ایک مدرس حافظ منفعت علی صاحب تھانوی تھے، ایک کمرہ میں حافظ صاحب پڑھایا کرتے تھے اور دوسرے کمرہ میں حضرت والا درس دیتے تھے۔ حضرت والاؒ سے پہلے وہاں جناب مولانا محمد عمر صاحبؒ (صاحبزادہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب مصنف اعلاء السنن) مدرس تھے ان کے چلے جانے کے بعد وہ جگہ خالی ہوئی تھی اور اہل جلال آباد نے حضرت تھانویؒ سے مدرس کے لئے درخواست کی تھی۔ اب آگے کی تفصیل حضرت والاؒ ہی کی زبانی سنئے، فرمایا:۔

"میں پندرہ شعبان کو خانقاہ (تھانہ بھون) حاضر ہوا کرتا تھا، حضرت والا (مولانا تھانویؒ) کو میری آمد کا انتظار تھا، میں حاضر ہوا تو حضرت والا نے مجھے یہاں کے لئے تجویز فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تم جلال آباد چلے جاؤ اور گرامی نامہ اس وقت کے مہتمم جناب لیاقت علی خانصاحب کو اطلاع کے لئے مجھے لکھ کر دیدیا، حضرت والاؒ کے فرمانے پر میں یہاں آگیا اور حضرت والاؒ کا وہ خط مہتمم صاحب کو دیدیا، انھوں نے کہا کہ بہت اچھا" (حیات مسیح الامتؒ ص۱۱۳)

حافظ منفعت علی صاحب تھانوی کا جو پہلے سے جلال آباد میں مدرس تھے بیان ہے کہ:۔

"جلال آباد میں جو مدرس صاحب تھے وہ چلے گئے، میں نے حضرت تھانویؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت کوئی دوسرا مدرس بھیج دیجئے، فرمایا کہ ابھی تو کوئی نہیں ہے لیکن معلوم کر کے بتلادوں گا۔ اگلے ہفتہ پھر میں نے عرض کیا تو فرمایا کہ بھائی

آدمی مل گیا ہے اور پٹھان ہے، میں نے عرض کیا کہ حضرت بستی بھی پٹھانوں کی ہے انشاء اللہ نباہ ہو جائیگا، حضرت تھانویؒ نے ہفتہ کے روز حضرت مولانا مسیح اللہ خانصاحب مدظلہ العالی کو میرے ساتھ بھیج دیا، وہ دن ہے اور آج کا دن ہے حضرت والا نے ایسا نبھایا ہے کہ یہیں کے ہو رہے اور جلال آباد کا ہر شخص آپکو محبت کی وجہ سے "اباجی" کہتا ہے" (حیات مسیح الامتؒ ص ۱۱۳،۱۱۴)

آپ کی تقرری ۱۳۵۷ھ میں بہ حیثیت صدر مدرس ہوئی اس وقت آپ کا مشاہرہ صرف پچیس روپے تھا اور حافظ منفعت علی صاحب کا پندرہ روپے، اس طرح مدرسہ کا کل خرچ چالیس روپے ماہانہ تھا۔ اور اس وقت مدرسہ کا تعلیمی معیار قرآن پاک حفظ و ناظرہ، اردو، دینیات، ابتدائی عربی و فارسی کا تھا، طلبہ بھی سب بستی ہی کے رہنے والے تھے۔

ترقی کا دور آپ کے تشریف لانے کے بعد مدرسہ کی تعلیمی، تربیتی، تعمیری اور ہر طرح کی ترقی کا دور شروع ہوا، بیرونی طلبہ کا داخلہ لیا جانے لگا، ان کے کھانے کا انتظام کیا گیا، شروع میں تو بستی ہی کے اہل خیر کے گھروں پر کھانے کا انتظام ہوتا تھا، پھر جب طلبہ کی تعداد میں اضافہ ہوا تو مستقل طور پر مطبخ کا قیام عمل میں آیا، پھر تو طلبہ کا اتنا رجوع ہوا کہ ان کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہوگئی، وہاں کی تعلیم و تربیت کا ایسا شہرہ ہوا کہ نہ صرف ہندوستان کے مختلف صوبوں سے بلکہ بیرون ملک پاکستان، برما، ملیشیا، موریشش، مڈی سکر، برطانیہ، فرانس اور افریقہ تک سے طلبہ کھنچ کھنچ کر آنے لگے اور جو طلبہ کسی اور جگہ ٹک نہ پاتے تھے وہ حضرت کے انفاس قدسیہ اور فیض تربیت کی برکت سے یہاں سے فاضل علوم شرعیہ بلکہ بہت سے تو جامع بین الشریعہ والطریقہ بن کر نکلے جو اپنے اپنے مقام پر علم نبوت کی شمع

اسی باب میں آگے خود حضرت کی ایک تحریر ہے جسمیں ۱۳۵۷ھ کے بجائے ۱۳۵۶ھ لکھا ہے بظاہر وہی درست ہے

روشن کیے ہوئے تعلیم وتربیت اور تزکیہ نفس کی خدمت میں مشغول ہیں۔اور تعلیمی معیار بھی ظاہری وباطنی دونوں لحاظ سے بلند سے بلند تر ہوگیا، پہلے عربی وفارسی کی ابتدائی تعلیم تھی اب وہ ترقی کر کے درس نظامی کے آخری درجہ ''دورۂ حدیث شریف'' تک پہنچ گئی،طلبہ کی استعداد پختہ بنانے اوران کے اندر علم کا رسوخ پیدا کرنے کے لئے اور سنت کے مطابق ان کی زندگی سنوارنے کے لئے خود حضرت والاؒ نے ایسی محنت اور جفاکشی، دلسوزی اور جان کاہی کی مشقت برداشت فرمائی کہ حضرت شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند نے ــــ جو نامور مدرس تھے اور سخت ممتحن کی حیثیت سے مشہور تھے ــــ مفتاح العلوم کے طلبہ کا سالانہ امتحان لینے کے بعد درج ذیل شہادت رقم فرمائی،ان کی اس شہادت کی صحیح قدر و قیمت وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو حضرت شیخ الادب کی شخصیت اوران کے طرز تعلیم اور طریقہ امتحان سے کچھ واقف ہیں،انھوں نے اپنے تاثرات اس طرح مرقوم فرمائے:۔

''نقل معائنہ شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحبؒ

حامداً ومصلیاً ومسلماً اما بعد: مدرسہ مفتاح العلوم واقع جلال آباد کے ذمہ داران حضرات کی طلب پر دارالعلوم دیوبند سے حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب اور مولانا حافظ محمد نعیم صاحب مدرسین دارالعلوم دیوبند، مدرسہ موصوفہ کا امتحان لینے کے لئے مامور ہوئے۔

کارکنان مدارس مدرسین کی بے توجہی نے مجھ کو مایوس کر دیا ہے اور میں نے گویا امتحان لینا ترک کر دیا ہے کیونکہ ناکام کر دینے میں نہ صرف یہ کہ حضرات کارکنان رنجیدہ ہوتے ہیں، یہ بھی خوف ہوتا ہے کہ بدنامی کی وجہ سے مدرسہ ہی ختم ہو جائے اور امتحان لینے کے بعد غلط نمبر دینا اپنی طبیعت کے خلاف ہے، مگر میں نے یہاں

امتحان لینا شروع کیا تو طلبہ کے جوابات سن کر ہمت ہوئی کہ میں ان کو سمجھاؤں کہ امتحان کا بڑا درجہ ہے، چنانچہ میں نے کسی رعایت کے بغیر امتحان لینا شروع کیا اور بڑی کتابوں میں کچھ زبانی اشکالات طلبہ کے سامنے پیش کئے اور چھوٹی کتابوں میں نسبتاً کم، الحمد اللہ کہ اس امتحان سے میرا دل بہت خوش ہو اور میں نے کارکنان مدرسہ ہٰذا کو بہت دعائیں دیں۔ طلبہ نے بہت سمجھ کر پڑھا ہے اپنا وقت ضائع نہیں کیا، جس کتاب میں وہ شریک کئے گئے ہیں اس کتاب کی حد تک پوری صلاحیت اس کتاب کے مضامین کی رکھتے ہیں اور اگر میں یہ کہدوں تو ہرگز غلط نہیں ہے کہ یہاں کے طلبہ سند فراغ حاصل کرنے سے قبل بھی اپنی پڑھی ہوئی کتابوں کی تدریس کر سکتے ہیں، پھر نہ صرف تحصیل علم کی یہ سعی کامل بلکہ طلبہ میں تربیت وتہذیب کی وجہ سے متانت، توقیر کے آثار ظاہر ہیں۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہاں نہ صرف زیور علم سے ہی آراستگی ہوتی ہے بلکہ تربیت اخلاق بھی باحسن وجوہ ہوتی ہے۔

مختصر یہ کہ میں نے اس مدرسہ کی تدریس، تربیت اخلاق دونوں کو بہت اونچا دیکھا، دعا کرتا ہوں کہ خداوند عالم اسکے کارکنوں کی سعی کو مقبول ومشکور کرے اور جناب سرپرست صاحب کو صحت و عافیت کے ساتھ حیات طویلہ فرما کر اپنی مرضیات کی توفیق مزید عطا فرمائے، آمین۔

(دستخط) محمد اعزاز علی غفرلہ امروہوی۔۱۸ شعبان ۱۳۷۰ھ

بروز جمعہ" (حیات مسیح الامتؒ ص ۴۱۴۔۴۱۶)

یہ ذہن میں رہے کہ یہ تاثرات ہیں ایک ایسے ماہر تعلیم استاد کے جو تعلیمی امور میں مہارت کے ساتھ تدین اور تقوی کے بھی اس معیار پر تھے کہ کسی کو ایک نمبر تو کجا آدھا نمبر بھی خلاف استحقاق دینا روانہ جانتے تھے اور جو امتحان لینے میں کسی رو رعایت کے جواز کے بھی قائل نہ تھے اور وہ اپنے اسی مزاجی انفرادیت کی بناء پر" گویا امتحان لینا ترک فرما چکے تھے" کیونکہ بقول انہی کے" ناکام کر دینے میں حضرات کارکنان رنجیدہ ہوتے ہیں.....اور امتحان لینے کے بعد غلط نمبر دینا اپنی طبیعت کے خلاف ہے" لیکن جب یہی ممتحن صاحب مفتاح العلوم جلال آباد کے طلبہ کا امتحان لیتے ہیں تو نہ صرف یہ کہ کارکنان مدرسہ کو" بہت دعائیں دیتے ہیں" بلکہ طلبہ کی استعداد کے بارے میں یہ رائے بھی تحریراً ظاہر فرماتے ہیں کہ" اگر میں یہ کہدوں تو ہرگز غلط نہیں ہے کہ یہاں کے طلبہ سند فراغ حاصل کرنے سے قبل بھی اپنی پڑھی ہوئی کتابوں کی تدریس کر سکتے ہیں" پھر طلبہ کی اخلاقی حالت اور دینی تربیت پر بھی انہی استاذ العلماء اور اعزاز الصلحاء کا تبصرہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ" نہ صرف تحصیل علم کی یہ سعی کامل بلکہ طلبہ میں تربیت وتہذیب کی وجہ سے متانت، توقیر کے آثار ظاہر ہیں، میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہاں نہ صرف زیور علم سے ہی آراستگی ہوتی ہے بلکہ تربیت اخلاق بھی باحسن وجوہ ہوتی ہے، مختصر یہ کہ میں نے اس مدرسہ کی تدریس، تربیت اخلاق دونوں کو بہت اونچا دیکھا"۔

اب اسی سلسلہ میں دو معائنے یا دو شہادتیں اور پڑھتے چلئے جن سے اس مدرسہ کے کچھ اور مخصوص امتیازی پہلوؤں کا پتہ چلتا ہے اور حضرت مسیح الامتؒ کے ذوق ومزاج، ان کی عملی جدوجہد اور مجتہدانہ فہم وبصیرت کا بھی سراغ لگتا ہے۔ یہ دونوں شہادتیں دو ایسی

شخصیات کی ہیں جن میں سے ایک تو خالص اور ٹھیٹھ عالم دین اور علوم شرعیہ کے سمندر کے شناور تھے اور دوسرے عصری علوم کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اس انگریزی دور حکومت میں بلند سرکاری منصب پر فائز، مگر اسکے ساتھ ہی دونوں حضرات خالص خانقاہی، صوفی باصفا اور دربار اشرفی سے سند مشیخت سے فیضیاب اور سرفراز، اور زمانہ بھی وہ کہ ابھی ان سب کے مرشد وسرپرست اور مدرسہ کے بھی سرپرست حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا بابرکت سایہ سر پر قائم ہے، اس پس منظر میں ان مشاہداتی بیانوں کی اہمیت چند در چند ہو جاتی ہے۔ ان میں سے ایک شہادت تو حضرت مولانا عبدالغنی صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت تھانویؒ کی ہے اور دوسری خان بہادر خواجہ عزیز الحسن صاحب علیگ انسپکٹر مدارس یوپی سابق ڈپٹی کلکٹر خلیفہ حضرت تھانویؒ کی۔ لیجئے اب یہ تحریری شہادتیں آپ بھی پڑھ لیں:۔

نقل معائنہ حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری اعظمی

نور اللہ مرقدہ

”بعد الحمد والصلاۃ احقر بہمراہی جناب خواجہ عزیز الحسن صاحب انسپکٹر مدارس، مدرسہ مفتاح العلوم قصبہ جلال آباد ضلع مظفر نگر بتاریخ ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ کو حاضر ہوا، مدرسہ کے طلبہ سے ہر فن کا جو کہ مدرسہ میں پڑھائے جاتے ہیں زبانی امتحان لیا گیا، بفضلہ تعالیٰ طلبہ بہت کامیاب رہے، رجسٹر آمد وخرچ ورجسٹر تنخواہ ملازمین ورجسٹر کتبخانہ وغیرہ بھی دیکھا، دل بہت خوش ہوا، اس مدرسہ کی تعلیمی دیانت اور عملی دیانت بھی قابل تعریف ہے اور اس سے بھی مسرت ہوئی کہ مدرس اول مولانا مسیح اللہ صاحب کی توجہ خاص سے لڑکے فن سپہ گری بھی حاصل کر رہے ہیں اور ماشاء اللہ

اس میں کامیاب ہیں، غور کرنے سے معلوم ہوا کہ مولانا مسیح اللہ خانصاحب مدرس اول اس مدرسہ کے ہر شعبہ کے روح رواں ہیں، اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کے اخلاص میں یوماً فیوماً ترقی عطافرمائیں۔

(دستخط) عبدالغنی اعظم گڈھی ناظم مدرسہ بیت العلوم سرائے میر ضلع اعظم گڈھ۔ ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ"

(حیات مسیح الامتؒ ص ۱۴۱)

دونوں حضرات ساتھ ہی تشریف لے گئے تھے، ایسے موقع پر عام طور سے یہی ہوتا ہے کہ ایک ہی تحریر پر ساتھ کے دوسرے حضرات بھی دستخط کردیا کرتے ہیں۔ مگر یہاں غالباً مدرسہ اور مدرسہ کے روح رواں حضرت مسیح الامتؒ اور ان کے کارناموں سے غایت تاثر کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں حضرات اکابر نے اپنے اپنے تاثرات کا الگ الگ تحریروں میں اظہار فرمایا، اوپر آپ نے حضرت مولانا پھولپوری اعظمگڈھی کے تاثرات پڑھے اب خواجہ صاحب کے تاثرات ملاحظہ فرمائیں:۔

نقل معائنہ خان بہادر خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

"از احقر خواجہ عزیز الحسن عفی عنہ۔ بحسن اتفاق مجھ کو اس متبرک دینی مدرسہ کی زیارت کا شرف بمعیت حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری نصیب ہوا، جہاں تک میں امتحانی سوالات کے جوابات سے جو میری موجودگی میں کئے گئے اندازہ کرسکا طلبہ کو مختلف شعب تعلیمیہ کی کافی معلومات حاصل ہیں، بالخصوص میں اس بات سے خوش ہوا کہ جو دئے ہوئے جوابات

تھے ان کو وہ سمجھے ہوئے بھی تھے، جیسا کہ میں نے خود مختلف عنوانات سے سوال کر کے معلوم کیا، نیز حساب کے متعلق جو سوالات کئے گئے ان کے بھی جوابات طلبہ نے صحیح اور نہایت مستعدی کے ساتھ دئے۔ عموماً دینی مدارس میں دنیوی مضامین کی تعلیم کی طرف کافی توجہ نہیں پائی جاتی لیکن یہاں حساب پر بھی کافی توجہ دیکھی گئی۔ یہ سب برکت حضرت صدر مدرس کے خلوص اور دینداری کی ہے جس کا اثر طلبہ کے اخلاق پر بھی نمایاں پایا گیا ہے، ایسے مخلص اور متقی اساتذہ آج کل بہت ہی کم پائے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ اہل قصبہ کو ان سے فیض حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

یہ دیکھ کر بھی میرا جی بہت خوش ہوا کہ مردانہ ورزشیں بھی اس مدرسہ میں سکھائی جاتی ہیں جن کی اہمیت محتاج بیان نہیں، خود اساتذہ اور حضرت صدر مدرس جیسی مقدس ہستی کو بھی ان ورزشوں میں عملی حصہ لیتے ہوئے دیکھ کر مجھے خاص خوشی حاصل ہوئی۔ غرض اس مدرسہ کو میں نے بہمہ وجوہ ایک نمونہ کا چھوٹا سا مدرسہ پایا جس پر میں اہل قصبہ کو مبارکباد دیتا ہوں اور قدر کرنے کی ترغیب دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کو ہمیشہ ایسے ہی پاکیزہ اور نافع اصولوں پر قائم رکھیں اور موجب برکات وحسنات فرمائیں۔

(دستخط) خان بہادر خواجہ عزیز الحسن غوری۔ بی، اے علیگ۔ انسپکٹر مدارس یوپی (زیر رخصت) سابق ڈپٹی کلکٹر۔ ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ

(حیات مسیح الامتؒ ص ۴۱۲-۴۱۳)

ان قدرے طویل اقتباسات کو اسلئے نقل کیا گیا کہ ان سے مدرسہ کی تعلیمی و تربیتی انفرادیت کے مختلف گوشوں پر اچھی طرح روشنی پڑ جاتی ہے، اور وہ بھی بزبان خویش اور بقلم خود نہیں بلکہ متدین اور متبحر علماء و مشائخ اور فاضل ماہرین تعلیم کے بیان اور اعتراف سے، اور غالباً یہی وجہ ہے کہ جلال آباد سے صرف چند کیلومیٹر کے فاصلہ پر دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور جیسے امہات المدارس کی موجودگی کے باوجود نہ صرف اطراف ملک سے بلکہ غیر ملکی طلبہ کا رجوع بھی بہ کثرت مفتاح العلوم جلال آباد کی طرف ہوتا رہا کہ وہاں داروئے علم کے ساتھ مداوائے عمل کے پیمانے بھی مسیح الامتؒ کی مسیحائی کی بدولت چھلک رہے تھے اور بادہ نوشان علم و معرفت بیک وقت قلب و دماغ اور ہوش و جنون دونوں کے لئے سامان تسکین بہم پاتے اور ان کے فیض صحبت سے مدرسہ کی خرد پیمائی کے ساتھ خانقاہ کی نمنا کی کے امتزاج نے علم و روحانیت میں وہ بادِ بہاری چلائی کہ گلشن ایمان کی شادابی سے ہند کا یہ قصبہ رشک بغداد و بخاریٰ بن گیا۔

اور بقول خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ وہ جو ۱۳۵۹ھ میں ــــ جبکہ ابھی حضرت مسیح الامتؒ کو وہاں تشریف لائے دو ہی سال ہوئے تھے ــــ "ایک نمونہ کا چھوٹا سا مدرسہ" تھا دیکھتے ہی دیکھتے اپنی تمام تر خصوصیات، امتیازات اور برکات کے ساتھ تعلیمی سرگرمیوں اور تعمیری وسعتوں کے لحاظ سے ایک بین الاقوامی جامعہ بن گیا۔

شعبہ تعلیم شعبہ تعلیم میں مکتب کی ابتدائی تعلیم ــــ قرآن پاک، اردو، دینیات، ہندی، حساب، جغرافیہ اور نقل و املاء وغیرہ ــــ سے لے کر درس نظامی کے آخری درجہ دورۂ حدیث شریف اور اس کے بعد افتاء تک کی اعلیٰ تعلیم کا معقول نظم ہے، اس کے علاوہ غیر ملکی طلبہ کے لئے ــــ جن کے پاس قانونی پابندیوں کی وجہ سے وقت کم ہوتا ہے ــــ ایک پنج سالہ نصاب بھی ہے۔ طلبہ اساتذہ اور اہل علم کی ضرورت کی تکمیل کے لئے ایک وسیع و

عریض کتبخانہ بھی ہے جس میں درس نظامی کے نصاب کے مطابق درسیات کی تمام کتابیں موجود ہیں، اس کے علاوہ تفسیر، حدیث، فقہ وفتاویٰ، تصوف وسلوک، لغت وادب اور تاریخ وغیرہ موضوعات پر مختلف علوم وفنون کی اہم اور ضروری کتابیں فراہم ہیں اور یہ سب فن وار ترتیب کے ساتھ رکھی ہوئی ہیں۔

شعبہ تبلیغ وافتاء عام مسلمانوں کی دینی ضرورت پوری کرنے کے لئے مستقل دارالافتاء ہے جہاں ملک اور بیرون ملک سے اہم دینی سوالات آتے رہتے ہیں، جوابات نہایت تحقیق کے ساتھ لکھے جاتے ہیں، حضرت والاؒ کا اپنی حیات میں یہ معمول تھا کہ اہم سوالات کے جوابات خود بھی سنتے تھے، اسی شعبہ میں طلبہ کو فتوی دینے کی مشق وتمرین بھی کرائی جاتی ہے۔ مزید براں دعوت وتبلیغ کے لئے مدرسہ میں ایک مستقل مبلغ بھی مقرر ہیں جو حسب ضرورت ملک کے مختلف اطراف وجوانب میں صرف وعظ وتبلیغ کے لئے تشریف لیجاتے ہیں اور مدرسہ کے لئے چندہ کا کام نہیں کرتے کہ وعظ کے بعد چندہ کی تحریک سے وعظ کا اثر جاتا رہتا ہے۔

تعمیری وسعت گذشتہ سطور میں ذکر آچکا ہے کہ حضرت والاؒ جب جلال آباد تشریف لائے ہیں تو مدرسہ میں صرف دو کمرے تھے جو ایک خام چہار دیواری سے گھرے ہوئے تھے، مگر جس طرح حضرت کے قدوم میمنت لزوم سے تعلیمی وتربیتی ترقیات تیزی سے ہوتی رہیں اسی طرح تعمیری ترقی تیز رفتاری سے انجام پذیر ہوتی رہی، حالانکہ حضرت کا مزاج اور معمول بالکل استغناء کا تھا مگر حسب ضرورت غیب سے اسباب پیدا ہونے لگے اور درسگاہوں، دارالاقامہ، مسجد اور خانقاہ کی لق ودق، بلند وبالا اور وسیع وعریض عمارتیں پوری موزونیت اور حسن کے ساتھ بن کر تیار ہوگئیں، یہ عمارتیں حضرت کے ذوق تعمیر کے حسن کا بھی پتہ دیتی ہیں۔

درسگاہوں اور دارالاقامہ کا حصہ ایک مربع اکائی کی شکل میں ہے، جس میں مشرقی اور مغربی جانب طلبہ کے لئے سترہ سترہ کمرے مع برآمدے کے ہیں، ان رہائشی کمروں کے سامنے جگہ جگہ پانی کے نل لگے ہوئے ہیں جن میں مدرسہ کی ذاتی ٹنکی سے ہمہ وقت پانی آتا رہتا ہے۔ اور شمال وجنوب میں دس دس درسگاہیں ہیں اور انہیں کے درمیان ایک وسیع ہال ہے جو دورۂ حدیث شریف کے اسباق کے لئے مختص ہے۔

افریقی طلبہ کے لئے ان کے طرز بود و باش اور ذوق و مزاج کے پیش نظر، مدرسہ کے دو وسیع مکانوں میں علحدہ دارالاقامہ ہے اور ان کے مزاج کے مطابق ان کے کھانے کا بھی انتظام الگ ہے تاکہ وہ سکون اور یکسوئی کے ساتھ تحصیل علم اور تزکیہ واصلاح کے کام میں مصروف رہ سکیں۔

پانی زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے، اس کے بغیر صحت وحیات کے علاوہ طہارت وعبادت میں بھی خلل پڑنے لگتا ہے، حضرتؒ کی مدبرانہ نظر اور فکر مسیحائی اس ضرورت کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوئی تو اس کا بہت ہی معقول اور پائیدار انتظام فرمایا، مدرسہ ہی کی زمین میں آپ نے مدرسہ ومسجد کی ضروریات کے لئے چالیس فٹ بلند ایک وسیع وعریض ٹنکی تعمیر کروائی اور اسی کے ساتھ ایک ٹیوب ویل بھی لگوایا جس سے ٹنکی میں پانی بھر کر مسجد اور مدرسہ میں ہر جگہ پانی پہنچانے کا انتظام ہے۔

مسجد سعیدی اور خانقاہ کی تعمیر مدرسہ میں بڑھتی ہوئی طلبہ کی تعداد، اساتذہ اور دیگر عملہ کے اضافہ، سالکین راہ طریقت کی خانقاہ میں کثرت اور واردین وصادرین کی آمد و رفت کی وجہ

ابھی کچھ عرصہ پہلے تک افریقی طلبہ کی کافی معتدبہ تعداد تعلیم حاصل کرنے اور حضرت والاؒ کے فیض صحبت سے مستفیض ہونے کے لئے جلال آباد آیا کرتی تھی مگر جب سے بین الاقوامی سیاسی حالات نے پلٹا کھایا ہے اس میں بہت کمی ہوگئی ہے۔ مؤلف غفرلہ

سے ایک وسیع اور کشادہ مسجد کی شدید ضرورت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے خزانہ غیب سے اس کا انتظام فرمادیا اور قصبہ موٗ آئمہ ضلع الہ آباد کے ایک نیک دل صاحب خیر جناب حاجی سعید الدین صاحب انصاری مرحوم کیلئے اس مسجد کی تعمیر کی سعادت مقدر فرمادی، انھوں نے بڑی فراخدلی کے ساتھ نہایت وسیع، کشادہ شاندار مسجد کی تعمیر کرادی۔ اس کی وسعت اور کشادگی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کا اندرونی حصہ پچھتر فٹ لمبا اور پچیس فٹ چوڑا ہے جس میں چھ صفیں آتی ہیں اور برآمدہ کی چوڑائی بارہ فٹ ہے اس میں تین صفیں ہوتی ہیں اور باہر کا صحن اسّی فٹ چوڑا ہے، جس میں بیس صفیں آتی ہیں۔ پھر مسجد کے شمال اور جنوب میں دونوں طرف چھ چھ کمرے دو منزلہ خانقاہ کے ہیں جن میں سالکین وذاکرین کا قیام رہتا ہے، اور جانب جنوب ہی میں وضو خانہ اور غسلخانہ وغیرہ بھی ہیں، مسجد کا صدر دروازہ دومنزلہ نہایت شاندار اور بہت ہی خوبصورت ہے اس میں بہت ہی عمدہ اور نفیس نقش ونگار اور گلکاری کی گئی ہے، کرسی کافی اونچی ہے جسکی وجہ سے پوری عمارت کا حسن دوبالا ہوگیا ہے۔ غرضیکہ مسجد مدرسہ اور خانقاہ تینوں کی تعمیری موزونیت ظاہراً وباطناً اس شعر کا مصداق ہے۔

خوشا مسجد ومدرسہ خانقاہے ۔۔۔ کہ دروے بود قیل وقال محمدؐ

طریقہ تدریس آپ نے میزان وغیرہ ابتدائی کتابوں سے لے کر بخاری شریف تک درس نظامی کی تمام کتابیں پڑھائی ہیں، اور جس محنت اور توجہ کے ساتھ تفسیر وحدیث اور فقہ کی کتابوں کا درس دیا کرتے اسی توجہ کے ساتھ صرف ونحو، ادب، منطق وفلسفہ، اور اردو کی ابتدائی کتابیں بھی پڑھایا کرتے، جس زمانہ میں بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے اسی زمانہ میں بعض طلبہ کو بہشتی زیور بھی پڑھاتے، صرف ونحو اور منطق کے قواعد وکلیات کو یاد کرنے اور سمجھنے پر طلبہ کو بہت زور دیتے تاکہ استعداد میں پختگی اور فہم میں جلاء پیدا ہو۔ قرآن مجید کے ساتھ آپ کو خاص والہانہ تعلق تھا چنانچہ ترجمہ قرآن مجید کا سبق ہمیشہ خود

پڑھاتے اور طلبہ کے فہم واستعداد کے مطابق عجیب وغریب علوم ومعرفت بیان فرماتے، ایک بار تو سورۂ فاتحہ کا سبق سوا تین ماہ میں مکمل ہوا۔

''حیات مسیح الامتؒ'' کے مصنف کو آپ سے شرف تلمذ حاصل رہا انھوں نے آپکے درس کی خصوصیات اور طریق تدریس پر روشنی ڈالی ہے، ہم یہاں اسکا خلاصہ پیش کرتے ہیں:۔

''(ا) آپ اوقات مدرسہ ودرس کی سخت پابندی فرماتے، بدوں عذر شدید کبھی ناغہ نہ فرماتے۔

(۲) ہر طالب علم کی سبق میں بلا ناغہ حاضری کا بہت اہتمام فرماتے، سبق شروع کرنے سے پہلے حاضری لیتے، اگر کوئی طالب علم غیر حاضر ہوتا تو دریافت فرماتے کہ غیر حاضری کی وجہ کیا ہے؟ مصنف ''حیات مسیح الامتؒ'' خود اپنا واقعہ لکھتے ہیں کہ میرا ہدایہ اولین کا سبق حضرت کے پاس تھا اور بندہ کوئی روز سے بخار آرہا تھا ایک روز کچھ زیادہ بخار تھا اسلئے سبق میں حاضر نہ ہوسکا، جب حضرت والاؒ کو معلوم ہوا تو ایک طالب علم کو بھیج کر معلوم کرایا کہ دریافت کرکے آؤ کی لیٹ کر بھی پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اس طالب علم نے بندہ سے آکر دریافت کیا، بندہ نے عرض کیا کہ لیٹ کر تو پڑھ سکتا ہوں، یہ سن کر حضرت والا نے بندہ کو مع بستر کے بلالیا اور درسگاہ کے برآمدہ کے پاس بستر پر لٹایا اور سینہ پر کتاب رکھوائی اور بندہ نے اسی طرح لیٹے لیٹے ہدایہ کا سبق پڑھا۔

(۳) آپ سبق کی تقریر نہایت جامع مانع، واضح، دلنشیں اور سہل فرماتے، الفاظ جچے تلے، آواز صاف، ٹھہر ٹھہر کر ایک ایک جملہ

الگ الگ بولتے کہ ہر استعداد کے طلبہ اچھی طرح سمجھ لیں۔

(۴) سبق میں جو مضمون یا مسئلہ ہوتا پہلے اس مسئلہ اور مضمون کو اپنے الفاظ میں بہت آسان کر کے بیان فرمادیتے اس کے بعد کتاب کی عبارت کا ترجمہ فرما کر اس کو حل فرمادیتے، اس طرح طلبہ کے ذہن میں مسئلہ منقح ہوجاتا اور عبارت بھی حل ہوجاتی۔

(۵) ابتدائی کتابوں خصوصاً صرف ونحو کی کتابوں کونہایت اہتمام کے ساتھ طلبہ کوحفظ کراتے اور مشق بھی کراتے اور فرماتے کہ یہ اصل بنیاد ہے اگر بنیاد مضبوط ہے تو آخر تک عمارت مضبوط ہوگی اور اگر بنیاد کمزور ہے تو اوپر تک عمارت کمزور رہے گی، اسی طرح منطق کی ابتدائی کتابوں کو بھی بہت اہتمام سے پڑھاتے اور زبانی یاد کراتے۔

(۶) سبق کے دوران طالب علم کے بیٹھنے کے انداز اور سبق کی طرف اس کی توجہ وغیرہ پر پوری نظر رکھتے، اگر کوئی طالب علم ادھر اُدھر دیکھتا یا اس کا ذہن اور خیال مستحضر نہ معلوم ہوتا تو فوراً تنبیہ فرماتے تاکہ ہر طالب علم پوری توجہ اور دھیان کے ساتھ سبق سنے۔

(۷) عبارت صحیح پڑھنے پر بہت زور دیتے، اگر عبارت کے اعراب میں ذرا بھی غلطی ہوجاتی تو فوراً ٹوک دیتے کوئی طالب علم سرسری طور پر پڑھ کر آگے نہ بڑھ سکتا۔(۸) عادت شریفہ تھی کہ دوزانو بیٹھا کرتے درس کے درمیان بھی اور درس کے علاوہ بھی۔(۹) آپ کے درس میں تعلیم کے ساتھ تربیت پر خاص توجہ اور نظر تھی اور اکابر علمائے عصر کو آپ کی تربیت وتعلیم پر خصوصی اعتماد تھا۔

چنانچہ دارالعلوم دیو بند اور مظاہر علوم سہارنپور کے اکابر علماء اپنے صاحبزادگان کو تعلیم کے لئے آپ کی خدمت میں بھیجا کرتے۔

(۱۰) جب آپ علوم عالیہ (تفسیر وحدیث وفقہ) کا درس دیتے تو صاف معلوم ہوتا کہ علوم ومعارف کا ایک بحر بیکراں موجزن ہے، استدلالات واستنباطات کی موجیں امڈی آرہی ہیں اور حقائق و دقائق کا چشمہ ابل رہا ہے، ادنی مناسبت سے اصلاح وتربیت کے اصول، بیش قیمت نصیحتیں اور ہدایات بیان فرماتے، ایسے عجیب وغریب نکات اور مضامین انہی درسی کتابوں سے استنباط فرماتے کہ عقل اپنی نارسائی پر حیران رہ جاتی لیکن تسلیم وتصدیق بھی کرتی در حقیقت آپ کا سینۂ مبارک اس وقت علوم وحقائق بیان کرنے کے لئے کھول دیا جاتا، چنانچہ ایک دفعہ ''شمائل ترمذی شریف'' کے درس میں خود ہی ارشاد فرمایا کہ:۔

''اس طرح میں کبھی بولا نہیں، آج تک بولا نہیں، اللہ تعالی کیوں بلوا رہے ہیں، مجھے خبر نہیں کہ کیوں بلوا رہے ہیں؟ ممکن ہے کہ زمانہ حال کا یہ حال ہو گیا ہو اسلئے اللہ تعالی بلوا رہے ہیں، میں کیا کروں؟'' (حیات مسیح الامتؒ ص ۳۵۱)

غرض یہ کہ آپ بیک وقت ابتدائی کتابیں بھی اسی محنت، مہارت اور دلچسپی کے ساتھ پڑھاتے تھے جیسا کہ ان کا حق اور طالبعلموں پر شفقت کا تقاضہ ہے اور تفسیر وحدیث اور فقہ کی اونچی اور بلند پایہ کتابوں کا درس بھی مجتہدانہ بصیرت، تدریسی مہارت اور کشف حقائق کے ساتھ آسان تعبیر اور سہل انداز تفہیم میں دیا کرتے تھے اور ساتھ ہی ان

علوم شرعیہ کا جو مقصد اصلی اور غرض صحیح ہے یعنی تزکیہ نفس اور تربیت واصلاح اس کی طرف بھی پوری توجہ فرماتے اسلئے آپ کی مجلس درس بیک وقت تعلیم کتاب وحکمت کا مدرسہ بھی ہوتی اور تزکیہ نفس وتربیت اخلاق کی خانقاہ بھی۔

مدرسہ کی مالیات میں احتیاط اور تقویٰ حضرتؒ کا یہ معمول تھا کہ مدرسہ کی چیزوں اور مالیات کے سلسلہ میں فتوی اور جواز پر عمل نہ فرماتے بلکہ تقوی، احتیاط اور ورع کی راہ پر چلتے، مدرسہ کی چیزیں تو اپنے استعمال اور صرف میں کیا لاتے اپنی ہی چیزیں مدرسہ کیلئے خرچ فرماتے رہتے، مدرسہ کی ضروریات میں صرف ہونے والی عام اشیاء مثلاً کاغذ پنسل وغیرہ اپنی ذاتی استعمال فرماتے حتی کہ مدرسہ کے خاص مہمانوں کی ضیافت اور مہمانداری کے اخراجات بھی خود ہی برداشت فرماتے جبکہ ضابطہ کی رو سے یہ خرچ مدرسہ سے لینا جائز ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت والاؒ کی ایک تحریری یادداشت بھی موجود ہے، اس موقع پر اس کا نقل کردینا مفید معلوم ہوتا ہے کہ اس سے اکابر واسلاف کے طرز عمل کا پتہ بھی چلتا ہے اور ممکن ہے بہت سے کوتاہ ہمتوں کے لئے یہ اخلاص اور بلند ہمتی کا سبب بھی بنجائے اور اہل مدارس پر بیجا تنقید کرنے والوں کے لئے بھی شاید سرمہ بصیرت ثابت ہو اور جو لوگ غلط فہمی کے شکار ہیں ان کے خیالات کی اصلاح کا ذریعہ ہوجائے۔ وہ تحریری یادداشت بعینہ درج ذیل ہے:۔

"باسمہ وحمدہ تعالیٰ۔

احقر محمد مسیح اللہ عرض رسا ہے کہ ان امور ذیل کے تحریر کی ضرورت نہ تھی، لیکن حالاتِ زمانہ نے مجبور کیا کہ تحریر کیا جائے، اسلئے معروض ہے کہ حضرت مرشدی حکیم الامت مولانا تھانویؒ نور اللہ مرقدہ نے ۱۳۵۶ھ میں یہاں جلال آباد مدرسہ مفتاح العلوم میں صدر مدرس بنا

کر بھیجا۔

۱ــــ ابتداءً مدرسہ سے پچیس روپئے ماہانہ پر تقرر ہوا، پھر چند سال کے بعد پچاس روپئے ماہانہ ہوکر ۱۳۹۲ھ تک باوجود اس گرانی کے پچاس ہی رہے، جبکہ مہتمم صاحبان کی تنخواہ صدر مدرسین سے بھی زیادہ ہوتی ہے، اور چار سو پانچ سو تک بعض مدرسوں میں ہے۔ اب ۱۳۹۳ھ محرم سے تنخواہ لینا بندہ نے بتوفیقہ وفضلہ تعالیٰ ختم کردیا، اور اپنے حضرت (یعنی مولانا تھانویؒ) نے فرمایا تھا کہ جب یہاں سے تعلق نہ رکھو تو پھر تو کلاً رہنا، بفضلہٖ تعالیٰ۔

۲ــــ احقر شروع ہی سے نو روپئے سال مدرسہ کو دیتا رہا پھر اٹھارہ روپئے سال دیتا رہا پھر کئی سال ڈیڑھ سو کئی سال دو سو روپئے سالانہ دیتا رہا۔ اب کئی سال سے پانچ سو روپئے سالانہ دیتا رہا ہے اور کبھی چھ سو بھی۔ نیت یہ بھی رہی کہ کچھ مالی کوتاہیاں ہوں تو ان کا تدارک ہوتا رہے، یہی نہیں، بلکہ ــــــــــ

۳ــــ جب بھی مدرسہ کے لئے سفر کیا کبھی بھی سفر خرچ نہیں لیا یہ سفر زیادہ تر مظفر نگر، سہارنپور، کیرانہ کا ہوتا رہا، بسلسلہ کاغذات اوقاف اور وصولیابی رقم، بعض رقومات کے ڈرافٹ مختلف بینکوں سے لینے کیلئے کبھی سہارنپور، کبھی مظفر نگر، کیرانہ ایک مرتبہ شاملی اور دو سفر علی گڑھ، متھرا اضلاع کے ہوئے اور ان سفروں میں بوجہ بندہ کی ناواقفیت کے توفیق احمد صاحب کیرانہ ہمراہ ہوتے تھے، اسلئے کہ چودہ پندرہ سال سے تنہا سفر کرنے اور تنہا سونے کو اطباء ڈاکٹروں

نے منع کر دیا تھا میرے ساتھ ایک اور صاحب ہوتے رہے اسلئے بھی کہ توفیق احمد صاحب تو کام کرا کر کیرانہ چلے جاتے تو کوئی صاحب واپسی میں ہمراہ ہوں، ضرور تھا۔ لیکن بندہ نے کبھی مدرسہ سے خرچ نہ لیا حالانکہ تین کا کرایہ وغیرہ خرچ ہوتا۔ ان سفروں کے اخراجات کا ایک مرتبہ توفیق احمد صاحب نے تخمینہ لگایا تھا تو تین ہزار کے قریب فرما رہے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۴ — باستثناء جلسہ ڈاک کا خرچ بندہ نے مدرسہ پر کبھی نہیں ڈالا، خود ہی خرچ کیا، ہاں بندہ کی عدم موجودگی میں قائم مقام صاحب نے البتہ مدرسہ میں رکھا۔ کاغذ، روشنائی، پنسل، قلم اور سادہ لفافوں کا خرچ بھی مدرسہ پر نہیں ڈالا گیا، باستثناء امتحان سالانہ کے، کاغذ کا مدرسہ پر خرچ ڈالا گیا ہے۔

۵ — باستثناء جلسہ کسی بھی مہمان کی تشریف آوری پر خواہ کتنے بھی مہمان آگئے متفرقاً یا ایک ساتھ کھانے، ناشتے کا خرچ مدرسہ پر نہیں ڈالا، خود اپنے پر رکھا۔

۶ — ہر سالانہ امتحان کے موقع پر صبح کو تمام عربی مدرسین کے لئے چائے کا انتظام احقر کی طرف سے ہوتا ہے، یہ خرچ مدرسہ پر نہیں ڈالا جاتا۔

۷ — مدرسہ کے چندہ کے لئے کبھی کوئی سفر احقر کا نہیں ہوا۔

۸ — بعض مرتبہ بلا تعین رقم آئی، مدرسہ میں داخل کر دی پھر معلوم ہوا کہ وہ احقر کے ہدیہ میں تھی، لیکن واپس نہیں لی، حالانکہ

کبھی کبھی وہ رقم ایک ہزار تک کی تھی، البتہ اگر خط سے بعد کو معلوم ہوا کہ فلاں (افریقی وغیرہ) طالب علم کے لئے تھی تب نکال کر واپس کر دی اور خرچ میں واپسی لکھدی۔

۹ — مدرسہ سے کبھی بھی کسی غیر عملہ مدرسہ کو قرض نہیں دیا۔

۱۰ — کار احقر کے ایک دوست اصغر صاحب بڑاڈہ ضلع مظفر نگر نے بطور تحفہ احقر کے لڑکے محمد صفی اللہ خان صاحب عرف فیلسوف میاں کے لئے پیش فرمائی ہے۔ محمد مسیح اللہ"

(حیات مسیح الامتؒ ۱۵۶۔۱۵۹)

یہ تحریر حضرتؒ نے دفتر اہتمام میں محفوظ کرادی تھی کہ مدرسہ مفتاح العلوم کے لئے یہ دستاویزی حیثیت رکھتی ہے، سند بھی ہے اور قابل تقلید ولائق تاسی بھی۔

یہاں یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ نمبر ۲ میں حضرتؒ نے اپنا جو یہ معمول تحریر فرمایا ہے کہ مدرسہ میں چھ سو روپے سالانہ دیتا رہا بعد میں اس میں برابر اضافے فرماتے رہے، کئی سال تک بارہ سو روپئے پھر چند سال تک اٹھارہ سو روپے سالانہ دیتے رہے اور بقول مصنف "حیات مسیح الامتؒ" ۱۴۱۲ھ سے دو ہزار روپے سالانہ دینے کا معمول ہو گیا تھا۔

اسی طرح ایک مرتبہ کسی نے چھتر ہزار روپے حضرت کے لئے بطور ہدیہ بھیجے مگر آپ نے معمولی شبہ کی وجہ سے وہ خطیر رقم مدرسہ میں داخل فرمادی اور اس قسم کی پانچ چھ ہزار کی رقومات تو بارہا مدرسہ کے خزانہ میں داخل فرمائی، حالانکہ بسااوقات ایسا بھی ہوا کہ مدرسہ میں داخل کر دینے کے بعد بھیجنے والے صاحب کا خط آ گیا کہ وہ رقم حضرت والاؒ ہی کیلئے ہدیہ بھیجی گئی تھی مگر آپ نے مدرسہ میں داخل فرمادینے کے بعد پھر اس کو واپس نہیں لیا۔

ایک بار مدرسہ کے آمد وخرچ کے حساب میں غلطی ہو گئی اور میزان میں آمد کی رقم

خرچ سے پانچ ہزار بڑھ گئی اور چونکہ یہ حساب کی غلطی تھی اسلئے مدرسہ کی تحویل میں وہ پانچ ہزار روپے موجود نہیں تھے، آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے اپنی طرف سے پانچ ہزار روپے مدرسہ میں داخل فرمادئے، بعد میں مدرسہ کے منشی صاحب نے ایک دوسرے معاون کے ساتھ حساب کی جانچ کی تو غلطی معلوم ہوگئی کہ پانچ ہزار کی رقم زیادہ جوڑ لی گئی تھی، اس وقت بعض حضرات نے عرض کیا کہ حضرت، اب یہ پانچ ہزار روپے واپس لے لئے جائیں، مگر آپ نے انکار فرمادیا اور وہ رقم واپس نہیں لی۔ جس زمانہ کا یہ واقعہ ہے اس وقت پانچ ہزار روپیوں کی بہت قیمت اور اہمیت تھی، ارزانی کا زمانہ تھا اور روپئے میں قوت خرید بہت زیادہ تھی۔ یہ واقعات حضرت والاؒ کے زہد فی الدنیا، رغبت الی الآخرۃ اور بالخصوص معاملات کے باب میں کمال ورع وتقوی کی شہادت دیتے ہیں۔ تمام مسلمانوں کے لئے عموماً اور علماء نیز مدارس واوقاف اور دینی وسماجی اداروں وتنظیموں کے مہتممین اور ارباب انتظام کے لئے ان میں کیسا کچھ نصیحت کا سامان اور معاملاتی زندگی کے لئے دستور حیات موجود ہے۔

فراہمی سرمایہ اور چندہ کے سلسلہ میں احتیاط اور غیرت شرعی یہ تو آپ نے مالیات مدرسہ کے خرچ کرنے کے سلسلہ میں حضرت والاؒ کی غایت احتیاط اور تقوی کا حال سنا، اب چندہ کی وصولی اور فراہمی سرمایہ کے متعلق بھی اصول کی پاسداری، استغناء عن الخلق اور توکل علی اللہ کی کیفیت سنتے چلئے، مولانا عقیل الرحمٰن صاحب جو مفتاح العلوم میں حدیث کے استاذ اور حضرت والا کے شاگرد بھی ہیں، ہمیں اعتماد علی اللہ کی یہ ایمان افروز روداد سناتے ہیں:۔

> ”..........البتہ مالی معاملہ میں مدرسہ زیر بار ہی ہوتا رہا کیونکہ مدرسہ کی ترقی منجاب اللہ تھی مدرسہ کی اطراف واکناف میں شہرت نہ تھی، جسکی ایک وجہ قریب ہی دو بڑے مدرسوں کا واقع ہونا تھا،

دارالعلوم دیو بند اور مظاہر علوم سہارنپور بالکل قریب ہی واقع ہیں چنانچہ اس مالی قلت کی وجہ سے مدرسہ اس ارزانی کے زمانہ میں دس دس ہزار کا مقروض ہوگیا۔ متعدد بار ایسا ہوا کہ دوپہر کا کھانا قریب عصر اور شام کا کھانا قریب عشاء طلبہ کو کھلایا گیا، کیونکہ مدرسہ میں اناج نہیں تھا، اناج کی دستیابی میں تاخیر ہوجاتی تھی لیکن یہ حضرت والا نوراللہ مرقدہ کا انتہائی ایثار تھا کہ جب تک طلبہ کو کھانا تقسیم ہونے کی اطلاع نہ آجاتی تھی خود بھی کھانا تناول نہ فرماتے تھے۔ محترمہ معظمہ امی جان صاحبہ رحمہا اللہ تعالی بار بار فرماتیں کہ کھانا ٹھنڈا ہورہا ہے، فرماتے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں کھالوں اور طلبہ بھوکے رہیں، مدرسہ کے حالات اسی نہج کے قریب تھے کہ ایک اور ابتلاء پیش آیا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس زمانہ میں اساتذہ کرام رمضان المبارک کی تعطیلات میں چندہ وصول کرنے کے لئے اطراف ہندوستان میں تشریف لے جایا کرتے تھے، مقام چندہ سے حضرت والا کو حالات لکھا کرتے تھے، بعض مدرسین نے لکھا کہ حضرت چندہ دہندگان کا عجیب حال ہے، صبح گئے تو کہدیا شام کو آنا، شام کو گئے تو کہدیا صبح کو آنا، صبح کو گئے تو کہدیا کہ بھائی اب تو ختم ہوگیا آئندہ سال دیکھا جائے گا، جب دو تین سال یہی کیفیت حضرت والاؒ کے گوش گذار ہوئی تو فرمایا:۔

”مجھے تو اس سے توہین علم کی بو آتی ہے، کیونکہ یہ محصلین چندہ علمائے دین ہیں، صفت علم دین کے ساتھ موصوف ہیں، ان کے ساتھ یہ

معاملہ توہین علم دین کی خبر دیتا ہے اسلئے آج سے چندہ بند، اگر حق تعالی کو مدرسہ چلانا منظور ہوگا تو کوئی انتظام کردیں گے ورنہ مدرسہ بند کردیں گے، کوئی دوسرا کام کریں گے، حق تعالی پوچھیں گے کہ مدرسہ کیوں بند کیا تو کہدیں گے کہ ہم نے کوشش کی تھی مگر ہمارے پاس علم تو تھا مگر مال نہیں تھا، عوام مسلمین متوجہ نہیں ہوئے، ہم مجبور ہوگئے اسلئے مجبوراً بند کرنا پڑا"۔

لیکن ان حضرات اہل اللہ کا توکل خواہ مخواہ نہیں ہوتا، ایک سال تو مدرسہ بیم ورجاء کے درمیان رہا، اہل تعلق حضرات نے بار بار اشکال پیش کیا کہ حضرت کیسے کام چلے گا؟ اس کے جواب میں حضرت اکثر تو خاموش ہوکر متوجہ الی اللہ ہو جاتے تھے جیسا کہ چہرہ مبارک سے معلوم ہوتا تھا اور بعض اوقات یہ فرمایا کہ بھائی جس کو جانا ہے چلا جائے میں تو چندہ کے لئے نہ بھیجوں گا ـــــ نتیجہ ظاہر تھا کہ تنخواہیں تاخیر سے ملنے لگیں، مطبخ کا خرچ قرض سے چلنے لگا، کچھ نہ کچھ تعمیر کا کام بھی چلتا رہتا تھا، یہ سب کچھ ہوا لیکن حضرت والا کوہ وقار بنے ہوئے اپنی جگہ جمے رہے حتی کہ اللہ کے علم میں وہ وقت ظاہر ہوگیا جس کا گویا کہ حق تعالی کو انتظار تھا ـــــ ایک سال کے بعد وہ وقت آگیا کہ حق تعالی نے مفتاح العلوم کے لئے غیبی خزانے کھولدئے۔"

(ماخوذ از مجلّہ "مفتاح الخیر" شمارہ جمادی الاولی و جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ ص ۲۸۔۲۹)

یقیناً جو حضرات نعمت ایمان سے سرفراز اور دولت ایقان سے مالا مال ہوتے ہیں،

ان کے حق میں وعدہٴ الٰہی سچ ہو کر رہتا ہے، ارشاد خداوندی ہے ”**ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ**“ (جو اللہ پر توکل اور بھروسہ کرتا ہے وہ اس کے لئے کافی ہوتا ہے) اور ”**ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً**“ (جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے لئے راستہ بنا دیتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے شان و گمان نہیں ہوتا) چنانچہ دیکھنے والی آنکھوں نے دیکھا کہ جہاں چند طالبعلموں کے کھانے کا انتظام بمشکل ہو پاتا تھا اور مدرسہ اس ارزانی کے زمانہ میں دس دس ہزار کا مقروض ہو جاتا تھا، جب اللہ کا یہ متوکل بندہ دین کی عظمت اور ایمانی غیرت کے تقاضے سے متاثر ہو کر اللہ کے بھروسہ پر اسی بے سہاروں کا سہارا اور بیکسوں کے والی اور مددگار کے سہارے استقامت کے ساتھ جم کر بیٹھ گیا تو دنیا کے خزانے اس کے قدموں پر نچھاور ہونے لگے اور ”**اتتہ الدنیا وھی راغمۃ**“ (دنیا اس کے قدموں پر ناک رگڑتی ہوئی آتی ہے) کا منظر سامنے آ گیا۔ حالانکہ نہ صرف یہ کہ حضرت نے سفراء بھیجنے بند فرما دئے تھے بلکہ اپنے ملکی اور غیر ملکی دعوتی و اصلاحی اسفار میں — جو اہل عقیدت و اصحاب ارادت کے بیحد اصرار پر ہی ہوا کرتے تھے — کبھی مدرسہ کے تعاون کے لئے صراحۃً تو کیا اشارۃً بھی متوجہ نہیں فرماتے تھے، اس سلسلہ میں حضرتؒ کا معمول خود حضرتؒ ہی کی زبانی سنئے:۔

”امریکہ، لندن، افریقہ، فرانس اور پاکستان وغیرہ کے غیر ملکی اسفار ہوئے، وہاں بھی الحمد للہ زبان پر کبھی مدرسہ کے متعلق کوئی سوال نہیں آیا اور زبان پر تو کیا الحمد للہ کبھی اشارہ بھی نہیں کیا، نہ انفرادی طور پر نہ اجتماعی طور پر، حالانکہ بعض حضرات کہتے تھے کہ آپ اشارہ فرما دیں مگر کبھی اشارہ بھی نہیں کیا۔ البتہ اگر کسی نے مدرسہ کے متعلق از خود سوال کیا کہ مدرسہ میں کتنے طلبہ ہیں، کتنے مدرس ہیں،

کہاں تک تعلیم ہے تو سوال کرنے پر بتلا دیا، چندہ کے لئے ایک حرف نہیں کہا۔ البتہ اگر کسی نے از خود مدرسہ کے لئے پیش کیا میں نے لے لیا، میں انکار کیوں کروں، جب حق تعالیٰ دلوا رہے ہیں۔ یہاں مدرسہ میں آکر انکو رسید بھیج دی" (حیات مسیح الامتؒ ص ۴۰۹)

آج بھی ــــ ۱۴۲۵ھ میں ــــ اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے حضرت والاؒ کا پروان چڑھایا ہوا یہ عظیم ادارہ ــــ جامعہ مفتاح العلوم ــــ انہی خطوط ونقوش پر حضرتؒ کے صاحبزادہ گرامی مرتبت اور خلیفہ مجاز بیعت حضرت مولانا محمد صفی اللہ خان صاحب مدظلہم العالی (عرف بھائی جان) کے زیر اہتمام وانتظام گامزن اور روبہ ترقی ہے اور خانقاہ مسیح اللہی کی رونق بھی ان کے دم قدم سے قائم ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی عجیب استغناء اور توکل کی دولت سے سرفراز فرمایا ہے۔ و ذلک فضل اللہ یو تیہ من یشاء۔

حضرت والاؒ کے ساتھ اہل جلال آباد کی عقیدت ومحبت یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت والاؒ جب جلال آباد تشریف لائے ہیں تو آپ کی حیثیت صرف ایک مدرس کی تھی، اور مدرسہ بھی اس وقت مکتب ہی کی شکل کا تھا، مگر آپ کے خلوص وللہیت، تقوی وخدا ترسی، تواضع وانکسار، قناعت واستغناء، خورد نوازی وبزرگداشت، محبت وشفقت، تعلیم وتربیت کی راہ میں انتھک محنت وجد وجہد اور مدرسہ کی ترقی کے لئے مخلصانہ مساعی نیز مرشد تھانویؒ کی بے پناہ توجہات وعنایات اور آپکے انفاس قدسیہ کی برکت سے اہل جلال آباد کو آپ کی ذات سے ایسی محبت، عقیدت اور انسیت ہوگئی کہ قصبہ کے سب ہی مرد وزن اور جوان بچے آپ کو "اباجی" کہتے، آپ کی شفقت وعنایت کا برتاؤ بھی ان کے ساتھ ایسا تھا کہ ان کی دل کی گہرائیوں سے بلا تصنع "اباجی" ہی نکلتا ــــ شہر کے معززین ورؤساء بھی آپ کا بیحد ادب واحترام کرتے اور ہمیشہ نیازمندانہ خدمت میں حاضر ہوا کرتے، اپنے قریب

کی مختلف مسجدوں میں فجر کی نماز پڑھ کر لوگ اکثر مصافحہ اور دعا کے لئے حاضر ہوا کرتے، حضرت ان سب آنے والوں سے بہت خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات اور مصافحہ فرماتے اور دعاؤں کے ساتھ رخصت فرماتے، ایک موقعہ پر حضرت نے خود ارشاد فرمایا کہ:۔

"یہاں (جلال آباد) کے خان صاحبان بہت ادب کرتے ہیں، جب میں یہاں آیا تھا تو میری سیاہ داڑھی تھی بہت سے خان صاحبان عمر میں مجھ سے بڑے تھے اس کے باوجود ادب کا یہ حال تھا کہ اگر مجھے کہیں راستہ میں جاتے ہوئے دیکھ لیتے تو کھڑے ہو جاتے تھے، میرے سامنے حقہ نہیں پیتے تھے" (حیات مسیح الامتؒ ص ۱۱۵)

آپ کا معمول تھا کہ مریضوں کی عیادت اور وفات پانے والوں کی تعزیت کے لئے بھی تشریف لے جایا کرتے، مگر ان حضرات کے باہمی نزاعات و معاملات اور جھگڑوں سے بالکل الگ رہتے، خصوصاً الیکشن وغیرہ کے ہنگاموں سے اپنے کو بالکل یکسو رکھتے ـــــ مسلمانوں کے علاوہ بہت سے غیر مسلم بھی خدمت والاؒ میں بڑی عقیدت و محبت کے ساتھ حاضر ہوا کرتے، دعا کی درخواست کرتے یا اپنی کسی حاجت کا اظہار کرتے، حضرت ان کے ساتھ بھی بہت ہی اخلاق سے پیش آتے اور اگر ان کی کوئی ضرورت آپ کے پوری کرنے کی ہوتی تو آپ پوری فرمادیتے، آپ کا عمل بالکل اس کے حسب حال تھا کہ۔

طریقت بجز خدمت خلق نیست   بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

اہل قصبہ کے یہاں ـــــ خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم ـــــ جب شادی ہوتی تو بالعموم وہ لوگ دولہا کو آپ کی خدمت میں دعا کیلئے لاتے، حضرت والاؒ ان کے سر

پر دست شفقت رکھ کر دعائیں دیتے اور کچھ نہ کچھ دس بیس روپے بھی عنایت فرماتے اس میں مسلم اور غیر مسلم، عام وخاص کی کچھ تخصیص نہ تھی، سب کے ساتھ اسی شفقت وعنایت کا معاملہ فرماتے۔ غیر مسلموں کو بھی موقع کی مناسبت سے نصیحت فرماتے اور راہ حق کی دعوت دیتے اور آتے، جاتے وقت مصافحہ بھی فرمالیتے ان میں سے اگر کوئی امداد طلب کرتا تو اس کی امداد بھی کر دیتے، ایک دفعہ تو ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور مندر کے لئے چندہ مانگنے لگا تو آپ نے اس کو پانچ روپیہ عنایت فرما کر ارشاد فرمایا کہ:۔

''یہ پانچ روپئے میں آپ کو دے رہا ہوں یہ آپ کی ملک ہے، آپ سفر وغیرہ کرتے ہیں، آپ کرایہ وغیرہ یا اپنی دوسری ضرورت میں ان کو خرچ کر لیجئے''

سبحان اللہ ! یہ ہے تفقہ فی الدین اور ''من یوت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً'' کی عملی شرح وتفسیر۔ ایسے نازک مواقع پر بعض جو الجھنیں پیش آجایا کرتی ہیں اس کا کس طرح تدارک فرمادیا اور اگر اس کو کچھ فہم ہو تو اس پر شرک کی قباحت وشناعت بھی ظاہر فرمادی۔ سرسری نظر میں یہ معمولی واقعہ معلوم ہوتا ہے مگر ہمارے ملک میں اب اس طرح کے واقعات کثرت سے پیش آنے لگے ہیں۔ سرکاری ملازمتوں یا کاروباری زندگی میں جن لوگوں کو غیر مسلموں کے ساتھ کثرت سے سابقہ پڑتا ہے وہ ایسے معاملات سے دوچار ہوتے رہتے ہیں۔ پھر یا تو اس میں شریک ہو کر گنہگار ہوتے ہیں یا غیرت ایمانی کے جوش میں آکر کسی مصیبت میں پھنس جاتے ہیں، ان کے لئے اس واقعہ میں راہ عمل موجود ہے۔

بہر حال حضرت والاؒ نے اپنے خلوص وللہیت، پاک نفسی، پاکیزہ زندگی، حسن اخلاق، نرمی وملاطفت اور حکیمانہ طرز عمل کا ایسا نمونہ قائم فرمایا کہ اپنوں اور غیروں سب ہی نے نہ صرف یہ کہ عزت کی بلکہ آپ سے عقیدت رکھی، محبت کی اور گرویدہ رہے۔

باب ۶

اسفار

اَسفار

طلب علم اور اصلاح نفس و تزکیہ باطن کے سلسلہ میں جو ابتدائی اور ضروری سفر آپ کے لکھنؤ، دیوبند اور تھانہ بھون کے ہوئے ان کی تفصیلات آپ پچھلے صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔ پھر جب آپ کا قیام جلال آباد میں ہو گیا تو اطراف کے دیہاتوں میں بہت جانا ہوتا اور وہ بھی پیادہ پا۔ ایک بار خود بیان فرمایا کہ:۔

''پیدل سفر پہلے بہت ہوئے ہیں، بڑی شدت کی گرمی کے موسم میں پانچ پانچ چھ چھ کوس تک سفر کیا ہے، اس زمانہ میں بڑی شدت کی گرمی ہوا کرتی تھی، اب تو ایسی گرمی ہوتی بھی نہیں ہے، دوپہر کی گرمی ہوا کرتی تھی اب تو اس کے اعتبار سے آدھی بھی گرمی نہیں ہے، نہایت گرم لو چلا کرتی تھی، بسا اوقات کسی گھوڑے یا ٹٹو یا بیل گاڑی اور گھوڑا تانگہ وغیرہ پر بھی سفر ہوا'' (حیات مسیح الامتؒ ص ۴۸۷)

نیز ملک کے مختلف اضلاع اور دور دراز علاقوں میں بھی آپ کے اسفار بکثرت ہوئے ہیں، چندی گڑھ،، دہلی، حیدر آباد، بنگلور، میسور، کشمیر، شملہ، مہندر گڑھ، لدھیانہ، اور کرنال وغیرہ مقامات کے سفر وہاں کے اہل تعلق کے اصرار پر بہ سلسلہ دعوت و اصلاح ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے وہاں آپ سے دین کی بڑی خدمت لی اور نجانے کتنے بندگان خدا کا رشتہ اپنے خالق و مالک سے استوار ہوا۔

اس وقت ہندوستان کے مشائخ میں آپ کی یہ ایک امتیازی خصوصیت تھی کہ آپ نے امریکہ، یوروپ اور افریقہ کے بہت سے ممالک کا سفر فرمایا اور ان ممالک کی مادی فضاء کو دین کی پاکیزہ تعلیمات اور صحیح اسلامی روحانیت سے فیضیاب اور انوار معرفت الٰہیہ

سے منور اور محبت حق سے سرشار فرمایا۔ افریقہ، برطانیہ، فرانس، امریکہ، ماریشش، شام، مصر، سعودی عرب کے اسفار فرماتے اور پاکستان تو بار بار تشریف لے جانا ہوا، جہاں بھی چند روز کے لئے فروکش ہوئے اپنے انفاس گرم سے وہاں کے ماحول اور فضاء میں ''صبغۃ اللہ'' کی رنگینی بھر دی، عظمت دین کا پرچم لہرادیا اور مادہ پرست قلوب میں آخرت کے شوق کی فکر اور عمل آخرت کا شوق پیدا فرمادیا۔ ان مقامات میں مختلف مواقع پر آپ کے جو بیانات ہوئے، خصوصی مجالس میں جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا، وہاں کے حالات واطوار اور ماحول میں آپ نے جو دینی اور تربیتی رہنمائیاں فرمائیں وہ ایک قیمتی اور نادر سرمایہ ہیں مگر ان کا کوئی محفوظ ریکارڈ ہمیں دستیاب نہیں ہے۔ بعض واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اسفار میں آپ کے بہت طویل اور عجیب بیانات بھی ہوئے ہیں، مثلاً ایک دفعہ خود ہی تعجب کے ساتھ یہ واقعہ بیان فرمایا کہ:۔

> ''میں فرانس گیا ہوا تھا اور وہاں کی جامع مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے گیا تو وہاں کچھ تبلیغ والے لوگ آئے ہوئے تھے ان لوگوں نے مجھ سے کچھ بیان کرنے کے لئے کہا، میں نے کہا کہ یہاں عام طور پر دو زبانیں سمجھی جاتی ہیں، یا تو انگریزی زبان میں تقریر کی جائے یا عربی میں، انگریزی تو مجھے آتی نہیں اور عربی میں تقریر کرنے کی عادت نہیں، اس میں بولنے کے لئے مشق کا ہونا ضروری ہے۔ اس پر انلوگوں نے کہا کہ ہم ایک مترجم کھڑا کئے دیتے ہیں، آپ اردو میں بولتے رہئے وہ لوگوں کو عربی میں بتاتے رہیں گے۔ جب کوئی دوسری صورت نظر نہ آئی تو میں منبر پر جا کر بیٹھ گیا اور خطبہ مسنونہ کے بعد کوئی آیت تلاوت کی اور اس کی تشریح میں عربی زبان

میں دو چار جملے ادا کرنے شروع کئے۔ مترجم انتظار میں تھے کہ یہ اردو میں بولیں تو میں اس کو عربی میں لوگوں تک پہنچاؤں اس کے بعد کچھ ایسا ہوا کہ میں عربی میں بولنا شروع ہو گیا اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک عربی میں بولتا رہا۔ مترجم کا اسم گرامی ڈاکٹر حمید اللہ ہے" (تذکرہ مسیح الامتؒ بہ ترمیم ص ۶۴۔۶۵)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ مرتب "تذکرہ" نے حضرت والا ہی کی زبانی سنایا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"شروع میں حضرت والا (جلال آبادیؒ) کو تقریر کرنے سے حیاء آتی تھی، مجلس میں تو فرمادیا کرتے تھے لیکن جلسوں میں وعظ یا تقریر نہیں فرمایا کرتے تھے، اس کام کے لئے مولانا عابد حسین مرحوم مقرر تھے، تقسیم ہند کے بعد ایک مرتبہ جب حضرت والا (جلال آبادی) پاکستان تشریف لائے تو اس وقت حضرت والاؒ نے یہ فرمایا کہ تنویر احمد خان میرے ساتھ یہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا، میں مولانا عابد حسین صاحب مرحوم وغیرہ کے ساتھ مدراس گیا ہوا تھا وہاں بہت بڑا جلسہ تھا، کثیر مجمع تھا، مجھ سے کہا گیا کہ کچھ تبرکاً دو چار باتیں آپ بھی فرمادیجئے، میں نے عذر پیش کیا کہ میں تو ایسے مجمعوں میں بولتا نہیں، لوگوں نے اصرار کیا یہاں تک کہ لاؤڈ اسپیکر کے سامنے جا کر بیٹھ گیا اور یہ سوچ کر کے کہ کچھ تھوڑے بہت الفاظ ادا کر کے واپس اٹھ آؤں گا، میں نے خطبہ پڑھا، پھر ایک آیت پڑھی، اس کا ترجمہ بیان کیا اور پھر کچھ اس کی تشریح اور تفسیر میں چلا گیا اور پھر تنویر احمد

خان ایسا ہوا کہ میں مسلسل چار گھنٹہ تک بولتا رہا اور مجھے پتہ ہی نہیں چلا، اب اس کے بعد سے ایسا ہو گیا ہے کہ میں بولنے لگا ہوں" (تذکرہ مسیح الامتؒ ۶۴)

ظاہر ہے کہ فرانس میں عربی زبان میں ڈیڑھ گھنٹہ کی مسلسل تقریر اور پہلی ہی بار مسلسل چار گھنٹے تک کا بیان کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے، یقیناً یہ بیانات ایسے مؤثر اور دلچسپ رہے ہوں گے کہ سامعین نے دلجمعی کے ساتھ سنا اور اثر قبول کیا ہوگا، بغیر اس کے کوئی کہنہ مشق مقرر بھی اتنی دیر تک بیان نہیں کر سکتا۔ اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر آپ کا سفرنامہ مرتب کیا گیا ہوتا اور احوال سفر کی تفصیلات معلوم ہوتیں تو علم و ہدایت کے بہت سے ابواب کھلتے اور طریق اصلاح وطرز تربیت کے نرالے اور انوکھے، مؤثر اور کارگر انداز سامنے آتے۔

سفرحج آپ نے پہلا حج ۱۳۸۰ھ میں کیا، دوسرا حج ۱۳۹۹ھ اور تیسرا حج ۱۴۰۳ھ میں کیا، اس طرح آپ نے حج کے تین سفر فرمائے، ان اسفار کی بھی مرتب اور مفصل روداد تو ہمارے علم میں نہیں ہے البتہ مرتب "حیات مسیح الامتؒ" اور مرتب "تذکرہ مسیح الامتؒ" نے کچھ جزوی واقعات اپنے علم و ذوق کے مطابق لکھے ہیں، جن سے آپ کے عشق و وارفتگی ، درد و سوز، عزم و ہمت اور آپ کی بعض کرامتوں کا پتہ چلتا ہے، اور حرم شریف میں بعض اکابر علماء و مشائخ کی آپ کی خدمت میں حاضری اور استفادہ کا حال بھی معلوم ہوتا ہے۔

حضرت مولانا محمد اللہ صاحب معروف بہ حافظ جی حضورؒ بنگلہ دیش کے اکابر علماء میں منفرد اور ممتاز شخصیت کے مالک تھے، خود شیخ وقت اور پیر طریقت تھے، وہاں کے سیاسی حلقوں میں بھی بہت اثر رسوخ رکھتے تھے اور حکیم الامت مجدد الملتؒ کے خلیفہ مجاز تھے، ایک دفعہ جب کہ حضرت مسیح الامت حج کے لئے حاضر حرمین شریف تھے اسی سال حافظ جی حضورؒ

بھی حج کے لئے حاضر حرم محترم تھے، ان کو جب حضرت مسیح الامتؒ کی آمد کا علم ہوا تو ملاقات کے لئے تشریف لائے اور بہت ہی اصرار کے ساتھ اپنے بیعت ہونے کی درخواست کی کہ آپ مجھے بیعت فرمالیں، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ آپ تو بیعت ہیں پھر آپ کو بیعت ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ مگر حافظ جی حضورؒ برابر اصرار فرماتے رہے، یہاں تک کہ حضرت والاؒ نے ان کو بیعت فرما ہی لیا، اس کے بعد انھوں نے اپنے صاحبزادے کیلئے فرمایا کہ آپ ان کو بھی بیعت فرمالیں، حضرت والا نے ان کو بھی بیعت فرمالیا۔ (حیات مسیح الامتؒ ص۳۱۴)

حضرت کے صاحبزادہ مولانا صفی اللہ خانصاحب مدظلہ عرف بھائی جان سفر حج میں آپ کے ساتھ تھے، وہ بیان فرماتے ہیں کہ:۔

”رمی جمار کے موقع پر بڑی فکر ہوئی کہ حضرت جی تو بہت ہی کمزور اور ہلکے پھلکے سے ہیں، اور یہاں نفسی نفسی کا عالم ہے، کنکری مارنے کی کیا صورت ہوگی؟ اتنے میں اس بھیڑ کے درمیان سے دو نوجوان شخص نمودار ہوئے اور حضرت جی کے پاس آکر کہا کہ آپ ہمارے کندھے پر سوار ہو جایئے اور رمی جمار کیجئے، حضرت جی نے کچھ معذرت فرمائی مگر ان دونوں نوجوانوں نے حضرت کو اپنے کندھوں پر اٹھالیا اور عرض کیا کہ آپ کنکریاں ماریں۔ حضرت والاؒ نے نہایت اطمینان کے ساتھ کنکریاں ماریں پھر مجمع سے باہر لاکر حضرت والا کو ایک جگہ کھڑا کر دیا، میں حضرت جی سے جدا ہو گیا، مجھے بڑی فکر ہوئی کہ حضرت جی کہاں ہیں، دوسرے ساتھیوں نے فرمایا کہ یہیں کھڑے ہو جاؤ چنانچہ سب حضرات کھڑے ہو گئے،

اسی دوران ایک شخص نے مجھے اشارہ سے بتلایا کہ وہ ہیں، میں نے دیکھا تو واقعی حضرت جی مع ساتھیوں کے ایک کنارہ پر کھڑے ہیں، میں نے جا کر ملاقات کی۔ بعد میں میں نے حضرت جی سے دریافت کیا کہ یہ دونوں شخص کون تھے؟ تو حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ ہر بات بتلانے کی نہیں ہوتی" (حیات مسیح الامتؒ ص۳۱۵)

مرتب "تذکرہ مسیح الامتؒ" نے مکہ معظّمہ میں حضرتؒ کی مجلس اور اس میں اکابر مشائخ ہندو پاک کی شرکت کا ذکر بڑے والہانہ اور ولولہ انگیز انداز میں کیا ہے، اس کا ایک اقتباس آپ بھی ملاحظہ فرمالیں:۔

"دوسرے روز جب ناشتہ کے بعد احقر (مرتب تذکرہ مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خانصاحب) ہوٹل (جس میں حضرت کا قیام تھا) پہنچا تو دیکھا کہ بڑے زور شور سے مجلس جاری ہے اور مولانا ابرار الحق صاحب بھی حضرت والا کے برابر میں بیٹھے ہوئے ہیں، احقر بھی جا کر مجلس میں شریک ہو گیا، تھوڑی دیر میں دیکھا کہ حافظ حبیب احمد صاحب نقشبندی چکوالی اپنے مخصوص لباس، عمامہ اور عصا کے ساتھ تشریف لائے ہیں، اس وقت چونکہ کمرہ بھر چکا تھا اسلئے وہ جہاں لوگوں کے جوتیاں نکلی ہوئی تھیں اسی جگہ پر بیٹھ گئے، حضرت والا نے دوران بیان یک قدرے توقف فرمایا، مولانا ابرار الحق صاحب نے حضرت والا کے کان کے قریب منھ لے جا کر کچھ کہا، اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ احقر ان حضرت سے واقف نہیں

اب آپ کے بتانے پر معلوم ہوا اسلئے بندہ اب ان سے یہ عرض کر رہا ہے کہ وہ یہاں میرے پاس تشریف لے آئیں۔ حافظ حبیب احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضرت مجھے یہیں سامنے بیٹھا رہنے دیجئے جو کچھ آپ کے فیوض وانوار کا سامنے سے مجھے نفع پہنچ رہا ہے وہ آپ کے برابر بیٹھنے سے نہیں پہنچے گا، حضرت والاؒ نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا ''بہت اچھا'' اور بیان شروع کر دیا۔ دو ڈھائی گھنٹے تک مسلسل بیان ہوتا رہا، مجلس ختم ہوئی، حافظ حبیب احمد صاحب نے حضرت سے مصافحہ کیا، کچھ دیر گفتگو کی اور اجازت لیکر تشریف لے گئے۔ پھر مولانا فقیر محمد صاحب (خلیفہ حضرت تھانویؒ) تشریف لائے اور وہ بھی تھوڑی دیر مل کر تشریف لے گئے''

(تذکرہ مسیح الامتؒ ص۷۹۔۸۰)

موسم حج کے عظیم اجتماع کے موقعہ پر علماء ومشائخ اور اولیاء وصالحین کی یہ باہمی ملاقاتیں مودّت ومحبت، تواضع وبے نفسی، عجز وانکسار اور افادہ واستفادہ کی کیسی روشن مثالیں ہیں اور پھر اس کے جلو میں کیسی کچھ معنویت پائی جاتی ہے!؟

سفر کے سلسلہ میں آپ کے اصول وعادات سفر کے سلسلہ میں — سفر سے پہلے سفر کے درمیان اور مقام سفر پر — آپ کے معمولات، منظم طرز حیات اور ہدایات وتجربات سب ہی کے لئے بہت مفید اور راحت بخش ہیں اسلئے ان صفحات میں ان کا ذکر کر دینا نفع سے خالی نہیں ہے، بلکہ ان سے حضرت کے ذوق ومزاج کے سمجھنے میں مدد ملیگی اور قارئین کو اپنی زندگی کے لمحات میں انشاء اللہ ان سے بہت فائدہ پہنچے گا۔

آپ ارشاد فرماتے کہ:۔

''جب اپنے گھر سے نکلو تو دو باتوں کو نکال کر نکلو، پھر انشاء اللہ تعالیٰ سفر بہت آرام سے ہو گا اور شکوہ شکایت سے خالی رہے گا۔ ایک تو یہ کہ جب گھر کی چوکھٹ سے باہر آؤ تو اپنا غصہ چھوڑ کر نکلو، اولاً تو غصہ ہونا ہی نہیں چاہئے کہ اس مٹی کے پتلے میں غصہ کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب اپنے گھر سے نکلو تو راحت کا خیال چھوڑ کر نکلو، جب سفر میں غصہ کو اور راحت کے خیال کو چھوڑ کر نکلو گے تو بہت ہی راحت رہے گی''

اور فرماتے کہ:۔

''جب کبھی سفر میں جانا ہو تو اپنی تمام عادتیں اور سہولتیں گھر پر چھوڑ جایا کرو اور یہ سمجھ لیا کرو کہ اب جو کچھ پیش آئے گا وہ خلاف عادت و خلاف طبیعت ہو گا، ایسا سمجھ کر سفر میں چلنے سے بڑی راحت رہتی ہے''

آپ کا معمول تھا کہ نظام سفر طے ہو جانے کے بعد مدرسہ کے جملہ امور کا انتظام اور اسی طرح گھر کی ضروریات کا انتظام فرما دیتے اور جن کے سپرد انتظام کا معاملہ فرماتے ان کو خوب اچھی طرح سب باتیں سمجھا دیتے۔

سفر میں قرآن مجید، مناجات مقبول، لوٹا، مسواک، نماز پڑھنے کے لئے ایک کپڑا، خطوط کی پوٹلی، مٹی کے ڈھیلوں کی تھیلی، پہننے کے ضروری کپڑے حتی کہ سوئی دھاگہ بھی ساتھ رکھتے۔

سامان کی ایک فہرست لکھ لیتے اور جب سامان سواری پر رکھا جاتا یا اتارا جاتا تو فہرست سے اس کو ملوا لیتے تاکہ بھول سے کوئی سامان چھوٹ نہ جائے، گاڑی میں سوار ہو

جانے کے بعد دوبارہ ان کو گنوا کر اطمینان کرتے اور یہ تحقیق فرمالیتے کہ کون کون سے عدد کس کس کی تحویل میں ہیں، ٹکٹ کے بارے میں معلوم کرتے کہ کس کے پاس ہے پھر اس شخص سے دریافت فرماتے کہ کہاں رکھے ہوئے ہو، دیکھو، وہ نکال کر دکھاتا، جب تک پوری تسلی نہ فرمالیتے پوچھتے رہتے اور یہ بھی فرماتے کہ مجھے وہمی مت سمجھنا کہیں یہ سمجھنے لگو کہ بوڑھا ہوکر میں وہمی ہوگیا ہوں، آج کل کے بےفکرے نوجوانوں کے ساتھ سفر کرنے میں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ہر بات کے لئے تسلی کرلی جائے۔

یوں تو ہمیشہ باوضو رہتے مگر سفر میں خصوصیت کے ساتھ باوضو رہنے کا اہتمام فرماتے، اس سے وقت پر نماز پڑھنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔

تمام اسفار میں عموماً اور ہوائی جہاز میں خصوصاً کھانے پینے کی کوئی چیز تناول نہ فرماتے، برطانیہ اور افریقہ وغیرہ کے طویل اور دور دراز سفر ہوتے، مگر ان میں بھی آپ نے راستہ میں کچھ تناول نہیں فرمایا، اس کے متعلق حضرت نے خود بیان فرمایا کہ:-

"لندن وغیرہ جاتے ہوئے ہوائی جہاز میں اٹھارہ گھنٹے کا مسلسل سفر کیا، الحمدللہ نہ میری وضوٹوٹی نہ میں نے کچھ کھایا نہ پیا نہ سویا، حتیٰ کہ ایک پیالی چائے بھی نہیں پی، چونکہ سفر میں میری عادت کچھ کھانے پینے کی نہیں ہے دوسرے ساتھی البتہ کھاتے رہتے ہیں" (حیات مسیح الامتؒ ص ۲۹۱-۲۹۲)

سفر میں نماز کا اسقدر اہتمام فرماتے کہ کبھی نماز تہجد بھی قضا نہیں ہوئی حضرت کے خویش جناب مولانا سید عبدالرحیم صاحب کا بیان ہے کہ میں سفر میں حضرت والا کے ساتھ تھا، بنگلور سے دہلی آخر شب میں آنا ہوا، سفر میں کافی تکان ہوچکا تھا، قیام گاہ پر آکر سب ساتھی لیٹ گئے، مگر حضرت والا باوجود تکان اور رات کو جاگنے کے اپنے وقت پر معمول

کے مطابق تہجد پڑھنے میں مشغول ہو گئے، لیکن ساتھیوں میں سے کسی کو نہیں اٹھایا۔

عادت شریفہ تھی کہ سفر میں کسی قسم کا امتیازی لباس زیب تن نہ فرماتے، جمعہ کے دن لباس تبدیل کرنے کا آپ کا معمول تھا، اگر درمیان میں سفر ہو جاتا تب بھی آئندہ جمعہ کو ہی لباس تبدیل فرماتے۔ سفر کیوجہ سے لباس تبدیل نہ فرماتے کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ایک ہی جوڑا پہنے ہوئے پورا سفر کر لیا اور لباس تبدیل نہیں فرمایا۔ اہل بصیرت اور اصحاب حقیقت کو زیادہ تراش وخراش کی کہاں فرصت؟

سفر میں کوئی کتاب ضرور ساتھ میں رکھتے اور راستہ میں نہایت اطمینان کے ساتھ اس کے مطالعہ میں مصروف رہتے اس میں وقت کی قدر و قیمت کے ساتھ شوق علم کی فراوانی اور شان علمی کی جلوہ گری بھی ہے۔

یہ بھی عادت شریفہ تھی کہ راستہ کے جملہ اخراجات کے لئے اپنے رفیق کے پاس کچھ رقم رکھدیا کرتے تا کہ راستہ میں بار بار لینے دینے کی زحمت نہ ہو اور آسانی کے ساتھ اسی رقم سے اخراجات پورے ہوتے رہیں۔

کار پر سفر ہوتا تو ڈرائیور کے برابر والی سیٹ ہی پر تشریف رکھتے، جبکہ اہل جاہ و مال اس کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں، آپ کی تواضع اور فنائیت کی شان کو یہ گوارہ نہ تھا کہ اہل دنیا کی وضع اختیار فرمائیں۔

رفقائے سفر کے آرام وراحت کا بیحد خیال رکھتے اور ہر ایک کو نام بنام دریافت فرماتے رہتے، اگر دو گاڑیوں میں سفر ہوتا اور حضرت کی گاڑی آگے نکل جاتی تو بار بار دریافت فرماتے کہ دوسری گاڑی کہاں رہ گئی اور اسکے آنے تک اپنی گاڑی رکوادیتے۔

اپنے لئے استقبال یا واپسی کے وقت زیادہ مجمع کے اکٹھا ہونے کو بالکل پسند نہ فرماتے تھے، اگر ضرورت نہ ہوتی تو سفر کا اخفاء ہی فرماتے تاہم اہل تعلق کو کسی طرح اطلاع

ہو ہی جاتی اور وہ پروانہ وار ٹوٹ پڑتے، آپ سب سے مصافحہ فرماتے اور دعائیں دیتے۔

اپنے میزبان کی راحت وسہولت کا بیحد خیال رکھتے، اگر کوئی اور صاحب دعوت کرنا چاہتے تو میزبان کی اجازت کے بعد ہی قبول فرماتے ۔ دوران سفر سالکین و مسترشدین کے خطوط کے جوابات بھی تحریر فرماتے رہتے۔

آپ جس مقام پر تشریف لے جاتے وہاں کے تمام اہل تعلق کی دلداری اور دلجوئی فرماتے، ہر ایک کے گھر تشریف لے جاتے انکی دعوت قبول فرماتے، اور جہاں کچھ بے تکلفی ہو تی وہاں بغیر بلائے بھی تشریف لے جاتے، اگر کھانے پینے کی چیزیں پیش کی جاتیں تو سب کے یہاں ان چیزوں میں سے ذرا سا ضرور چکھ لیتے تا کہ ان کی دلشکنی نہ ہو، اگر مختلف انواع و اقسام کے کھانے ہوتے تو سب میں سے ذرا سا چکھ لیتے۔ ایسے مواقع پر ارشاد فرماتے کہ:

”بھائی جس قسم کا بھی کھانا ہو، سب میں سے تھوڑا تھوڑا چکھ لینا چاہئے، بیچارے میزبان نے پیسہ خرچ کیا ہے اور پکانے والی نے بڑی محنت سے یہ چیز پکائی ہے، جب اس کو اطلاع ہوگی کہ فلاں قسم کے کھانے کو نہیں کھایا تو اس بیچاری کی دلشکنی ہوگی“ (حیات مسیح الامتؒ ص۲۹۸)

کسی مقام پر مسجد یا مدرسہ کے سنگ بنیاد رکھنے کی درخواست کی جاتی تو قبول فرما لیتے، اپنے ہاتھ سے سنگ بنیاد رکھتے اور اپنی طرف سے بھی کچھ معتد بہ رقم چندہ میں عنایت فرما کر اس کار خیر میں تعاون فرماتے۔

دوران سفر بھی اگر کوئی مخلص بیعت کی درخواست کرتا تو اس کو بیعت فرما لیتے اور اگر یہ بیعت ہونے والے کئی افراد ہوتے تو ہر ایک کو الگ الگ ہی بیعت فرماتے، مجتمعاً بیعت نہ کرتے، دوران سفر بیعت فرمانے کا معمول خلق خدا پر غایت شفقت کی بناء پر تھا کہ

ہر شخص کو دور دراز کا فاصلہ طے کر کے جلال آباد پہنچنا تو آسان نہ تھا۔

جس مقام کا سفر ہوتا اگر وہاں کوئی تاریخی چیز یا قابل دید مقام ہوتا تو اس کی سیر کرتے، میسور تشریف لے گئے تو وہاں سلطان ٹیپوؒ کے محلات کے دیکھنے کے لئے گئے، حیدر آباد کا سفر ہوا تو نواب صدر یار جنگ میوزیم کی سیر کی، اور جب مصر کا سفر فرمایا تو جامع ازہر دیکھنے کے لئے خاص طور سے تشریف لے گئے، وہاں کسی ذمہ دار شخصیت نے آپ کو پورا جامع ازہر اپنی رہنمائی میں دکھایا۔ جامع ازہر میں کسی جگہ جب آپ پہنچے اور طلبہ کو معلوم ہوا کہ آپ ایک شیخ ہندی اور مہمان ہیں تو انھوں نے مغربی طریقہ کے مطابق ہتھیلی بجا کر آپ کا استقبال کیا، آپ نے اس موقع پر بھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داری پوری فرمائی اور ان سے فرمایا کہ ”التصفیق للنساء و التکبیر للرجال“ (ہتھیلی بجانا عورتوں کا کام ہے اور مردوں کا کام تکبیر کہنا ہے)۔

ان مقامات کی سیر و دید سے آپ کا مقصود صرف عبرت حاصل کرنا ہوتا، ایک مرتبہ آپ نے حالات سفر بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ:۔

> ”میں بہت کچھ دنیا دیکھے ہوئے ہوں، امریکہ بھی جا چکا ہوں، لندن بھی جا چکا ہوں، افریقہ بھی جا چکا ہوں، اور میں نے ان جگہوں کو کن آنکھوں سے دیکھا؟ کس طرح دیکھا؟ میں کچھ سیر و تفریح کے لئے تو گیا نہیں تھا، ان مقامات کو دیکھا تو عبرت کی نظر سے دیکھا ہے“ (حیات مسیح الامتؒ ص ۳۰۰)

یہ ایک حدیث ہے جو نماز میں امام کی کسی غلطی پر متنبہ کرنے کے سلسلہ میں آئی ہے مگر آپ نے اس کے الفاظ کے عموم سے استدلال فرماتے ہوئے ان کو اس سے منع فرمایا۔ احقر مرتب غفرلہ۔

آپ کا معمول یہ تھا کہ آپ دوران سفر برابر گھر اور مدرسہ کے لوگوں سے رابطہ قائم رکھتے، اپنی خیریت وعافیت سے ان کو مطلع کرتے رہتے اوران کی خیریت وعافیت خود معلوم فرماتے رہتے تاکہ اطلاع احوال سے سب کوتسلی اوراطمینان رہے۔

یہ بھی معمول تھا کہ سفرمیں کبھی بھی مدرسہ کے لئے چندہ کی تحریک نہیں فرمائی نہ تقریراً نہ تحریراً، اگر بلاکسی تحریک کے کسی نے مدرسہ کیلئے کچھ پیش کیا تو اس کو قبول فرمالیا۔ ایک موقع پر خود ارشاد فرمایا کہ:۔

"افریقہ وغیرہ کا سفر ہوا تو ایسا ہوا کہ بلاکسی تحریک کے انھوں نے مدرسہ کے لئے کچھ پیش کیا میں نے لےلیا، میں انکار کیوں کروں؟ جب حق تعالیٰ دلوارہے ہیں تو میں نے لےلیا۔ چنانچہ افریقہ میں ایسی صورت پیش آئی، جہاں جہاں کسی نے دیا تھا سفر سے واپسی کے بعد اس کی رسید کاٹ دی" (حیات مسیح الامتؒ ص۳۰۱)

سفرمیں اور خصوصاً ہوائی جہاز کے سفر اور غیرملکی سفرمیں بہت سے مراحل پر غیر مسلم افسران اور حکام سے واسطہ پڑا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرت کے چہرہ کو ایسی نورانیت عطا فرمائی تھی کہ افسران آپ کو دیکھتے ہی متاثر ہوجاتے اور آپ کے ساتھ اکرام واحترام کا معاملہ کرتے حالانکہ آپ قد وقامت اور جسامت کے لحاظ سے کچھ لحیم وشحیم نہ تھے بلکہ دبلے پتلے اور نازک اندام تھے، سچ ہے ۔

مرد حقانی کی پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

ایک بار حضرت والاؒ برطانیہ میں انجکشن لگوانے کے لئے لائن میں کھڑے ہوئے تھے، ڈاکٹر نے اندر سے آپ کی صورت دیکھی تو فوراً باہر آیا اور عرض کیا کہ آپ دفتر کے اندر آجائیں اور انجکشن لگوالیں ۔ حضرت نے فرمایا کہ جولوگ پہلے سے لائن میں کھڑے

ہوئے ہیں پہلے ان کا حق ہے لہذا پہلے ان کو انجکشن لگائیں جب میرا نمبر آئے گا تب مجھے بھی انجکشن لگا دیا جائے، مگر وہ ڈاکٹر باصرار آپ کو اندر دفتر میں لے گیا، انجکشن لگایا اور بہت محبت واحترام کے ساتھ پیش آیا۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ لندن ہوائی اڈہ پر پہنچے تو نماز کا وقت ہو گیا، آپ نے تمام حاضرین کے ساتھ ہوائی اڈہ پر ہی نماز باجماعت ادا فرمائی، اتنی تعداد میں نمازیوں کو دیکھ کر وہاں عیسائی اور یہودی لوگ پاس آ کر کھڑے ہو گئے اور غور سے دیکھنے لگے، پھر کہنے لگے یہ شخص تو ہم جیسا کوئی انسان نہیں ہے، یہ تو کوئی اور قسم کا انسان ہے، اس کے اندر سے تو ہم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بو آتی ہے۔ کاش انہیں معلوم ہوتا کہ وہ عیسیٰ مسیح علیہ السلام نبی اللہ تھے اور یہ مسیح ولی اللہ ہیں، انوار ولایت انوار نبوت ہی کے پرتو ہوا کرتے ہیں، انھوں نے جو کچھ محسوس کیا صحیح محسوس کیا۔

ایک خاص بات ہمارے حضرتؒ کے اندر یہ تھی کہ آپکے معمولات زندگی سفر اور حضر دونوں میں یکساں رہتے تھے، ان میں کچھ خاص فرق نہ آتا، ایک موقع پر فرمایا کہ:۔

> ”ایک مرتبہ میں لندن وغیرہ کے سفر میں تھا، دوران سفر ایک شہر میں پہنچا، میری عادت جیسے حضر میں ہے ویسے ہی سفر میں ہے، جب راستہ میں تکان ہو جاتا ہے تو خیال کیا جاتا ہے کہ چلو تھوڑی دیر لیٹ لو، مگر بفضلہٖ تعالیٰ کبھی ایسا نہیں ہوا، اگر سفر سے واپس گھر پر آیا تب بھی ایسا نہیں ہوا اور گھر سے باہر گیا تب بھی ایسا نہیں ہوا، بس جو وقت کھانے کا ہے وہ مقرر ہے اور جو وقت سونے کا ہے وہ بھی وقت پر ہے، بعض کو عادت ہوتی ہے کہ تھک گئے تو لیٹ لو، راستہ میں بدن پر کچھ گرد و غبار ہو گیا لاؤ نہا لو، یہ کچھ نہیں ہوا،

جب میں وہاں شہر میں دو پہر کو پہنچا تو کچھ حضرات جمع ہو گئے باتیں شروع ہو گئیں تو ایک صاحب نے کہا کہ کچھ دیر آرام فرما لیجئے، میں نے کہا کہ نہیں، میری طبیعت ایسی نہیں ہے تو وہ فرمانے لگے کہ کافی سفر کیا ہے، مناسب ہے کہ آرام فرما لیا جائے تو میں نے کہا کہ میرا سفر میں کچھ اور مذہب ہے، جب انھوں نے یہ سنا کہ میرا تو کچھ اور مذہب ہے تو وہ کہنے لگے کہ حضرت، مذہب تو سب کا ایک ہی ہے، میں نے کہا کہ وہ سفر کا مذہب مراد ہے، اس پر وہ کہنے لگے کہ وہ سفر کا مذہب کیا ہے ہمیں بھی معلوم ہو جائے؟ میں نے کہا کہ میرا مذہب سفر میں یہ ہے کہ جب گھر سے باہر قدم نکالا جائے تو غصہ کو اور راحت کے خیال کو ترک کر کے نکالا جائے" (مجلس ۲۵ر رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ حیات مسیح الامتؒ ص ۳۰۳-۳۰۴)

جس کا سفر اللہ تعالیٰ کی رضا کے واسطے، اس کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے، اللہ کے رسول کے سنن و اخلاق کو پھیلانے کے لئے اور مخلوق خدا کی نفع رسانی کے جذبہ سے سرشار ہو کر ہوا ہو وہ مدت سفر کے ایک ایک لمحہ کو قیمتی جانے گا اور اس کا ایک ایک لحظہ پوری دلسوزی اور لگن کے ساتھ اس اعلیٰ مقصد کی تحصیل کی خاطر صرف ہوگا، اس کو کب تعب و تکان کا احساس اور آرام و راحت کا خیال ہوگا؟ علمائے حق اور مشائخ ربانیین کو کام کی لگن، مقصد کا دھن اور شفقت علی الخلق، انبیاء کرام کی وراثت میں عطاء ہوتی ہے۔

باب ۷

اخلاق وعادات

اخلاق وعادات

اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کے اخلاق کریمانہ اور انداز مربیانہ کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:۔

ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولك فاعف عنهم واستغفرلهم۔ (سورہ آل عمران:۱۵۹)	اور اگر آپ تند خو، سخت مزاج ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے سو آپ ان کو معاف کر دیجئے اور ان کے لئے استغفار کیجئے۔

مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس آیت کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

''یہ نرم خوئی، خوش اخلاقی، عفو و درگذر اور لطف و مہربانی کی صفات اگر آپ کے اندر نہ ہوتیں تو اصلاح خلائق کا جو کام آپ کے سپرد ہے وہ حسب منشاء انجام نہ پاتا، لوگ آپ کے ذریعہ اپنی اصلاح اور تزکیہ اخلاق کا فائدہ حاصل کرنے کے بجائے آپ سے بھاگ جاتے۔ اور اس سب مجموعہ سے ایک اور اہم فائدہ یہ حاصل ہوا کہ ارشاد و اصلاح اور تبلیغ کے آداب اس سے معلوم ہو گئے کہ جو شخص رشد و ہدایت اور دعوت الی اللہ اور اصلاح خلق کے کام کا ارادہ کرے اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ صفات اپنے اندر پیدا کرے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کے محبوب و رسول کی سختی برداشت نہیں ہو سکتی تو پھر

کس کی مجال ہے کہ وہ تشدد اور کج خلقی کے ساتھ خلق اللہ کو اپنے گرد جمع کر سکے اور ان کی اصلاح کا فرض انجام دے سکے، اس آیت میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر آپ تند خو، سخت طبیعت ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرشد و مبلغ کے لئے تند خوئی، سخت کلامی زہر اور اسکے کام کو ضائع کرنے والی چیز ہے" (معارف القرآن ج ۲ ص ۲۱۶۔۲۱۷)

اس سے معلوم ہوا کہ استاذ و مربی اور مصلح و مرشد کے اندر شفقت و رحمت، نرم مزاجی، لطف و مہربانی خوش اخلاقی اور عفو و درگذر کی صفات کا ہونا ازبس ضروری ہے، جس کے اندر یہ صفات جس قدر ہوں گی وہ اتنا ہی مرشدِ کامل و اکمل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہ ہوگا اور کار تزکیہ و اصلاح میں کامیاب و کامران۔

خوش اخلاقی و نرم خوئی ہمارے حضرت مسیح الامتؒ کو حق تعالیٰ نے نرم خوئی اور شفقت و مہربانی کی صفات فطری طور پر ودیعت فرمائی تھی، غلظت و شدت اور تند خوئی کا تو آپ کے یہاں گذر ہی نہ تھا، اور یہ بات آپ کے اندر شروع ہی سے تھی چنانچہ بعض حضرات نے ایک مرتبہ حضرت تھانویؒ سے عرض کیا کہ مولانا مسیح اللہ صاحبؒ کا طریق تو بہت ہی نرم ہے اور مولانا عیسیٰ صاحبؒ (الہ آبادی) کا طریق گرم ہے تو حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ "ارے بھائی کوئی گرم ہے کوئی نرم ہے، کسی کا مزاج گرمی سے ٹھیک ہوتا ہے اور کسی کا مزاج نرمی سے" مگر باوجود طبعاً نرم مزاج ہونے کے باب اصلاح میں مداہنت گوارا نہ فرماتے تھے اور موقع محل کے لحاظ سے تنبیہ اور روک ٹوک کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ لیکن اسمیں انداز وہی تلطف اور مہربانی کا ہوتا۔ ایک دفعہ ایک خانصاحب حاضر خدمت ہوئے جوشنا سا تھے، ان کا پائجامہ ٹخنوں سے نیچا تھا، حضرت نے فرمایا کہ "خانصاحب، اس

طرح تو یہ بیچارہ پائجامہ خراب ہوجائے گا، پھٹ جائے گا اور پھر زنانہ بھی ہوجائے گا تو اس میں دین کا بھی نقصان ہے اور دنیا کا بھی نقصان ہے، لہٰذا اس کو اوپر رکھنا چاہئے" ایک نوجوان ملاقات وزیارت کے لئے آئے حسب عادت ان کو نصیحت فرمائی کہ "زبان، آنکھ، کان کی حفاظت کی جائے، بس یہی تو تین چیزیں ہیں حفاظت کی"۔

ایک بوڑھے شخص نے عین مصروفیت کی حالت میں آکر عرض کیا کہ حضرت میری کمر میں درد ہورہا ہے دم کردیجئے، حضرت نے سب کام چھوڑ کر ان کی کمر پر دم فرمایا۔ ایک صاحب دوران مجلس آئے اور دو بوتلیں ہاتھ میں لیکر کھڑے ہوگئے، حضرت والاؒ نے دیکھ کر فرمایا آپ کیسے کھڑے ہیں، بیٹھ جایئے، انھوں نے کھڑے کھڑے ہی دونوں بوتلیں دم کرنے کے لئے دیدیں اور دعا کی درخواست کی، حضرتؒ نے مجلس میں سلسلہ کلام روک کر ان کی بوتلیں دم کیں اور دعا بھی فرمادی ــــ غریب، ناخواندہ، دیہاتی لوگ ملاقات کیلئے آتے تو غایت ادب اور تعظیم کی وجہ سے ڈرے سہمے ہوئے رہتے، ان سے ملاقات کے وقت حضرت حد درجہ شفقت اور نرمی فرماتے تا کہ وہ اپنی بات پوری کہہ سکیں، ان لوگوں کی ہر قسم کی الٹی سیدھی باتیں سنتے، اور نہایت دلسوزی اور دلجوئی کے ساتھ ان کو سمجھا بجھا کر ان کی تسلی کا سامان فراہم کردیتے۔ ایک دفعہ اسی طرح کا ایک نوجوان آیا اور خوف و جھجک کی وجہ سے ذرا فاصلہ پر کھڑا ہوگیا، حضرت نے مسکرا کر بہت ہی محبت آمیز لہجہ میں فرمایا:۔

"آیئے آیئے، آپ دور کیوں کھڑے ہوگئے، آیئے ملاقات کر لیجئے، میرا تو مذہب یہ ہے کہ ہر مسلمان کا گھر اپنا گھر ہے، بشرطیکہ وہ دوسرا مسلمان دیانتدار ہو، ایسا نہ ہو جیسا کہ آج کل ہورہا ہے، دیا کرایہ پر اور قبضہ کرلیا"

برآمدہ میں مجلس ہورہی تھی، اسی درمیان ایک بھنگی آیا اور اس نے کہا مجھے آپ

سے تنہائی میں کچھ بات کرنی ہے، حضرت نے اس کی یہ بات سن کر مجلس سے اٹھنا چاہا۔ بھائی جان (حضرت کے صاحبزادۂ محترم) نے عرض کیا کہ یہ تو بھنگی یہیں رہتا ہے مجلس کے بعد بات کرلے گا، اس پر حضرت نے فرمایا:۔

"اچھا بھائی تھوڑی دیر میں بات پوری کر کے آپ کی بات سن لوں گا، یہ سن کر وہ بھنگی شاید صدر دروازہ تک ہی گیا ہوگا کہ چند منٹ میں پھر واپس آکر مجلس ہی میں وہی بات کہی کہ مجھے آپ سے تنہائی میں کچھ بات کرنی ہے۔ حضرت یہ سن کر فوراً اٹھے اور اس کے پاس جا کر اس کی بات سنی — اس کی تنہائی والی بات یہ تھی کہ میں قصبہ کی میونسپل کمیٹی میں ملازمت چاہتا ہوں حضرت سفارشی خط لکھ دیں — حضرت نے فرمایا، بھائی سفارش کی میری عادت بھی نہیں ہے اور ان سے میرا تعلق بھی نہیں ہے، بس میں دعا کرتا ہوں خدا کرے تمہارا کام ہو جائے"

ظاہر ہے کہ یہ بات وہ بھنگی سب کے سامنے بھی کہہ سکتا تھا اور اگر اس میں کچھ خلاف مصلحت تھا تو کچھ اتنی جلدی نہ تھی کہ فوراً مجلس بند کر کے کہنا ضروری ہو، مگر حضرتؒ نے اس کو یہ سب کچھ تنبیہ نہ فرمائی اور اسکے ساتھ اس کے عقل اور فہم کے مطابق معاملہ فرمایا، آپ کا طرز عمل اس شعر کا مصداق تھا۔

عنایت سب پہ ہوتی ہے وہ اپنا ہو کہ بیگانہ
رعایت سب کی ہوتی ہے وہ شہری ہو کہ دہقانی

عفو و درگذر آپ کے عفو و درگذر کا یہ حال تھا کہ ایک شخص ہمیشہ آپ کو طرح طرح سے ایذائیں پہنچاتا رہا اور بار بار معافی بھی مانگتا رہا، وہ جب بھی معافی کا طلبگار ہو کر حاضر

خدمت ہوتا آپ اس کو معاف فرمادیتے، اہل تعلق جاننے والوں کو تعجب ہوتا اور جھنجھلاہٹ بھی کہ آخر نکال کیوں نہیں دیتے اور معاف کیوں فرمادیتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور شخص نے اتنی زیادہ مخالفت کی کہ مدرسہ کے خلاف عدالت میں مقدمہ بھی کر دیا، لیکن بعد میں وہی شخص حاضر ہو کر معافی کا خواستگار ہوا تو آپ نے خود بھی اس کو معاف فرمادیا اور اہل مدرسہ سے بھی معاف کر دینے کی سفارش فرمائی۔ اسی طرح ایک اور شخص نے جو مدرسہ کا ملازم تھا مدرسہ سے علحدہ ہو کر سخت مخالفت کی اور لوگوں کے سامنے غلط بیانیاں کیں مگر اس سب کے باوجود وہی شخص معافی کے طلبگار ہوئے تو آپ نے معاف فرمادیا بلکہ اس کے بعد برابر ان کے ساتھ حسن سلوک بھی فرماتے رہے۔

الغرض لوگوں سے آپ کو ایذائیں پہنچتیں اور آپ اس کے جواب میں انتقام تو کیا لیتے کہ یہ آپ کا مزاج ہی نہ تھا بلکہ ان ایذاء رسانیوں اور تکلیف دہی کے صلہ میں درگاہ مسیح اللہی سے ان کو درگذر، معافی اور حسن سلوک کا تحفہ ملتا، حضرت کی زندگی کی پوری مدت اس آیت شریفہ کی آئینہ دار تھی:۔

”ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم“ (سورۂ نور:۲۲)	اور ان کو چاہئے کہ معاف کردیں اور درگذر کریں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کردے۔

یوں تو مخالفین اور موذیوں کو معاف کر دینا بظاہر بہت آسان معلوم ہوتا ہے مگر جب سابقہ معاملہ سے پڑتا ہے تو اس وقت پتہ چلتا ہے کہ یہ بہت دل گردہ کا کام ہے اور اکابر اہل اللہ اور سچے متبعین سنت ہی کا یہ ظرف اور حوصلہ ہے کہ وہ عفو و درگذر کی مثال عملاً کر

دکھائیں اور کہیں کہ ؎

اس نفع وضرر کی دنیا میں یہ ہم نے لیا ہے درس جنوں
اپنا تو زیاں تسلیم مگر اوروں کا زیاں منظور نہیں

سخاوت وفیاضی سخاوت اور فیاضی کی صفت سے متصف ہونے کے لئے کچھ غناء اور مالداری لازم نہیں ہے، رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے واقعات اس پر شاہد ہیں کہ ان کے پاس متاع دنیا میں سے جب قوت لایموت کی مقدار ہوتی تب بھی ان کی دریادلی میں فرق نہ آتا اور جب قیصر وکسریٰ کے خزانے ان کے قدموں تلے آگئے جب بھی ان کے بحر سخاوت کی فیاضیاں تھمنے کا نام نہ لیتیں۔ البتہ دونوں حالتوں میں فیضیاب ہونے والوں کی تعداد اور سامان فیاضی کی مقدار کا فرق قدرتی اور لازمی چیز ہے۔ ہمارے حضرتؒ کا معاملہ اس باب میں بھی کچھ بالکل اسی طرح رہا، کتنے حاجتمند تھے کہ جن کی ماہانہ یا ہفتہ واری امداد مقرر تھی وہ آتے اور بیدریغ لے جاتے اور بہت سے اہل حاجت اور ضرورتمند ایسے تھے کہ حضرت والاؒ ان کو خود پہنچایا کرتے۔ اس کے علاوہ کوئی بچی کی شادی کے لئے امداد کا طالب ہوتا اور کوئی دوا علاج اور ادائے قرض کے لئے، آپ ہر ایک کی امداد فرماتے بعض لوگ برکت کے لئے روپیہ مانگتے آپ فرماتے کہ بھائی برکت کو تم جانو میں تو محبت سے دے رہا ہوں لے جاؤ۔ بعض دفعہ تو ایسا ہوتا کہ ایک نے مانگا اور پھر مانگنے والوں کی قطار لگ گئی اور آپ نے کسی کو بھی خالی ہاتھ واپس نہ فرمایا۔

اپنے اساتذۂ کرام کی اولاد کا بہت پاس ولحاظ اور خیال فرماتے اور برابر ان کا تعاون فرماتے رہتے اور ان کو ہدایا پیش فرماتے رہتے، کئی حضرات کو منی آرڈر سے رقم ارسال فرماتے، ضرورتمند طلبہ کی امداد بہت خاموشی کے ساتھ ہمیشہ فرماتے رہتے۔ کسی مدرسہ کے جلسہ میں یا مسجد کے سنگ بنیاد کے سلسلہ میں تشریف لے جاتے تو معتد بہ رقم

سے تعاون فرماتے، ایک دفعہ برطانیہ میں آپ نے ایک مسجد اور مدرسہ کی بنیاد رکھی تو آپ نے سب سے پہلے ایک خاص رقم تعمیر کے لئے عنایت فرمائی، یہ دیکھ کر دوسرے حضرات نے بھی اسی وقت تعاون کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے کافی رقم جمع ہوگئی۔

معمول تھا کہ جاڑوں میں غرباء، مساکین اور مستحقین کو لحاف تقسیم فرماتے، ابتداءً تو لحاف بنوا کر تقسیم فرماتے تھے اخیر میں ایک لحاف دو کلو روئی اور اسکی دھنائی کے پیسے عنایت فرمانے کا معمول ہو گیا تھا، بعض گھروں میں تو خود لحاف پہنچاتے اور اکثر لوگ آکر لے جاتے ان آنے والوں میں بعض بہت بے ڈھنگے پن کی حرکتیں کرتے آپ ان کے اس بے ڈھنگے پن کو بخوشی برداشت فرماتے اور انہیں کچھ بھی نہ کہتے۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ ایک بوڑھے شخص لحاف لینے کے لئے آئے، حضرت کے خادم نے ان کو ایک لحاف دیدیا، انھوں نے کہا کہ یہ لحاف تو ٹھیک نہیں ہے دوسرا دیدو، اس پر حضرت نے یہ نہیں فرمایا کہ کیا خرابی ہے؟ بلکہ فرمایا کہ دوسرا دیدو، چنانچہ اس کو بدل کر دوسرا لحاف دیدیا گیا اس پر بھی اس شخص نے کہا کہ یہ بھی ٹھیک نہیں ہے تو حضرت والاؒ خود اپنی جگہ سے اٹھے اور ان کو کمرہ میں لیگئے جہاں لحاف رکھے ہوئے تھے کہ جو پسند آئے لے لو، جب انھوں نے دیکھا کہ سب ایک ہی طرح کے ہیں تو کہنے لگے اجی حضرت، مجھے تو آپ ہی اپنے ہاتھ سے دیدیں، حضرت نے اپنے ہاتھ سے ایک لحاف اٹھا کر دیدیا اور وہ لیکر چلے گئے، مگر اس کے باوجود حضرت نے ان کو کچھ بھی نہ کہا۔ یہ کوئی ایک ہی واقعہ نہیں ہے بلکہ اس طرح کے بے ڈھنگے لوگ آتے رہتے تھے، اور حضرت ان سب کی دلجوئی اور دلداری فرماتے رہتے بلکہ ان کے شکر گذار بھی ہوتے۔

تواضع اور فروتنی گذشتہ واقعات سے آپ کے عجز وانکسار اور تواضع وفروتنی کا حال بھی عیاں ہے، فرمایا کرتے کہ:۔

''دوسرا شخص دینی یا دنیوی حیثیت سے خواہ کتنے ہی کم درجہ کا ہو کبھی بھی اس پر حقارت کی نظر نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ خواہ کتنے ہی دینی یا دنیوی اعتبار سے کمالات سے نوازیں کبھی اپنے پر نظر نہ ہو، سب اس کا فضل وانعام ہے'' (حیات مسیح الامتؒ ص ۱۴۰)

آپ کا فعل وعمل اور حال آپ کے اس قول کے عین مطابق تھا، مرتب ''حیات مسیح الامتؒ'' نے اپنا چشم دید واقعہ لکھا ہے کہ:۔

''ایک بار حاضر ہوا تو دیکھا کہ ایک دیہاتی ان پڑھ غریب آدمی میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے حضرت والاؒ کے پاس قالین پر آپ کے تکیے سے ٹیک لگائے نہایت اطمینان کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے، حضرت والاؒ خطوط کے جوابات تحریر فرما رہے ہیں، حاضرین مجلس کو اس کی یہ حرکت ناگوار گذر رہی تھی مگر حضرت کے سامنے کسی کو کچھ بولنے کی جرأت نہیں ہو رہی تھی اور حضرت نے اس کو کچھ نہیں فرمایا کہ یہاں کیوں بیٹھ گئے؟ جہاں سب لوگ بیٹھے ہیں وہاں بیٹھ جاؤ، حضرت جب ایک خط کے جواب سے فارغ ہوئے تو حسب معمول اس سے دریافت فرمایا کہ کیسے آنا ہوا؟ اس نے اپنی بات عرض کی، آپ نے توجہ سے اس کی بات سنی پھر دعائیں دیں اور مصافحہ کر کے رخصت فرمایا''

مرتب ''حیات مسیح الامتؒ'' مفتی رشید احمد صاحب ہی راوی ہیں کہ ان کی طالب علمی کے دور میں کسی نے حضرت سے یہ کہدیا کہ بھائی جان (حضرت کے صاحبزادہ) نے رشید احمد سے ـــــ جو کہ اس وقت مدرسہ کے طالب علم تھے ـــــ کچھ کہدیا

ہے اور اس سے لڑائی کی ہے، دوپہر کے وقت گرمی کے موسم میں اندر لیٹا ہوا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ حضرت والاؒ تشریف فرما ہیں، حالانکہ میرا قیام جس مسجد میں تھا وہ حضرت کے مکان سے کافی فاصلہ پر ہے، حضرت نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بھائی جان نے تم سے جھگڑا کیا ہے، میں اس کی تم سے معافی مانگنے کیلئے آیا ہوں، بندہ نے عرض کیا کہ حضرت ہماری تو ایسی کوئی لڑائی نہیں ہوئی، شاید کسی نے غلط نقل کردیا ہے، ہم تو ساتھی ساتھی ہیں اس طرح کچھ باتیں ہو ہی جاتی ہیں، ہماری ایسی کوئی لڑائی نہیں ہوئی، مگر اس کے باوجود بھی حضرت والاؒ بار بار معاف کرنے کے لئے فرماتے رہے۔

غایت تواضع ہی کی بات ہے کہ آپ کسی کو کوئی کام کرنے کے لئے حکم نہیں فرماتے تھے اور لہجہ تحکمانہ نہیں ہوتا تھا مثلاً یوں نہ کہتے کہ پانی لاؤ، بلکہ اس طرح فرماتے کہ مجھے پیاس لگ رہی ہے، بجلی چلی جاتی تو یہ نہ فرماتے کہ جنریٹر چلادو بلکہ یہ فرماتے کہ مشین چلنی چاہئے، اگر چند حضرات بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کو پیشاب کا تقاضا ہوتا تو فرماتے کہ اجازت ہو تو پیشاب کرآؤں۔ باوجود اس کے کہ حاضرین میں سے اکثر بلکہ بسا اوقات سب کے سب آپ کے تلامذہ یا مسترشدین ہوتے پھر بھی آپ کا یہ انکسار پتہ دیتا ہے کہ آپ کے رگ وریشہ میں تواضع اور فنائیت پیوست ہوگئی تھی۔

اظہار حق موقع پر حق بات کہہ دینا اور اس کا اظہار اور اعلان کردینا ہر زمانہ میں مشکل رہا ہے کیونکہ عام طور سے لوگوں پر مصالح کا غلبہ اور تسلط رہتا ہے اور خصوصاً اس زمانہ میں تو یہ صفت عنقاء اور یہ لفظ لغت کی زینت بن کر رہ گیا ہے، بڑے بڑے لوگ حق کے اظہار سے کتراتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ امر بالمعروف تو کسی نہ کسی درجہ میں باقی بھی ہے مگر نہی عن المنکر کا سلسلہ تو بس خال ہی خال ہے اور اگر موقع کسی بڑی جگہ یا کسی بڑی شخصیت کا ہو تو

پھر سب کچھ مصالح کی خاک کی تہ میں دفن ہو کر رہ جاتا ہے، حالانکہ امر بالعروف اور نہی عن المنکر دونوں ہی اپنی اپنی شرائط کے لحاظ کے ساتھ ایک اسلامی فریضہ اور امت اسلامیہ کی اہم ذمہ داری ہے، ہمارے حضرت مسیح الامتؒ اس سلسلہ میں بالکل اپنے شیخ و مرشد حضرت تھانویؒ کے نقش قدم پر تھے، فرماتے کہ:۔

> ”بڑے بڑے مشائخ کو دیکھا، بڑے بڑے علماء کو دیکھا مگر حق بات کہنے میں کبھی لچا نہیں، جس کو حق سمجھا وہی کہا“ (حیات مسیح الامتؒ ص۱۳۰)

ایک مرتبہ آپ ایک مجلس میں شریک تھے، اس میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا سید عبد اللطیف صاحبؒ ناظم مظاہر علوم سہارنپور بھی شریک تھے، دوران تقریر ایک مقرر صاحب نے جوش بیان میں یہ کہہ دیا کہ ”ایسے مسلمانوں سے تو کافر اچھے ہیں“ ان کی تقریر ہونے کے بعد جلسہ ہی میں حضرت نے بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ”بھائیو! مولانا کا عنوان ذرہ تیز ہو گیا ہے، ان کا اصل مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایسا نہیں ہونا چاہئے، آپ کے اس فوری اظہار حق اور اصلاح پر حضرت مولانا عبد اللطیفؒ صاحب نے آپ کی پیٹھ تھپتھپائی اور شاباشی دی اور حضرت مدنیؒ نے مسکراتے ہوئے اظہار مسرت فرمایا، حضرتؒ اس وقت جوان تھے اور یہ دونوں حضرات حضرت کے اکابر میں تھے۔

آپ کے سفر مصر کا واقعہ کہیں گذشتہ سطور میں گزر چکا ہے کہ جب آپ جامع ازہر دیکھنے تشریف لے گئے تو وہاں کے کسی ذمہ دار نے آپ کو جامع ازہر کی سیر کرائی اور پھر ایک درجہ میں بھی لے گئے تو طلبہ کھڑے ہو گئے اور رواج عام کے مطابق اظہار مسرت کے لئے تالیاں بجائیں، آپ نے فوراً ارشاد فرمایا کہ ”التصفیق للنساء والتکبیر للرجال“ یعنی تالیاں بجانا عورتوں کا شیوہ ہے اور مرد تو تکبیر کہا کرتے ہیں، چنانچہ ان

مصری عالم نے جو ساتھ میں تھے حضرت والاؒ کی تائید فرماتے ہوئے طلبہ کو بتایا کہ شیخ ہندی یہ فرمارہے ہیں، طلبہ نے حضرت کی اس اصلاح کو فوراً قبول اور تسلیم کرلیا اور پھر نعرۂ تکبیر بلند کر کے اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

جب شوریٰ کی شرعی حیثیت کے سلسلہ میں ایک ہنگامہ برپا ہوا اور علماء کی آراء میں نامناسب اختلاف کا رنگ پیدا ہوگیا تو اس وقت آپ نے ایک رسالہ تالیف فرماکر حق کو واضح فرمادیا اور کسی لومۃ لائم کی ہرگز پرواہ نہ کی۔ اسی طرح امارت شرعیہ بہار کی طرف سے فقہ کی تدوین جدید کا مسئلہ سامنے آیا اور اس کے متعلق آپ سے بھی استفسار کیا گیا تو آپ نے جو کچھ حق سمجھا بلاکسی تردد کے تحریری شکل میں پیش فرمادیا اور اہل بصیرت واہل حق علماء کے لئے راہ عمل متعین فرمادیا، انشاء اللہ تعالیٰ ان دونوں مسئلوں پر تفصیلی بحث آئندہ صفحات میں آئیگی۔

چھوٹوں کی حوصلہ افزائی حضرت کے تلامذہ، شاگرد اور اہل تعلق جب کوئی علمی اور دینی خدمت انجام دیتے اور حضرت کو معلوم ہوتا تو اس پر بیحد خوشی کا اظہار فرماتے اور حوصلہ افزائی کے کلمات فرماتے، مثلاً اگر کوئی صاحب کوئی مضمون یا رسالہ وغیرہ لکھ کر سناتے تو فرماتے ماشاء اللہ، جزاک اللہ خوب لکھا ہے۔ ماشاء اللہ ترتیب بہت اچھی ہے، الفاظ زور دار ہیں، کسی سالک کا اچھا حال معلوم ہوتا تو ان کی ہمت افزائی کرتے، ارشاد فرماتے ''اللھم زد فزد'' جی خوش ہوا، دل مسرور ہوا، مبارک ہو ــــ راقم الحروف نے ''حضرت حکیم الامتؒ'' کے نام سے ایک مختصر رسالہ حضرت تھانویؒ کے حالات پر لکھا، طبع ہونے کے بعد بذریعہ ڈاک الہ آباد سے حضرتؒ کی خدمت میں بھیجا اس کے معاً بعد ہی خط بھی ارسال کیا تو حضرت نے مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے حوصلہ افزائی کے یہ الفاظ جواب میں تحریر فرمائے:۔

''رسالہ پہنچا، بعض طلبائے افریقہ وغیرہ بعد چھٹی دوپہر کو آیا کرتے ہیں، ان کو کہیں کہیں سے سنایا، تحریر کا انداز خوب ہے، خدا کرے کہ استفاضہ اصحاب مطالعہ کو خوب ہو، اللہ تعالیٰ برکات سے نوازیں۔

والسلام''

بچوں کو سبق یاد کرنے، کتاب ختم کرنے یا حفظ پورا کرنے پر انعام دیتے اور ان کی ہمت افزائی فرماتے۔ آپ کے اسی طرز تربیت کی یہ تاثیر تھی کہ افریقہ وغیرہ غیر ممالک کے طلبہ جو دوسرے بڑے مدارس میں نہ ٹھہر پاتے وہ آپ کے زیر تربیت ''مدرسہ مفتاح العلوم'' میں سالہا سال قیام کرتے اور یہاں سے فارغ التحصیل ہو کر واپس وطن کو جاتے بلکہ بعض حضرات تو اجازت بیعت اور خلعت خلافت سے بھی سرفراز ہوئے جو اپنے اپنے مقام پر دین کی خدمت میں مشغول ہیں۔

استقلال اور بلند ہمتی حکیم الامت حضرت تھانویؒ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ''سستی کا علاج چستی ہے'' ہمارا بہت سا کام سستی کے عذر نامعقول کی وجہ سے خراب ہو جاتا ہے، حضرت تھانویؒ کے ارشاد کا مطلب یہی ہے کہ سستی نہ کوئی مرض ہے اور نہ کوئی عذر معقول، اس کا علاج بس یہ ہے کہ ذرہ سی ہمت کی جائے اور سستی کی چادر کو اٹھا پھینکے اور تھوڑی دیر کے لئے بہ تکلف ہی سہی چستی دکھائے، بس پھر کام چل نکلے گا اور رکاوٹیں دور ہوتی چلی جائیں گی، چنانچہ ہمارے حضرت مسیح الامتؒ باوجود لاغر اور نازک اندام ہونے اور باوجود اس کے کہ پیرانی سالی کیوجہ سے ضعف بھی بہت ہو گیا تھا مستقل طور پر اپنے کام اور معمول کی انجام دہی میں مشغول رہا کرتے، تہجد کے وقت جو اٹھتے تو پھر عشاء کے بعد ہی آرام کی نوبت آتی۔ سستی یا تساہلی کیوجہ سے کبھی بھی کوئی کام نہ تو چھوڑتے اور نہ دوسرے وقت کے لئے ٹالتے، ایک دفعہ ایک صاحب نے پوچھا کہ حضرت طبیعت کیسی

ہے؟ تو فرمایا کہ:۔

"الحمد للہ ٹھیک ہوں، اچھا ہوں، تم جوانوں سے اچھا ہوں، تساہل نہیں ہے، الحمد للہ ثم الحمد للہ، پھر فرمایا کہ مولوی اور سستی!؟ تعجب ہے" (حیات مسیح الامتؒ ص ۲۱۱)

ایک بار ارشاد فرمایا:۔

"اب تو بڑھاپا آ گیا ہے، اعصاب کمزور ہو گئے ہیں، اسلئے ذرہ مشکل ہو گئی ہے، ورنہ ہمیشہ کام میں نے اپنے ہاتھ سے کیا ہے، جنھوں نے میری جوانی کا پہلا زمانہ دیکھا ہو گا وہ جانتے ہیں میرے اندر کیسی چستی تھی؟ تعمیر کا کام مدرسہ میں ہوتا تھا اس وقت ٹوکرے میں اینٹیں بھر کر اوپر چھت پر راجوں کو پہنچاتا تھا بعض مرتبہ نیچے سے اوپر کو اینٹیں پھینکی ہیں جس طرح مزدور پھینکتے ہیں" (حیات مسیح الامتؒ ص ۲۱۱)

سبحان اللہ ! یہ ہے اخلاص، لگن، دھن اور اتباع سنت، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تو مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت اینٹیں ڈھوئی ہیں اور غزوۂ خندق کے موقع پر کھدائی فرمائی ہے بھلا متبعین سنت وارثان نبوت سے کوئی سنت ادا ہونے سے کیوں رہ جائے؟۔

خلق خدا پر شفقت و مہربانی اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر شفقت و مہربانی اور اسکے ساتھ حسن سلوک بہت محبوب اور پسند ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ" مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے عیال کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرے۔ (مشکوۃ شریف ص ۴۲۵) حضرت مسیح الامتؒ کا حال اس سلسلہ میں بالکل اس

شعر کا مصداق تھا کہ ۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ   سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

ایک بار آپ گھر کے اندر سے باہر تشریف لائے، اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے اپنی کوئی تکلیف بیان کر کے دعا کی درخواست کی حضرت نے اس کے لئے دعا فرمائی اور تسلی دی۔ اس کے چلے جانے کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس کی تکلیف سن کر خود میرے درد شروع ہو گیا۔

ایک دفعہ آپ تانگے پر بیٹھ کر کہیں جا رہے تھے، تانگے والا گھوڑے کو مار رہا تھا، حضرت نے اس کو منع فرمایا کہ اس طرح بے جا مت مارو، مگر تانگے والا مارنے سے باز نہ آیا تو آپ نے تانگہ رکوایا اور اتر گئے اور پورا کرایہ اس کو ادا فرما دیا، آپ کو جہاں جانا تھا وہ جگہ وہاں سے سات میل دور تھی اور زمانہ بھی سخت گرمی کا تھا، دوسری سواری نہ ہونے کیوجہ سے آپ وہاں تک پیدل تشریف لیگئے مگر گھوڑے کی پٹائی کی تکلیف نہ برداشت کر سکے۔

ایک روز نماز پڑھ کر مسجد سے گھر تشریف لا رہے تھے، جس راستہ سے آرہے تھے اچانک اس کو بدل کر ذرہ گھوم کر آنے لگے دوسرے لوگ جو ساتھ تھے انھوں نے بھی راستہ بدل دیا، پھر آگے بڑھ کر آپ کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا کہ جانتے ہو، میں نے ایسا کیوں کیا؟ سامنے ہی نالی میں سے مرغی پانی پی رہی تھی، مجھے خیال ہوا کہ اگر ادھر سے جانا ہوگا تو اس کے پانی پینے میں خلل ہوگا اور بیچاری پانی پینا بند کر دے گی اسلئے میں نے راستہ بدل دیا۔ اسی طرح ایک دفعہ آپ کے بستر پر بلی سوگئی تو آپ نے اس بستر پر اسلئے نہ استراحت فرمائی کہ اس کی نیند میں خلل آجائے گا۔

اپنے اہل تعلق اور متوسلین کو ہمیشہ اس امر کی تاکید فرماتے کہ تمہارے کسی قول، فعل، طرز کلام یا طرز عمل سے کسی کو ایذاء اور تکلیف نہ پہنچے۔ ارشاد فرماتے کہ یہ عذر کافی

نہیں کہ میں نے تو آپ کو جان کر ایذاء نہیں پہنچائی ۔ یہ اہتمام کیوں نہیں کیا تھا کہ تمہارے کسی طرز عمل، طرز کلام سے کسی دوسرے کو ایذاء نہ پہنچے۔

پاس و ادب ''الطرق کلھا آداب'' طریق یعنی تصوف و سلوک سرتاسر ادب ہی ادب ہے، یہاں ذرہ سے بھی خلاف ادب کو گناہ تصور کیا جاتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ حضرات جن احوال رفیعہ اور مقامات محمودہ کے طالب ہوتے ہیں وہاں تک رسائی بغیر رعایت آداب کے عادۃً ممکن نہیں ہے، اسلئے یہ حضرات ہر اس چیز کے ادب کی رعایت کو ملحوظ رکھتے ہیں جس کو محبوب حقیقی حق تعالیٰ شانہ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ذرہ بھی نسبت حاصل ہو بلکہ ان کے ساتھ نسبت رکھنے والی چیزوں کے ساتھ جسکو نسبت ہو اس کی بھی رعایت — حد شریعت میں رہتے ہوئے — فرماتے ہیں اور ادنیٰ بے ادبی کو بھی باعث حرمان اور موجب خسران سمجھتے ہیں کہ ع

بے ادب محروم گشت از فضل رب

ہمارے حضرتؒ کے غایت ادب کی یہ کیفیت تھی کہ بوجہ کیف حضوری اور مقام احسان کے ادب خداوندی کے سبب اکثر پیر نہ پھیلاتے ، لیٹنے میں پاؤں سکیڑے ہوئے رہتے ۔ جب قرآن مجید تلاوت کے لئے لیتے تو ادب و محبت الٰہی کے جذبہ سے سرشاری کے عالم میں پہلے سینہ سے لگاتے ، سر پر رکھتے ، آنکھوں سے لگاتے اور بوسہ دیتے ۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ عشق و شیفتگی اور ادب و تعظیم کا یہ حال تھا کہ آپ سے نسبت رکھنے والی ہر چیز کا غایت درجہ ادب فرماتے چنانچہ اگر کسی کے متعلق یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ سید ہیں تو محض اس وجہ سے کہ ان کو جناب رسالت مآب ﷺ کے ساتھ نسبی تعلق ہے ان کا بیحد اکرام و اعزاز فرماتے ، مولانا سید حفظ الکبیر صاحب حضرت ہی کے مدرسہ مفتاح العلوم میں مبلغ تھے اور ضابطہ میں بھی حضرت کے ماتحت تھے مگر حضرت انکے سید ہونے کی وجہ سے انکا

بیحد اکرام فرماتے اگر وہ مجلس میں کہیں دور کنارہ بیٹھ جاتے تو ان کو بلا کر اپنے قریب بٹھاتے، یہی نہیں ایک روز انہی مولانا سید حفظ الکبیر صاحب کا ایک چھوٹا سا بچہ مجلس میں آکر دروازہ میں بیٹھ گیا حضرت کی نظر اس بچہ پر پڑی تو فوراً فرمایا کہ آپ وہاں کہاں بیٹھ گئے یہاں آیئے میرے پاس، آپ تو سید ہیں، پھر اپنے پاس بیٹھایا۔ فرماتے کہ اگر کسی شخص کا سید ہونا محتمل ہو تب بھی اس کا اکرام لازم ہے کہ یقیناً سید ہونا معلوم ہونے پر تو ادب کیا ہی جائے گا، کمال ادب تو یہ ہے کہ سید ہونے کے صرف احتمال پر بھی ادب کیا جائے اور حضور ﷺ کی نسبت کا لحاظ رکھا جائے خواہ اس سید کا ظاہری حال خلاف شرع ہی کیوں نہ ہو۔ فرماتے کہ ”نسبت بڑی چیز ہے اسکا لحاظ رکھنا چاہئے ،لوگ نسبت کا خیال نہیں کرتے“۔

اپنے تمام اساتذہ، مشائخ اور ان کی اولاد و متعلقین کا بہت ہی ادب اور پاس و لحاظ رکھتے ،کوئی شخص تھانہ بھون سے آتا تو اس کا بہت لحاظ اور رعایت فرماتے کہ یہ شخص شیخ کی بستی کا رہنے والا ہے۔ ایک بار آپ کے استاذ گرامی مرتبت اور پھر بعد میں آپ کے خلیفہ مجاز حضرت مفتی سعید احمد صاحب لکھنویؒ کی اہلیہ محترمہ تشریف لائیں، حضرت نے ان کی دعوت کی، جب وہ ڈولی میں بیٹھ کر جانے لگیں تو کہاروں کے ساتھ حضرت نے بھی اپنی استانی صاحبہ کی ڈولی کو کندھا لگا دیا۔ استانی صاحبہ کو معلوم ہوا تو انھوں نے منع فرمادیا۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ آپ کے تلامذہ اور مسترشدین کی کثرت اور آپ کی شہرت و مقبولیت عام ہو چکی تھی ، بلکہ اس موقع پر بھی بعض مریدین و تلامذہ موجود تھے۔ کاغذ کا ادب بہت فرماتے حتی کہ راستہ میں بھی اگر کاغذ کا ٹکڑا پڑا ہوا دیکھ لیتے تو اس کو فوراً اٹھا لیتے اور کسی محفوظ جگہ پر رکھ دیتے ،خواہ وہ کاغذ سادہ ہوتا یا لکھا ہوا اور خواہ کسی زبان میں لکھا ہوا ہوتا، فرماتے کہ ”کاغذ کا ادب اسلئے کرنا چاہئے کہ وہ آلہ علم ہے“ کاغذ تو خیر آلہ علم

ہے اس کے علاوہ بھی عام اشیاء کا ادب فرماتے ۔ یہاں ادب سے مراد یہ ہے کہ ان عام چیزوں حتی کہ معمولی استعمالی چیزوں کے ساتھ بھی ایسا طرزِ عمل اور برتاؤ نہ کرتے جس سے ان چیزوں کی بے وقعتی اور ناقدری ظاہر ہو، اس کی وجہ یہ بیان فرماتے کہ ''ہر چیز خدا کا ذکر کرتی ہے اسلئے ذکر کرنیکی وجہ سے اسکا ادب کرنا چاہئے ، اور کسی بھی چیز کو پھینکنا نہیں چاہئے ، یہ ادب کے خلاف ہے ، (اگر وہ چیز زائد اور نا قابل استعمال ہو تو اس کو سلیقہ کے ساتھ ضائع کردے تا کہ پڑے پڑے اس کی بے وقعتی نہ ہو) احقر مرتب غفرلہ) قرآن پاک میں ہے ''وان من شیئی الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم ''بنی اسرائیل :۴۴ ۔ (یعنی کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی نہ بیان کرتی ہو، لیکن تم لوگ ان کی پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں ہو)۔

افسوس ہے کہ اب اس زمانہ میں عام اشیاء کا ادب تو کیا ہوتا ؟ کاغذ، قلم، ڈسک، کتاب، رحل، درسگاہ، استاذ کے بیٹھنے کی جگہ، استاذ کی اولاد وغیرہ کے بھی ادب کا ذکر چھوڑیئے خود استاذ تک کے ادب سے نہ صرف یہ کہ دل ہی خالی ہے زبان اور اعضاء و جوارح سے بھی اس کا ظہور ہے ، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اس طرح کے طلبہ مبادیٔ علم تک کے حصول سے محروم ہیں ۔ رسوخ فی العلم اور ثبات فی العمل کی دولت پھر کس طرح نصیب ہو؟ جس کا خمیازہ ساری امت کو کسی نہ کسی شکل میں بھگتنا پڑ رہا ہے ۔

تقوی اور پرہیز گاری تقویٰ، پرہیز گاری اور خدا ترسی وہ صفت ہے کہ جس پر اصل ایمان کی بھی بنیاد ہے اور اسی پر کمال ایمان کا بھی مدار ہے ، درحقیقت تقویٰ اور خشیت الٰہی کمال علم کی علامت اور ولایت و بزرگی کی نشانی اور اس باب کا ایک جلی عنوان ہے ۔ گذشتہ ابواب کے صفحات میں آپ نے حضرت مسیح الامتؒ کی زندگی کی جو جھلکیاں دیکھی ہیں ان میں جا بجا اس عنوان جلی کے پرتو آپ کو نظر آئیں گے تاہم چند واقعات مزید اس

سرخی کے تحت بھی لکھے جاتے ہیں، خدا کرے وہ ہمارے لئے اور آئندہ نسل کے لئے مشعل راہ ثابت ہوں۔

آپ نے مدرسہ کی مالیات کے سلسلہ میں حضرت والاؒ کی احتیاط اور تقوی کا حال پچھلے صفحات میں بالتفصیل پڑھ لیا ہے وہ تو خود اپنے مدرسہ کے باب میں احتیاط کا معاملہ تھا، تاہم اس سلسلہ میں اپنی حفاظت کے ساتھ دوسرے اہل تعلق کی اصلاح سے بھی کسی حال میں دریغ نہیں فرمایا گیا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ کسی مدرسہ کے مہتمم صاحب آپ کی خدمت میں آم بطور ہدیہ لائے — چونکہ باغات کی بیع بالعموم خلاف شرع رائج ہے کہ پھل آنے سے پہلے ہی ان کی خرید وفروخت ہو جاتی ہے اور اسطرح کے باغات کے پھل آم وغیرہ حضرت ان کی بیع ناجائز ہونے کیوجہ سے استعمال نہ فرماتے تھے — اس لئے حضرت نے اپنے معمول کے مطابق ان سے دریافت فرمایا کہ یہ آم آپ نے بازار سے خریدے ہیں یا گھر کے کسی باغ کے ہیں؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت، مدرسہ ہی میں آم کا ایک پیڑ ہے یہ آم اسی پیڑ کے ہیں، یہ سن کر حضرت نے فرمایا کہ یہ تو ناجائز ہے چونکہ وہ پیڑ آپ کی ملکیت نہیں ہے، پھر اس پیڑ کے آم آپ میرے لئے ہدیہ میں کیسے لائے؟ اس کے بعد فرمایا کہ اب میں آپ کو ان آموں کے پیسے دیدیتا ہوں آپ یہ رقم مدرسہ میں داخل کر لیجئے۔

اکثر مستورات دعا کرانے یا کچھ امداد طلب کرنے کے لئے حاضر ہوا کرتیں اور گو کہ آپ سن رسیدہ اور کافی بوڑھے ہو چکے تھے مگر آپ ہمیشہ ان کی بات پردہ کے اہتمام کے ساتھ سنتے اور کسی واسطہ کے ذریعہ ان کی بات کا جواب یا امداد وغیرہ فرماتے۔

اگر کوئی ایسا شخص ہدیہ لاتا جس کا تعلق پہلے سے نہ ہو تو اس کا ہدیہ قبول نہ فرماتے مگر سختی کے ساتھ رد نہ فرماتے تا کہ اس کی دلشکنی نہ ہو بلکہ بڑی خوشامد کے ساتھ واپس

فرماتے۔ اور ایسے شخص کے ہدیہ قبول نہ کرنیکی وجہ یہ ہوتی کہ حضرت صرف وہی ہدیہ قبول فرماتے جو محض محبت کی وجہ سے دیا جائے، کیونکہ محبت کے علاوہ کسی اور نسبت سے ہدیہ دینا درست نہیں۔ حضرت کے یہاں اسکی پابندی بہت سختی کے ساتھ تھی ــــ غرض یہ کہ تقوی کی اصل پرکھ اور جانچ تو معاملات اور معاشرت کے باب ہی میں ہوتی ہے اور پھر افکار و خیالات اور نظریات کا تقوی جس کے نتیجہ میں توحید، توکل، زہد و استغناء اور تسلیم ورضا کے گل بوٹے کھلتے اور قلب مومن گل وگلزار اور چمن زار ہو جاتا ہے اسکی اساس اور بنیاد ہے۔ تسبیح وتہلیل، ذکر و شغل اور مراقبہ ومحاسبہ سے ان کو جلاء ملتی اور استحکام وقوت، ثبات ودوام حاصل ہوتا ہے۔

توکل واستغناء دولت توکل وہ خزانہ باطنی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو عنایت فرمایا کرتے ہیں۔ توکل کی حقیقت یہ ہے کہ اسباب کی تاثیر پر نظر نہ ہو بلکہ نظر صرف مسبب الاسباب کی ذات برحق پر ہو، اسباب وتدابیر کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے۔ جو شخص دولت توکل سے سرفراز ہوتا ہے وہ اسباب اختیار کرتا ہے مگر اس پر اعتماد اور بھروسہ نہیں کرتا، اسباب کو وہ اس کارگہ عالم کے صرف ایک تماشہ کی نظر سے دیکھتا ہے اور مؤثر حقیقی ذات باری تعالیٰ کو جانتا اور یقین کرتا ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے ''وتوکل علی الحی الذی لایموت '' سورۂ فرقان: ۵۸ یعنی اس ذات پر بھروسہ رکھو جو زندہ ہے اس کو موت نہیں۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ''و علی اللہ فلیتو کل المؤمنون '' ابراہیم: ۱۱ یعنی اللہ ہی کے اوپر ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہئے۔ جس شخص کو توکل کی نعمت لازوال حاصل ہو جاتی ہے وہ ایمان کے بلندترین مقام پر فائز ہو جاتا ہے، اس کے سامنے خواہ کیسے ہی نامساعد اور مخالف حالات آجائیں، ہوا کارخ خواہ کتنا ہی اس کے خلاف معلوم ہو، ظاہری اسباب وتدابیر اس کے موافق نظر نہ آرہے ہوں، وہ نہ ہراساں ہوتا ہے نہ خوف زدہ اور

مایوس، نہ وہ خوف کی فضا سے دہشت میں مبتلا ہوتا ہے اور نہ حرص وطمع کے جال میں پڑ کر باطل کا شکار ہوتا ہے، اسکو توکل کے ساتھ توحید کا ذوق اور وجدان حاصل ہو چکا ہوتا ہے، وہ تو اپنے مولائے حقیقی کو ہی مالک حقیقی اور تمام عالم کائنات پر اثر انگیزی کرنے والا یقین کئے ہوئے ہوتا ہے پھر وہ غیر کے سامنے کیونکر جھک سکتا ہے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام کو جب دشمنان خدا نے آگ میں ڈال دیا تھا تو انھوں نے صرف یہ کہا کہ "حسبنا الله ونعم الوکیل" (اللہ ہم کو کافی ہے اور وہ بہتر کارساز ہے) پھر اس کے اندر غیر اللہ سے استغناء اور بے نیازی کی ایک شان پیدا ہو جاتی ہے جو اس کی زندگی کا کیف وحال بن جاتی ہے، شیخ سعدیؒ نے اسی حقیقت کو اس طرح بیان فرمایا ہے ۔

موحد چہ برپائے ریزی زرش چہ فولاد ہندی نہی برسرش

امید و ہراسش نباشد زکس ہمین است بنیاد توحید وبس

یعنی جو شخص توحید وتوکل کی دولت سے مالا مال ہو خواہ اس کے قدموں پر زرو جواہر بکھیر دو اور خواہ اس کے سر پر ظلم وتعدی کی تلوار رکھدو اسکو نہ کسی سے امید اور لالچ ہوتی ہے اور نہ کسی کا خوف اور ڈر، بس یہی توحید کی اصل اور بنیاد ہے۔

حضرت والاؒ کے توکل اور اعتماد علی اللہ کی پر کیف داستان آپ مدرسہ مفتاح العلوم کے سلسلہ میں کچھ تفصیل سے سن چکے ہیں، بس یہی متوکلانہ رنگ آپ کی پوری زندگی کے ہر نشیب وفراز میں رہا ہے، خواہ وہ مدرسہ کی مالیات سے متعلق ہو یا نظم وانتظام اور تعلیم و تربیت سے، اور خواہ گھریلو اور خانگی معاملات سے یا مسترشدین اور سالکین راہِ طریقت کی تربیت سے، وہ سارے امور اللہ تعالیٰ کے حوالے کرکے سب سے مستغنی ہو جاتے، کسی امر مثلاً تعمیر مسجد ومدرسہ، طلبہ ومدرسین، کسی کتاب کی تالیف وترتیب اور نشر واشاعت وغیرہ ذاتی، دینی وملی تمام معاملات کا اہتمام اور فکر ہوتی مگر نہ اس طرح کہ اگر اس کے انجام

پانے میں تاخیر ہو یا وہ انجام نہ پاسکے تو اس کی وجہ سے ایسا خلجان اور تردد ہو جائے کہ دوسرے کاموں کا حرج ہونے لگے بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے سارے کام باطمینان قلب حسب معمول انجام پاتے رہتے۔ نہ کوئی شکوہ اور شکایت اور نہ غیر اللہ سے کوئی امید و طمع۔

نظام الاوقات وقت سرمایہ حیات ہے، جس نے اس کی قدر کی، لمحہ لمحہ کی حفاظت کی اور مصروف عمل رہا وہ دونوں جہان میں کامران و کامیاب ہوا، اور جو اس کی قدر و قیمت سے غافل رہا، وقت کو ضائع اور برباد کیا یا لایعنی اور فضول مشاغل میں اوقات عزیز کی اضاعت کی وہ دنیا و آخرت کے خسارہ اور نقصان میں پڑا، حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں زمانہ کی قسم کھائی ہے، فرمایا ''والعصر'' (قسم ہے زمانہ کی) زمانہ ہی وقت ہے۔ بزرگان سلف اپنی زندگی مستعار کا ایک ایک لمحہ اور ہر ہر لحظہ علم و دین کی نشر و اشاعت، مسلمانوں اور خلق خدا کی خدمت اور یاد الٰہی میں صرف کرتے تھے، ان کی زندگی ''پیہم عمل'' سے عبارت تھی ان میں سے ایک ایک نے وقت کی پابندی اور عمل پر مداومت سے تنہا ایسے کارنامے انجام دیئے ہیں جن کے لئے اس زمانہ میں انجمنیں اور ادارے قائم کئے جاتے ہیں اور پھر بھی بحسن و خوبی اپنے وقت پر تکمیل کی منزل تک نہیں پہنچتے۔

حضرت مسیح الامت ؒ کی پوری زندگی بھی اس طرح گذری کہ اس کا ہر ہر لمحہ مصروف عمل تھا، وہ زمانہ شباب و جوانی کی قوت کار رہا ہو یا ضعیف العمری اور پیری کے ضعف و بیماری کا۔ انتہائی ضعف اور بیماری کے اوقات معذوری کو چھوڑ کر کہ وہ تو مستثنیات میں شامل ہیں، آپ اذان فجر سے — جو صبح صادق ہوتے ہی ہو جاتی ہے — تقریبا ایک گھنٹہ پہلے بستر سے اٹھ جاتے، ضروریات سے فارغ ہو کر وضو فرماتے اور تہجد کی نماز پڑھتے جو معمولاً بارہ رکعتیں ادا فرماتے، البتہ اگر کبھی بہت ضعف ہوتا تو کم بھی پڑھ لیتے، تہجد کا اس قدر اہتمام تھا کہ ایک دفعہ متعلقین و متوسلین کی ہمت افزائی اور ان کو شوق و رغبت

دلانے کے لئے باوجود اخفائے حال کے اہتمام کے بیان فرمایا کہ ''الحمدللہ سفر وحضر، صحت وبیماری کسی حال میں آج تک کبھی میری تہجد کی نماز قضا نہیں ہوئی، خواہ میں نے لیٹ کر اشاروں سے پڑھی ہو مگر تہجد کبھی ناغہ نہیں ہوئی'' اس کے بعد قرآن مجید کی تلاوت، سورۂ یسین شریف، مناجات مقبول، منزل، شجرہ طیبہ، درود شریف عربی اور حزب البحر کا معمول تھا، فجر کی سنتیں گھر پر پڑھ کر مسجد تشریف لے جاتے، کبھی ایسا ہوتا کہ زیادت مرض اور شدت ضعف کے سبب اور نمازوں کے لئے مسجد نہ جاسکتے تب بھی فجر کی نماز کے لئے دو تین خدام کے سہارے مسجد ضرور تشریف لے جاتے۔

صحت وقوت کے زمانہ میں نماز فجر کے بعد تفریح کے لئے قصبہ کے اطراف میں دور تک تشریف لے جاتے اور واپسی میں کبھی کبھی مدرسہ کی مسجد میں اشراق کی نماز ادا فرماتے۔ تفریح کے وقت اہل تعلق میں سے کوئی صاحب ساتھ میں رہتے، جب ضعف زیادہ ہوگیا تو احاطہ مکان ہی میں ٹہلنے کا معمول ہوگیا تھا، اور اگر کبھی بہت ہی زیادہ کمزوری ہوجاتی تو مجلس خانہ کے اندر ہی ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک تھوڑی دیر چہل قدمی فرمالیتے اور اس درمیان بھی ساتھ کے متوسلین پر افادات کی بارش ہوتی رہتی اور مخاطبین کے حسب حال مضامین بیان فرماتے رہتے، کبھی ایسا ہوتا کہ نماز فجر میں امام صاحب نے جو آیات تلاوت کی ہوتیں انہیں کے متعلق معارف ونکات بیان فرماتے۔

اکثر اہل قصبہ مختلف مساجد میں نماز فجر ادا کرنے کے بعد زیارت ومصافحہ اور دعا کے لئے حاضر ہوتے، ان آنے والوں کی تعداد کافی ہوتی مگر آپ باوجود ضعف وبیماری کے بھی سب سے مصافحہ فرماتے، ان کی باتیں سنتے اور دعائیں دے کر رخصت فرماتے۔ پھر اشراق کی نماز پڑھ کر ناشتہ کے لئے گھر تشریف لے جاتے، گاہے اشراق کے بعد ہی چاشت بھی پڑھ لیتے، ناشتہ کے بعد اکثر تصنیفی وتالیفی سلسلہ کے مضامین سنتے، اسی

درمیان ملاقات کا سلسلہ بھی جاری رہتا، کسی سالک طریقت کو کوئی خاص بات دریافت کرنی ہوتی یا کسی کو بیعت فرمانا ہوتو عموماً اسی وقت کو اس کے لئے تجویز فرماتے، پھر سالکین کے خطوط کے جوابات تحریر فرمانے میں مشغول ہوجاتے، دن کا بیشتر حصہ خطوط کے جوابات ہی میں صرف ہوتا —— یہ خطوط سالکین، طلبہ، علماء اور مشائخ کے ہوتے جو بہت کثیر تعداد میں ہوتے اور بعض بعض خطوط بہت طویل اور علمی مضامین پر مشتمل ہوتے، روزانہ خطوط کے آمد کی یہی کیفیت ہوتی —— آپ ان خطوط کو بغور پڑھتے اور پھر ان کا تحقیقی تسلی بخش جواب تحریر فرماتے، جوابات بہت پابندی سے دیتے، اس درمیان بھی واردین و صادرین اور اہل حاجت کے آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا۔ اور دن نکلنے کے تقریباً ڈھائی تین گھنٹے کے بعد مجلس شروع ہوتی جس میں خانقاہ میں مقیم سالکین، دارالافتاء کے طلبہ اور دوسرے مقامی اور غیر مقامی حضرات شریک ہوتے، عموماً یہ مجلس ڈیڑھ گھنٹے جاری رہتی اور کبھی کبھی دو ڈھائی بلکہ تین گھنٹے تک مجلس جاری رہتی اور عجیب و غریب نکات و مضامین اور علوم و معارف آپ بیان فرماتے رہتے، پھر مختصر دعا پر مجلس ختم ہوجاتی اور آخر میں ''خدا حافظ'' فرما کر آپ سامعین کو رخصت فرما دیتے۔ جن حضرات کو تقریر و وعظ اور خطابت سے سابقہ ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ دو تین گھنٹے بولنا آسان کام نہیں ہے، اور اتنا بولنے کے بعد کس قدر تعب و تکان ہوجاتا ہے، مگر حضرت والاؒ مجلس کے بعد بالکل آرام و استراحت نہ فرماتے بلکہ نو واردین سے ملاقات، ان کے لئے دعا و نصیحت وغیرہ میں مصروف ہوجاتے اور ان حضرات کو رخصت فرما کر پھر ڈاک کا جواب لکھنے میں مشغول ہوجاتے۔ یہ سلسلہ دوپہر تک چلتا رہتا، گرمیوں کی دوپہر میں کچھ دیر قیلولہ فرماتے اور سردیوں کے زمانہ میں قیلولہ بھی نہ فرماتے بلکہ اذان ظہر تک برابر ڈاک تحریر فرماتے اور ملاقات فرمانے میں مصروف رہتے۔ کبھی کبھی خدام سے فرماتے کہ ''صبح فجر سے پہلے کا اٹھا ہوا ہوں، ابھی تک چارپائی پر کمر نہیں

لگی"، مزاج مبارک میں دوسروں کی رعایت اور دلداری کا جذبہ غایت درجہ تھا، ایک دفعہ جب کہ مرض کی وجہ سے کافی ضعف تھا اور لوگوں کی آمد کا سلسلہ منقطع نہ ہوتا تھا خدام نے عرض کیا کہ حضرت، تھوڑی دیر لیٹ جایئے اور آرام فرمالیجئے، آپ تھک گئے ہیں، فرمایا کہ "جی تو میرا بھی چاہ رہا ہے مگر لوگوں کی وجہ سے بیٹھا ہوا ہوں"۔

ظہر کی اذان کے بعد نماز ظہر کی تیاری فرماتے، استنجاء اور وضو سے فارغ ہو کر ظہر کی سنتیں گھر ہی پر پڑھتے پھر مسجد تشریف لے جاتے، اگر بیماری کے سبب ضعف اور کمزوری زیادہ ہوتی اور مسجد تک جانے کی سکت نہ ہوتی تو مجلس خانہ ہی میں چند حضرات کے ساتھ جماعت کر لیتے، لیکن اگر دو آدمیوں کے ساتھ سہارے سے بھی چلنے کی قوت ہوتی تو گھسٹتے ہوئے بھی مسجد تشریف لے جاتے۔ نماز ظہر کے بعد کچھ ہلکا سا ناشتہ فرما کر عصر تک خطوط کے جوابات تحریر فرماتے، اور اس اثناء میں واردین وصادرین سے ملاقات بھی فرماتے رہتے۔ اذان عصر کے بعد نماز کی تیاری فرما کر مسجد تشریف لے جاتے پھر نماز عصر کے بعد تھوڑی دیر کے لئے پہلے صاحبزادی صاحبہ کے مکان پر تشریف لے جاتے اس کے بعد اپنے مکان پر تشریف لے جاتے، گھر سے واپسی کے بعد کبھی کوئی کتاب سنائی جاتی اور کبھی کچھ بیان فرماتے اور گاہے مغرب تک بھی خطوط کے جوابات ہی لکھتے۔ نماز مغرب کے بعد کھانا تناول فرمانے کیلئے گھر تشریف لے جاتے، اسوقت گھر کی بچیاں، پوتیاں، نواسیاں اور دیگر عزیزائیں بھی آجاتیں، آپ ان سب سے کچھ نہ کچھ شفقت ودلجوئی اور نصیحت کی باتیں فرماتے، عشاء سے تھوڑی دیر پہلے استراحت فرماتے پھر اذان کے بعد نماز عشاء کیلئے مسجد تشریف لے جاتے اور بعد عشاء سنت کے مطابق بس استراحت فرماتے۔

ایصال ثواب کا معمول آپ کا ایک معمول یہ بھی تھا کہ روزانہ کچھ نہ کچھ ایصال ثواب بھی فرمایا کرتے تھے، ایک بار فرمایا کہ:-

"میرا روزانہ ایصال ثواب کا یہ معمول ہے کہ حضور اکرم ﷺ، تمام انبیاء علیہم السلام، تمام اہل بیت ازواج مطہرات اور جمیع مومنین و مومنات کے لئے ایصال ثواب کرتا ہوں" (حیات مسیح الامتؒ ص۲۱۹)

فرماتے کہ:۔

"جب کسی کے انتقال کی خبر سنتا ہوں یا کوئی ایصال ثواب کیلئے لکھدیتا ہے توسورۂ تکاثر، چاروں قل نیز قل ھو اللہ شریف تین دفعہ پڑھ کر ایصال ثواب کردیتا ہوں" (حیات مسیح الامت ص۲۲۰)

ایک موقع پر ایصال ثواب کے آداب بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:۔

"جب مزار پر حاضری ہوتو اسی طرح ادب واحترام کے ساتھ حاضر ہونا چاہیئے جس طرح ان کی حیات میں ان کی خدمت میں حاضری ہوتی تھی۔ جب فاتحہ پڑھے تو قبلہ کی طرف پشت اور صاحب مزار کے چہرہ کی جانب اپنا رخ کر کے ذرہ فاصلہ سے کھڑا ہو، اگر فرصت کا موقع ہوتو اول و آخر میں تین مرتبہ درود شریف کے ساتھ سورۂ مزمل، سورہ یسٰین شریف پڑھے، اور تین تین مرتبہ سورۂ تکاثر، چاروں قل اور سورۂ فاتحہ پڑھے، اگر اتنی فرصت نہ ہوتو اول و آخر تین تین دفعہ درود شریف کے ساتھ تین تین مرتبہ سورہ کوثر، چاروں قل اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر ایصال ثواب کردیا جائے" (حیات مسیح الامتؒ ص۳۲۹)

اس طرح آپ کے حسن اخلاق اور جود و کرم کے ساتھ وہ بھی مستفید ہوتے

رہتے جو اس عالم فانی سے رخصت ہو چکے ہیں۔

حلیہ ولباس حضرت مولاناؒ وجیہہ وشکیل اور خوبصورت آدمی تھے، رنگ گندمی مگر اس طرح کہ سپیدی وسرخی غالب تھی، میانہ قد مائل بہ درازی، اکہرا بدن، چہرہ ہلکا سا طول کی طرف مائل، پیشانی کشادہ اور اس پر ہلکا سا سجدہ کا نشان، رخساروں پر خوبصورت سپید داڑھی نہ زیادہ گنجان تھی اور نہ بالکل چھدری، آنکھیں روشن، رہن سہن سادہ اور تکلف سے عاری۔

طرز گفتگو محبت آمیز، مشفقانہ ومربیانہ تھا، کوئی ناگوار خاطر بات پیش آنے پر بھی ناراضگی اور خفگی میں آواز میں تیزی اور کلام میں تندی وتلخی نہ ہوتی، نہایت شیریں کلام تھے کہ دشمن بھی بات سن کر رام ہو جائے، اور بہت ہی واضح اور صاف گفتگو فرماتے تاکہ مخاطب اچھی طرح سن اور سمجھ لے۔ کبھی کسی کو احمق یا نالائق وغیرہ جیسے الفاظ بھی نہ کہتے۔ کسی کی شرعی بے اعتدالیوں پر اگر بہت ناراضگی ہوتی تو بس یہ کہتے کہ ایسے لوگ "جنگلی کبوتر" ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس طرح جنگلی کبوتر بے تربیت اور غیر صحبت یافتہ ہوتا ہے اسی طرح ان کا حال ہے کہ صحبت یافتہ اور تربیت یافتہ نہیں ہیں۔

لباس عام طور سے سفید اور سادہ ہوا کرتا تھا، کرتا کلی دار گھٹنوں سے عموماً تین چار انگل نیچا، پائجامہ مغلی جو بالعموم اکابر علمائے دیوبند کا ہوا کرتا ہے نصف ساق سے ذرا نیچا، پنج گوشیہ ٹوپی جو ہر وقت سر پر رہتی صرف سونے کے وقت ٹوپی اتارتے اور اسکے بعد فوراً پہن لیتے۔ البتہ سردیوں کے موسم میں روئی دار یا اونی کنٹوپ پہنتے جس سے دونوں کان ڈھک جاتے اور روئی دار صدری آدھی آستین کی نیز سوئیٹر بھی زیب تن فرماتے، اوپر سے گرم چادر اور زیادہ سردی میں دولائی اوڑھتے، جوتا مخملی پہنتے، عیدین کے موقع پر عربی جبہ زیب تن فرما کر نماز کے لئے تشریف لے جاتے، رومال یا عمامہ کی عادت نہ تھی البتہ ایک چھوٹا دستی رومال ساتھ رکھتے جو بوقت ضرورت استعمال فرماتے۔

باب ۸

ازواج، اولاد واحفاد

ازواج، اولاد واحفاد

آپ کی دوشادیاں ہوئیں، پہلی شادی زمانہ طالب علمی ہی میں ہوگئی تھی، وہ بہت نیک سیرت خاتون تھیں، فرائض واجبات اور سنن کے علاوہ ذکر وشغل کا بھی اہتمام کرتیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ سے بیعت تھیں، حضرت مسیح الامتؒ ان کے متعلق فرماتے کہ اگر عورتوں کو خلافت دی جاتی تو وہ اس قابل تھیں کہ ان کو خلافت دی جاتی، ان سے چار لڑکے پیدا ہوئے، چاروں کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا، ان میں سے ایک صاحبزادہ کا نام تمکین احمد تھا، حضرت نے ان کا ذکر فرماتے ہوئے ان کا ایک واقعہ بیان فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عمر اچھی خاصی ہوگئی تھی اور وہ بہت ذہین بھی تھے، وہ تھانہ بھون میں فارسی پڑھتے تھے اسی دوران ان کا انتقال ہوا، واقعہ جو حضرت نے بیان فرمایا یہ ہے:۔

> ''میرے شیخ حضرت تھانویؒ نے ظہر کے بعد مجلس عام میں فرمایا کہ مولوی مسیح اللہ کا بچہ بڑا ذہین ہے، میں کھانا کھانے جارہا تھا، اس بچے نے کہا، بڑے ابا السلام علیکم (تھانہ بھون کے لوگ حضرت تھانویؒ کو بڑے ابا کہا کرتے تھے) حضرت والا نے زبان سے جواب دیدیا اور سر بھی ہلا دیا تا کہ وہ دیکھ بھی لیں، مگر اس نے حضرت والا کا جواب نہیں سنا، اسلئے اس نے کہا بڑے ابا سلام زبان سے یا سر سے؟ یہ واقعہ بیان فرما کر حضرت تھانویؒ نے ارشاد فرمایا کہ ''اس نے بات ٹھیک کہی'' (حیات ص ۲۱۸)

جب پہلی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہوگیا تو آپ نے دوسرا نکاح فرمایا، دوسری شادی

سے بھی جو اولاد ہوئی ان میں سے بھی کئی بچوں کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا، اس وقت حضرت کی سب اولاد انہی اہلیہ محترمہ سے ہے، یہ بھی نیک خصائل، سخاوت شعار اور بہت رحمدل تھیں، ہمیشہ باوضو رہتیں، اکثر قرآن پاک کی تلاوت کرتی رہتیں، ذکر و شغل کا بھی اہتمام رکھتیں اور غرباء و مساکین کی امداد بہت ہمدردی سے کیا کرتیں ۱۳۹۴ھ میں ان کا انتقال ہوا، مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد کے قریب قبرستان میں مدفون ہوئیں۔

اولاد و احفاد آپ کے جو بچے زندہ رہے اور بڑے ہو کر صاحب اولاد ہوئے ان میں ایک صاحبزادہ حضرت مولانا صفی اللہ خانصاحب (عرف بھائی جان) اور تین صاحبزادیاں رضیہ بیگم، خورشیدہ بیگم اور رفعت جہاں ہیں۔

حضرت مولانا صفی اللہ خانصاحب آپ کے اکلوتے صاحبزادے ہیں، پوری تعلیم مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد ہی میں حاصل کی اور یہیں سے سند تکمیل حاصل کی اور اپنے گرامی قدر والد کے زیر سایہ اور زیر تربیت رہ کر ظاہری اور باطنی کمالات سے سرفراز ہوئے، ایک عرصہ تک اسی مدرسہ میں درس نظامی کی کتابیں ابتداء سے متوسطات تک پڑھاتے رہے۔ ۱۳۹۷ھ سے حضرت مسیح الامتؒ نے مدرسہ کے اہتمام کی ذمہ داری آپ کے سپرد فرمادی، مدرسہ کے انہیں اصول کے مطابق جن کا ذکر صفحات گزشتہ میں ہو چکا ہے جس کا جزو اعظم اور اصل الاصول توکل علی اللہ ہے بفضلہ تعالیٰ تا ہنوز (۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء) نہایت استقلال اور حسن و خوبی کے ساتھ انتظام و اہتمام کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ حضرتؒ نے وفات سے تقریباً سال بھر پہلے اس دولت باطنی کا بھی امین ان کو بنادیا جو بادشاہوں کے خزینے میں نہیں بلکہ درویشوں کے سینے میں ملتی ہے اور اب ماشاء اللہ تعالیٰ وہ خلعت خلافت سے سرفراز ہو کر خانقاہ مسیح اللٰہی کو ذکر و شغل سے آباد کئے ہوئے تزکیہ و اصلاح نفوس کی خدمت انجام دینے میں مصروف عمل ہیں اور مدرسہ و خانقاہ دونوں کا نظام

کاران کی ذات سے وابستہ ہے۔

وہ بہترین منتظم ہونے کے ساتھ نہایت خوش اخلاق، خوش مزاج اور بہت ہی متواضع ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کو وہ مرض چھو کر نہیں گیا ہے جس کو "صاحبزادگی" کہتے ہیں، وہ طبعاً اس سے بالکل بے نیاز ہیں۔ امیر، غریب، بچہ، جوان، عالم، عامی سب کے ساتھ بے تکلف اور ملے جلے رہتے ہیں، مہمان نوازی اور فیاضی ان کا وصف خاص ہے۔

مولانا صفی اللہ خانصاحب کے دو صاحبزادے خفی اللہ اور ولی اللہ اور تین صاحبزادیاں فوزیہ، صفیہ اور شاذیہ ہیں۔ بڑے صاحبزادہ مولانا خفی اللہ صاحب مفتاح العوم سے فارغ التحصیل ہیں اور اسی میں تدریس کی خدمت انجام دینے میں مصروف ہیں ماشاءاللہ تعالیٰ بااخلاق، مہمان نواز اور عالی ظرف ہیں۔ چھوٹے صاحبزادہ حافظ ولی اللہ صاحب گھر ہی پر اپنے والدِ محترم کی خدمت میں رہتے ہیں۔ بڑی صاحبزادی فوزیہ کی شادی بڑاڈہ ضلع مظفر نگر میں ہوئی ہے ماشاءاللہ تعالیٰ وہ اپنے گھر میں شاد و آباد ہیں۔ دوسری صاحبزادی صفیہ کی شادی مولانا وصی اللہ خان عرف آرزو میاں برادر زادہ حضرت مسیح الامت کے ساتھ ہوئی ہے۔ مولانا آرزو میاں مفتاح العلوم کے فارغ التحصیل اور اسی میں استاد ہیں نیز مدرسہ سے شائع ہونے والے مجلّہ "مفتاح الخیر" کے مدیر مسؤل اور نہایت بااخلاق، بامروت، مہمان نواز شخصیت کے مالک ہیں۔ تیسری صاحبزادی شاذیہ ابھی (۱۴۲۵ھ میں) ناکتخدا ہیں۔

رضیہ بیگم حضرت کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں یہ حضرت مولانا سید عبدالرحیم صاحب سے منسوب ہوئیں جو مدرسہ مفتاح العلوم سے فارغ التحصیل اور مدرسہ ہی میں استاد ہیں، ایک کتبخانہ "مکتبہ فیض اشرف" کے نام سے قائم فرما کر حضرت حکیم

الامتؒ اور حضرت مسیح الامتؒ کی متعدد تصانیف اور مجالس کی اشاعت فرمائی۔ جناب الحاج محمد فاروق صاحب سکھرویؒ مجاز حضرت مسیح الامتؒ سے مجاز بیعت ہیں، اچھے خطیب اور مقرر ہیں، بڑے با اخلاق، ملنسار، متواضع، منکسر المزاج ہیں، اور مرنجان مرنج طبیعت رکھتے ہیں، مہمان نوازی اور ضیافت ان کے مزاج میں داخل ہے۔ چہر بشرہ اور اطوار و اخلاق سے سیادت کی خوشبو چھلکی پڑتی ہے، الغرض ظاہر و باطن دونوں لحاظ سے عجیب باغ و بہار آدمی ہیں۔

دوسری صاحبزادی خورشیدہ بیگم حضرت مولانا وکیل احمد صاحب شروانی سے منسوب ہیں، یہ حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ مولانا جلیل احمد شروانیؒ کے صاحبزادہ اور حضرت مسیح الامتؒ کے حقیقی خواہر زادہ ہیں، حضرت مسیح الامتؒ کی طرف سے مجاز بیعت ہیں، جامعہ اشرفیہ لاہور پاکستان میں استاد اور مفتی ہیں اور وہاں کی ''مجلس صیانۃ المسلمین'' کے روح رواں ہیں اور مجلّہ ''الصیانۃ'' کے مدیر بھی۔ مجلس کی سرگرمیاں ان کے دم قدم سے قائم اور ان کی مساعی اور جد و جہد سے ترقی کی طرف گامزن ہیں۔ لاہور پاکستان میں حضرت مسیح الامتؒ کی تصانیف انہی کے کتب خانہ مسمّٰی ''مکتبہ فیض اشرف'' ماڈل ٹاؤن لاہور سے اشاعت پذیر ہوتی رہتی ہیں۔

تیسری صاحبزادی رفعت جہاں بیگم محترم جناب حبیب الرحمٰن خانصاحب شروانی علی گڑھی سے منسوب ہیں، آنموصوف بھی ایک پاک سیرت، نیک طبیعت اور متدین، علماء اور بزرگوں سے تعلق رکھنے والے مرد صالح ہیں، علی گڑھ ہی میں قیام رکھتے ہیں اور کاروباری زندگی میں مصروف رہتے ہوئے تدین اور تقوی کی زندگی گذارتے ہیں۔

باب ۹

بیماری اور وفات

بیماری اور وفات

ضعف ونقاہت اور پیرانہ سالی تو تھی ہی اس پر ریاضت ومجاہدہ اور ہمہ وقت علمی و دینی کاموں میں مشغولی اور تقاضائے عمر کے مطابق راحت وآرام نہ فرمانے کی وجہ سے کچھ نہ کچھ عوارض بھی لگے رہتے تھے، کمزوری بہت بڑھ گئی تھی، چنانچہ کبھی یہ فرمادیتے کہ "اب تو یہ بڈھا جانے والا ہے، سن لو بڈھے کی باتیں" یہی حال تھا کہ ۱۴۱۲ھ کا رمضان المبارک کا رحمتوں والا مہینہ آگیا، اس میں روزے بھی رکھے اور تراویح بھی پڑھی اور مجلس کا سلسلہ بھی جاری رہا، البتہ کسی روز جب ضعف بہت ہی بڑھ جاتا تو مجلس نہ فرماتے۔ ۲۹/رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ کو آخری روزہ تھا اس دن دوپہر کو جاڑے کے ساتھ بخار آیا اور بار بار پیشاب کا تقاضا ہونے لگا، کمزوری اتنی بڑھ گئی کہ پیشاب کے لئے دو آدمیوں کے سہارے سے جانا ہوتا، اس روز ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں تیمّم کر کے بیٹھ کر پڑھیں۔ شام کو عید کا چاند نظر آگیا، کچھ گھر کے اور کچھ باہر کے حضرات ملاقات کے لئے حاضر ہوئے مگر حضرتؒ پر غنودگی اور غشی کی سی کیفیت تھی کسی کے آنے جانے کی خبر نہ ہوئی، عشاء کی نماز مجلس خانہ میں باجماعت پڑھنے کا معمول تھا لیکن اس روز غنودگی کی حالت میں لیٹے رہے۔ جب گیارہ بج گئے تو خدام نے جگایا اور آپ نے تیمّم کر کے بیٹھ کر عشاء کی نماز پڑھی اور پھر لیٹ گئے۔

صبح کو آنکھ دیر سے کھلی، فجر کا وقت ہو گیا تھا، حسرت اور افسوس کے ساتھ فرمایا کہ "اوہو! آج تو اس وقت میں تہجد نہ پڑھ سکا" پھر فرمایا کہ "خیر جب میں چارپائی پر لیٹا تھا تو اس وقت خیال آگیا تھا اور میں نے چارپائی پر لیٹ کر ہی تیمّم سے تہجد کی نماز پڑھ لی تھی"۔ یہ عید کی صبح تھی آپ کا ہمیشہ سے معمول تھا کہ عید کے روز گھر تشریف لیجا کر افراد خانہ کو عیدی تقسیم فرمایا کرتے تھے بلکہ کام کاج کرنے والے خدام دھوبی بھنگن وغیرہ کو بھی عیدی دیا کر

تے تھے، لیکن آج گھر نہ جا سکے، مجلس خانہ ہی میں گھر والوں کو تو اپنے ہاتھ سے عیدی عنایت فرمائی اور دوسرے لوگوں کو صاحبزادۂ محترم (بھائی جان) کے ذریعہ تقسیم فرمائی۔ ان ایام میں جس دن طبیعت کو ذرہ سنبھالا ملتا تو مجلس میں بیان فرماتے ورنہ اہل مجلس کو ان الفاظ کے ساتھ اطلاع کرادیتے کہ "آج میں رخصت چاہتا ہوں" جن ایام میں مجلس نہ ہوتی ان دنوں میں بھی مقیمین خانقاہ کو تھوڑی دیر ملاقات کیلئے حاضری کی اجازت ہوتی اور اس تھوڑے سے وقت میں بھی آپ کچھ نہ کچھ ارشاد فرماتے رہتے۔ اسی ضعف اور کمزوری میں خطوط کے جوابات پابندی کیساتھ تحریر فرماتے رہتے، ضعف اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایک خط کا جواب لکھنے میں کئی بار درمیان میں وقفہ کرنا پڑتا تب کہیں جا کر مکمل لکھ پاتے، آخر میں کچھ دنوں تک معالج خاص ڈاکٹر نعیم احمد صاحب سے بھی خطوط کے جوابات لکھوائے لیکن جب بالکل سکت باقی نہ رہی تو درج ذیل تحریر جو حضرت ہی کے دست مبارک کی لکھی ہوئی فوٹو اسٹیٹ کرالی گئی تھی خطوط میں رکھکر بھیج دی جاتی، مضمون تحریر یہ ہے:۔

"محمد مسیح اللہ

مکرم زید مجدہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بندہ کافی عرصہ بیمار رہا، ڈاک رک گئی، میرے پاس کوئی آدمی ایسا نہیں کہ وہ سناتے اور بندہ لکھواتا، اب ضعف ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو باشاد رکھیں، آسانیاں عطا فرمائیں، الجھاؤ سے، شر و فتنہ سے محفوظ رکھیں، امن و عافیت سے رکھیں، ہر قسم کی ظاہری و باطنی خیر و برکات سے اور استقامت سے نوازیں، مقاصد میں بخیر و عافیت کامیابی فرمائیں۔

اپنے پر عجب و تکبر کی نگاہ نہیں، دوسروں پر حقارت کی نگاہ

نہیں، بتدبیرِ حسن سعی اور دعا خوب نفس کا احتساب، اختلاط سے

احتیاط۔ بشدتِ ضعف مکاتبت سے معذوری ہے" خیات ص ۶۷۴۔

اس ضعف اور بیماری کی حالت میں بھی مدرسہ کی فکر برابر رکھتے اور بھائی جان (مولانا صفی اللہ خانصاحب مدظلہم) سے مدرسہ کے حالات معلوم کر کے ہدایات اور مشورے دیتے رہتے۔ اسی حالت میں مدرسہ کا ماہانہ حساب بھی ملاحظہ فرمایا۔

۳/ ذوقعدہ ۱۴۱۲ھ بروز بدھ بخاری شریف کا سبق شروع کرایا اور باوجود شدتِ ضعف کے تقریباً ایک گھنٹہ تک بخاری شریف کا درس دیا۔ حالانکہ ضعف اور کمزوری کا یہ حال تھا کہ ایک روز خود فرمایا کہ:۔

"میں بہت کمزور ہو گیا ہوں، میری کمزوری کا کسی کو علم نہیں، اگر علم ہو جائے تو لوگوں کو بہت ترس آئے، بیٹھا ہوا کام کرتا رہتا ہوں ڈاک لکھ دیتا ہوں، لوگوں سے ملاقات کر لیتا ہوں، مگر کھڑا ہونے اور چلنے کی ہمت نہیں ہے"

انہی حالات کے درمیان ایک دن حاضرین سے فرمایا کہ:۔

"اب وہ تو زمانہ ہے کہ اگر کوئی شخص دین کی موٹی موٹی باتوں پر عمل کر لے، فرائض وواجبات ادا کرتا رہے اور گناہ کبیرہ وصغیرہ سے بچ جائے تو وہ بھی ایسا ہی ولی ہے جیسا کہ متقدمین کے زمانہ میں ولی ہوتے تھے، اس کے بعد فرمایا کہ اپنے گھر رہو اور عمل کرو، بس دین کی موٹی موٹی باتوں پر عمل کرتے رہو اور مکاتبت پر بس کرو، میری یہ گفتگو اس طالب صادق سے ہے جس کے اندر خوفِ خدا آ گیا ہے" واما من خاف مقام ربه ونهى النفس

عـن الھـوی "(اور بہر حال جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا)"۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ:۔

"ذکر و مطالعہ کا اہتمام ہو، کتابوں کا مطالعہ ہو اور اسکے مطابق ساتھ ساتھ اپنا بھی مطالعہ ہو، اپنے کو اس پر جانچنا ہو، اور ہمہ وقت مراقبہ احسان ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، بس اس طرح سے ہمیشہ ہر وقت رہنا ہو"

ارشاد فرمایا:۔

"گھر کے اندر بھی اور باہر بھی حسن خلق اور حلم ہو اور احسان کا اہتمام ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، جو کچھ مجلس میں سنا ہے اس کو اپنے دل مین جماؤ، ورنہ یہاں آنے سے کیا فائدہ ہے؟"

معالجہ حضرتؒ کا معمول تھا کہ ضرورت پیش آنے پر زیادہ تر یونانی دوائیں استعمال فرمایا کرتے، لیکن اس مرض وفات میں یونانی طبی دواؤں کے علاوہ انگریزی دوائیں بھی استعمال کی گئیں۔ یہ سب علاج گھر ہی پر ہوا، بعض احباب نے از راہ محبت و عقیدت کسی بڑے اسپتال میں داخل ہو کر علاج کرانے کی پیشکش کی اور اصرار کیا مگر حضرت والاؒ نے اس سے عذر فرما دیا اور اسپتال جانا پسند نہ فرمایا۔

دنیا سے کامل بے رغبتی جوں جوں "ملأ اعلیٰ" کی طرف جانے اور "محبوب حقیقی" سے ملاقات کا وقت قریب آ رہا تھا، دنیائے فانی کی ہر چیز حتی کہ قریب ترین اہل تعلق سے بھی بے تعلقی اور استغناء بڑھتا جا تا تھا، وصال سے دو روز پہلے اپنے اکلوتے صاحبزادہ سے

فرمایا کہ "زر غبا تزدد حبا" (کبھی کبھی ملاقات کرو، محبت زیادہ ہوگی) یہ سن کر بھائی جان (صاحبزادہ محترم) نے فرمایا کہ حضرت پھر ہم کہاں جائیں گے؟ تو فرمایا کہ "ہاں یہ تو ایسے ہی ہے" بھائی جان نے عرض کیا کہ حضرت جی کچھ تو ہے اس پر ذرہ سے مسکرائے اور کچھ نہیں فرمایا۔

اس حال میں بھی وضو کراتے وقت خدام نے پیر دھونا چاہا تو آپ نے منع فرمادیا اور خود پیر دھوئے اور خود ہی اہتمام کے ساتھ مسواک بھی فرماتے تھے۔ بیماری کی شروعات میں تو فرض نمازیں کھڑے ہوکر ہی پڑھتے جب ضعف بہت بڑھ گیا تو بیٹھ کر پڑھنے لگے پھر جب بیٹھنے کی بھی سکت نہ رہی تو لیٹ کر اشاروں سے نماز پڑھتے رہے، نماز وقت پر پڑھنے کا اس قدر اہتمام تھا کہ بعض مرتبہ عشاء کے بعد ہی سے دریافت فرمانے لگتے کہ کیا فجر کا وقت ہوگیا ہے، خدام عرض کرتے کہ حضرت ابھی وقت نہیں ہوا۔

امت کی فکر اسی بیماری اور شدت ضعف کے دوران امت کے حالات کی اصلاح کی فکر آپ کو بیچین کئے رہتی، چنانچہ باوجود اس کے کہ اٹھنے بیٹھنے کی تو کیا بولنے تک کی سکت نہ تھی مختلف اہم مضامین قلمبند کرائے "پیغمبر ﷺ کا پیغام برائے مدارس اسلامیہ" کے عنوان سے ایک مختصر اور جامع رسالہ مفتی عبدالستار کو املاء کرایا، ضعف کا حال یہ تھا کہ تقریباً تین ماہ میں یہ رسالہ املاء کرا سکے مگر ہمت نہ ہاری جس چیز کو امت کے لئے ضروری اہم اور مفید سمجھا اپنے اوپر مشقت ڈالکر اس کو انجام دیا۔ ایک مضمون "خلاصۂ تصوف" کے نام سے لکھوا کر شائع فرمایا، ۱۹ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ کی بات ہے کہ فرمایا "زبان کو حرکت دینے کی بھی ہمت نہیں ہے، ضعف بے حد ہے بہ تکلف بول رہا ہوں، پھر بھی دو باتیں عرض کرتا ہوں، غور سے سنئے،" بعد میں یہی مضمون "خلاصۂ تصوف" کے نام سے شائع ہوا۔ ان مضامین کا تعارف انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ صفحات میں "تصانیف" کے تحت کرایا جائے گا۔

از منزل ویراں بسوئے جاناں بیماری اور ضعف و کمزوری کی شدت تو چل ہی

رہی تھی، وہ ہونے والی چیز کسی بھی وقت پیش آسکتی تھی، کسی وقت غیر متوقع نہ تھی مگر اہل محبت واہل تعلق تو عین یاس وناامیدی کی فضا میں بھی امید ورجاء کی قندیلیں روشن رکھنے کے خوگر ہوتے ہیں اسلیئے کسی کو اس کا احساس تک نہ ہوسکا کہ آج ہی کا دن ہم محروموں کیلئے فراق اور ''ان'' کیلئے ''یوم وصال'' ہے، ہم روتے رہیں گے اور وہ ''شاداں وغزلخواں'' رخت سفر ''بسوئے جاناں'' باندھ لیں گے ——— ۱۶؍ جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ جمعرات کا دن تھا، خشکی بہت بڑھ گئی تھی، خشکی کی یہ زیادتی تو اکثر ہوہی جایا کرتی تھی اسلیئے پاس رہنے والے خدام ومتوسلین کے لئے یہ آج کوئی خاص نئی بات نہیں تھی۔ زیارت وملاقات کا سلسلہ بھی حسب سابق جاری تھا کہ سورج غروب ہوگیا اور تاریخ قمری بدل گئی، بجائے ۱۶؍ کے ۱۷؍ جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ (مطابق ۱۳؍ نومبر ۱۹۹۲ء) ہوگئی، اور اسی کے ساتھ علم و معرفت کے سورج کے غروب ہونے کا وقت بھی قریب آپہنچا اور ساتھ ہی عرفان وآگہی کی تاریخ بھی بدلنے لگی۔ جمعہ کی شب شروع ہوگئی تھی، عشاء کا وقت ہوگیا، معمول کے مطابق حضرت نے چارپائی ہی پر عشاء کی نماز اشاروں سے ادا فرمائی اور حسب عادت و معمول چار رکعت تہجد بھی وتر سے پہلے پڑھی۔ اور ادھر طبیعت کا یہ حال تھا کہ بلغم اور کھانسی کی وجہ سے تنفس میں شدت بہت بڑھ گئی تھی۔ حضرت کے صاحبزادہ، مولانا عنایت اللہ صاحب لندنی، مولانا آرزو میاں، ڈاکٹر نعیم احمد صاحب اور مولانا توقیر احمد پڑتاپگڈھی پاس ہی موجود تھے، خشکی بہت تھی اسلیئے بار بار پانی پلایا جارہا تھا، ایک بار سہارے سے بیٹھ کر بھی پانی پیا، کئی بار آب زمزم چمچے سے پلایا گیا، مولانا عنایت اللہ صاحب نے سورۂ یسین شریف پڑھی، حضرت والاؒ مسلسل کلمہ طیبہ پڑھتے رہے، آخر دم واپسیں کے وقت جب آواز بند ہوگئی تب بھی ہر سانس کے ساتھ ذکر جاری تھا، زبان حرکت کررہی تھی، روح کے قفس عنصری سے پرواز کرنے سے چند لمحہ پہلے انگشت شہادت سے کئی بار اس طرح

اشارہ فرمایا جیسے تشہد میں کیا جاتا ہے اور خود ہی چہرہ کو قبلہ کی طرف متوجہ فرمالیا، آخر دم تک ٹوپی کو سر پر ٹھیک کرنے کے لئے بار بار ہاتھ سر کی طرف اٹھاتے کہ اچانک ''اللہ'' کی آواز کے ساتھ طائر روح نے ''ملأ اعلیٰ'' میں اپنا نشیمن بنالیا۔ جمعہ کی رات تھی، سوا بارہ بجے کا وقت تھا اور ۱۷ ؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۳ ؍ نومبر ۱۹۹۲ء کی تاریخ تھی اہل تعلق پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، لوگ نڈھال اور بیخود تھے، فضاء پر یہ کیفیت چھائی ہوئی تھی کہ۔

رنگ و بو کی محفلوں میں ابتو دم گھٹنے لگا   تیری رحلت نے عجب ماحول پیدا کردیا

یہ صاعقہ اثر خبر آناً فاناً بلا کسی اہتمام کے اطراف وجوانب اور مضافات میں بجلی کی رَو کی طرح پھیل گئی، لوگوں کا ازدحام تھا کہ ہر طرف سے امڈا چلا آرہا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے ایک اندازہ کے مطابق تقریباً ڈھائی لاکھ کا مجمع اکٹھا ہوگیا، جن میں علماء ومشائخ بھی تھے اور فقہاء ومحدثین بھی، قراء وحفاظ بھی تھے اور ذاکرین وشاغلین بھی، اصحاب اقتدار وارباب سیاست بھی تھے اور عوام الناس زراعت پیشہ وتجارت پیشہ بھی، علماء، فقہاء اور اہل مدارس کی اتنی بڑی تعداد جلال آباد کی سڑکوں، گلی کوچوں اور خانقاہ اور مدرسہ کے میدانوں میں دکھائی دیتی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے قدوسیوں کی جماعت اتر آئی ہے۔ حضرت والاؒ نے اپنی وفات سے دو ہفتہ قبل بھائی جان (صاحبزادۂ محترم) سے فرمایا تھا کہ ''یہاں بھی عرفات ہوجائے گا'' اس وقت کسی نے اس جملہ کا مطلب نہ سمجھا تھا مگر آج جب جلال آباد کی سڑکیں اور راستے کثرت ازدحام سے اس طرح پُر ہوگئیں کہ کھوا سے کھوا چھلتا تھا تب حضرتؒ کے اس جملہ کی تاویل وتوجیہہ سمجھ میں آئی۔

رات میں تقریباً تین بجے غسل دے کر جنازہ کو مجلس خانہ میں رکھ دیا گیا، چہرہ گلاب کی طرح کھلا ہوا تھا اور انوار رحمت کی بارش ہورہی تھی، جیسے ہی لوگوں کو خبر ہوئی کہ جنازہ مجلس خانہ میں رکھ دیا گیا ہے زیارت کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا، اس وقت سے نماز

جمعہ تک برابر زیارت کرنے والوں کی قطار اندر قطار لگی رہی۔ نماز جمعہ کے بعد تین بجے جنازہ اٹھایا گیا، چارپائی کے دونوں طرف لوہے کے کافی لمبے لمبے پائپ لگادیئے گئے تھے تاکہ لوگوں کے لئے کندھا دینے میں آسانی ہو لیکن ازدحام کی کثرت اور مجمع کی بیتابی کے آگے یہ چندفٹ لمبے پائپ کیا کفایت کرتے، تاہم قوت و ہمت والے ہی کندھا دے سکے، آسمان کے فرشتے گویا استقبال کے لئے آئے ہوئے کہہ رہے ہوں ع

عاشق کا جنازہ ہے ذرہ دھوم سے اٹھے

حضرت والاؒ کے آخری وقت کے خادم خاص مولانا عنایت اللہ صاحب لندنی نے نماز جنازہ پڑھائی اور چار بجے آپ کے جسد عنصری کو مدرسہ سے متصل قبرستان میں حضرت مفتی سعید احمد صاحب اور اہلیہ محترمہ کی قبروں کے درمیان کی خالی جگہ میں جس کو حضرت نے خود تجویز فرمایا تھا قبر میں اتار دیا گیا، قبر کے اندر اتارنے والوں میں مولانا آرزو میاں (حضرت کے برادر زادہ) کے علاوہ عالم اسلام کے نامور محدث اور صاحب نسبت بزرگ حضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور بھی شریک تھے، قبر میں لٹادینے کے بعد اتباع سنت میں چہرہ مبارک کو بہت اہتمام کے ساتھ قبلہ رخ کیا گیا، اور چونکہ مجمع ایک اندازہ کے مطابق تقریباً ڈھائی لاکھ تھا اسلئے تدفین کا سلسلہ بھی بہت دیر تک جاری رہا، ہر شخص باچشم تر قلب وجگر تھامے ہوئے مٹی دے کر دل کو کچھ تسکین پہنچالینا چاہتا تھا۔ ملک کے دور و دراز علاقوں کے متعلقین اور پاکستان، افریقہ، فرانس، برطانیہ وغیرہ ممالک غیر کے منتسبین بھی سفری وسائل و ذرائع کے لحاظ سے برابر پہنچتے رہے اور یہ سلسلہ ایک عرصہ دراز تک جاری رہا۔ زندگی میں بھی سب کے محبوب بن کر رہے اور وفات کے بعد بھی ان کی محبوبیت عالم آشکارا ہو کر رہی۔ رسوخ فی العلم، استقامت فی العمل، تفقہ فی الدین اور اصلاح وارشاد امت کے کار عظیم کی

انجام دہی میں حسن تدبیر کا یہ کمال و جامعیت کسی ذات واحد میں کم تر ہی ودیعت کی جاتی ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

تعزیتی تاثرات حضرت مسیح الامتؒ کی وفات کو برصغیر ہندوپاک کے چوٹی کے علماء ومشائخ نے اپنے تعزیتی مکتوبات وپیغامات میں "ایک بڑا دینی حادثہ اور عظیم خسارہ" قرار دیا اور "علم وعرفان کا آفتاب غروب ہوجانے" سے تعبیر کیا۔ جرائد اور مجلات نے درد انگیز اور پرسوز ادارئے اور مضامین لکھے اور مدارس اسلامیہ میں ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا، امریکہ اور یوروپ کے ممالک میں جہاں آپ کے انفاس قدسیہ کے فیضان سے سلوک ومعرفت کے چشمے ابل پڑے تھے صف ماتم بچھ گئی۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنے قلبی احساسات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:۔

"قحط الرجال، دین سے غفلت وجہالت اور مادیت ونفس پرستی کے دور میں ایک عالم ربانی، شخصیت روحانی، راسخ العلم عالم اور داعی الی اللہ کا دنیا سے اٹھ جانا اور تقدیر الٰہی کے مطابق سفر آخرت اختیار کرنا اور حالات زمانہ اور علمی وروحانی زوال کے اس دور میں کسی ایسی شخصیت کا موجود نہ ہونا جو اس جگہ کو پر کر سکے اور اسکے اصلاحی وتربیتی کام کو جاری رکھ سکے یہ ایک بڑا دینی حادثہ اور عظیم خسارہ ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے تربیت یافتہ وخلیفہ مولانا مسیح اللہ خانصاحب جلال آبادی کی

وفات ایک ملی سانحہ ہے جس پر جس قدر افسوس کیا جائے اور اس کی اہمیت اور دوررس اثرات کو محسوس کیا جائے وہ قدرتی اور طبعی ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے اور ان کی روح پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور دعوت الی اللہ، تزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق اور ترقی دینی کی وہ جو مبارک سعی فرمارہے تھے اس کو جاری رہنے کا غیب سے سامان فرمائے اور ایسے داعی الی اللہ اور دینی وروحانی مربیوں کا سلسلہ قائم ودائم رکھے جو مادیت ونفس پرستی کے اس دور میں دعوت الی اللہ، تزکیہ نفوس اور تہذیب اخلاق کا کام جاری رکھ سکیں، جو ان کے اسلاف اور علماء ربانیین نے اپنے اسلاف کرام اور مشائخ عظام سے اخذ کیا تھا اور اس کا سلسلہ جاری رکھا تھا، یہی امت اسلامیہ کا امتیاز اور اس کا منصب ہے"

عالم اسلامی کے مشہور ومعروف محقق عالم اور فقیہ جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، کراچی، پاکستان نے اپنے تاثرات ظاہر کرتے ہوئے ارقام فرمایا:۔

"۱۶ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۲ر نومبر ۱۹۹۲ء کی تاریخ دین اور علم دین سے تعلق رکھنے والوں کے لئے جس جانکاہ حادثہ کی خبر لیکر آئی وہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ قدس سرہ کے خلیفہ اجل حضرت مولانا مسیح اللہ خانصاحب قدس سرہ کی وفات حسرت آیات کا حادثہ تھا، حضرت قدس سرہ کی ذات اس وقت ایک ایسا چشمۂ فیض تھی جس سے نہ صرف برصغیر بلکہ افریقہ،

یورپ اور امریکہ کے دور دراز علاقوں کے مسلمان مستفید ہو رہے تھے، جس نے اس انحطاط پذیر زمانہ میں اتباع سنت پر مبنی دین کی خالص اور بے غل و غش فہم کو عملی صورت میں مجسم کر کے دکھایا اور جس نے شریعت و طریقت کا حسین امتزاج اپنے قول و فعل اور تعلیم و تربیت کے ذریعہ عام کر کے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے فیوض کو زندہ و تابندہ رکھا۔ آج یہ مقدس وجود ہم سے جدا ہو گیا اور ہم اس دریائے فیض سے محروم ہو گئے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ قدس سرہ کی اس خصوصی نظر شفقت کا اثر تھا کہ حضرت مولانا کی تعلیم و تربیت کا فیض دور دور تک پھیلا۔ حضرت حکیم الامت کے ارشاد پر آپ نے جلال آباد میں قیام فرمایا تھا اور وہاں مفتاح العلوم کے نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور تقریباً نصف صدی تک اسی مدرسہ کو فیض رسانی کا مرکز بنائے رکھا، وہیں پر درس و تدریس، تصنیف و تالیف، وعظ و ارشاد اور مدرسہ کے انتظام و انصرام کی خدمات میں مشغول رہے، یہیں پر عرصہ دراز تک صحیح بخاری شریف کا درس دیا جس کی تقریر کا کچھ حصہ شائع بھی ہو چکا ہے۔

حضرت والا کا مستقل قیام اگر چہ جلال آباد میں تھا لیکن دعوت و ارشاد کے مقصد سے آپ نے اطراف ملک اور بیرون ملک سفر بھی بہت کئے برصغیر کے علاوہ جنوبی افریقہ،

برطانیہ، فرانس، امریکہ پناما، مصر وغیرہ کے دورے فرمائے اور اس طرح آپ کا علمی اور روحانی فیض ان تمام علاقوں میں پہنچا اور دنیا کے ان تمام خطوں میں آپ کے متوسلین اور متعلقین موجود تھے جو خط و کتابت کے ذریعہ آپ سے اصلاحی تعلق استوار کئے ہوئے تھے، ان حضرات کے خطوط کا ایک انبار ہر وقت آپ کے سامنے موجود رہتا اور ہر خط کا اطمینان بخش جواب مختصر مدت میں روانہ ہو جاتا''

پاکستان کے نامور اہل قلم عالم مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ مدیر ''بینات'' کراچی نے لکھا:۔

'' ۱۶؍ جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۲؍ نومبر ۱۹۹۲ء کو حضرت مولانا مسیح اللہ خانصاحب جلال آبادی کا وصال ہوا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ شاملۃ کاملۃ ۔حق تعالیٰ شانہ کی عنایت خاصہ نے حضرت مرحوم کو چند خصائص سے نوازا تھا جو اس زمانہ میں نادر الوقوع ہیں۔ اول یہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے بچپن ہی سے طاعت وعبادت اور اہل اللہ سے تعلق کا ذوق عطا فرمایا تھا۔ بچپن اور جوانی کا زمانہ عام طور سے لا ابالی کا دور ہوتا ہے مگر حضرت مرحوم ابتداء ہی سے زاہد شب زندہ دار تھے، اور حق تعالیٰ شانہ نے ان کو حدیث نبوی ''شاب نشأ فی عبادۃ اللہ '' کا مصداق بنایا تھا۔ دوم فنائیت و تواضع انسان کا سب سے بلند ترین جوہر ہے جس پر بے شمار اخلاقی کمالات متفرع ہوتے ہیں،

جیسا کہ عجب و کبر، خود پسندی و خود رائی، نفسانی رذائل میں سب سے بدتر رذیلہ ہے جس کو حضرات صوفیاء ''ام الامراض'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت کو فنائیت کے جوہر انسانیت سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا، گویا ارشاد نبوی ''انتم بنو آدم و آدم من تراب''۔

سن مبارک چوراسی سال کے قریب تھا، طبعی اضمحلال اور مختلف عوارض کا سلسلہ ایک عرصہ سے چل رہا تھا، ابھی کچھ عرصہ سے صاحب فراش چلے آتے تھے تا آنکہ شب جمعہ ۱۶/ جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ کو وقت موعود آ پہنچا اور ذکر الٰہی میں مشغول ہونے کی حالت میں واصل بحق ہوئے۔

اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه و أكرم نزله ووسع مدخله و ابدله داراً خيراً من داره واهلا خيرا من اهله. اللهم لا تحرمنا أجره ولا تفتنا بعده''

حضرت مولانا سالم صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند (وقف) نے تحریر فرمایا:-

''حضرت مولانا مسیح اللہ خانصاحب نور اللہ مرقدہ کی ذات با برکات اپنے اوصاف و کمالات کی بدولت خواص و عوام سب کے لئے مرجع انام تھی، رشد و ہدایت کا یہ فیض مسیح الامت کی خانقاہ سے ملک گیر و عالم گیر پیمانہ پر پچاس برس سے جاری و ساری تھا۔ حضرت کی وفات سے ان تمام متوسلین و معتقدین کو جو گہرا صدمہ پہنچا وہ اک طبعی اور ناگزیر بات تھی۔ دعا ہے کہ خداوند عالم حضرت والا کے درجات بلند فرمائیں''

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند نے اپنے تاثرات کا اظہار اسطرح کیا:۔

"حضرت مولانا مسیح اللہ خانصاحب رحمۃ اللہ علیہ اس دور میں اکابر کی قابل رشک خصوصیات کے حامل تھے، شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پاک کے تلمذ پھر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ سے باطنی فیوض کے اکتساب اور خلعت خلافت نے ان کی ذات میں جامعیت کی شان پیدا کر دی تھی۔ افسوس کہ اکابر کی یہ صد اعتماد شخصیت بھی ہم سے جدا ہوگئی، انا للّٰہ و انا الیہ راجعون"

حضرت مولانا انعام الرحمٰن صاحب تھانوی مدیر "آئینہ مظاہر علوم" سہارنپور نے لکھا:۔

"آپ ذہن رسا کے مالک جلیل القدر و متبحر عالم تھے، صاحب بصیرت و عظیم المرتبت شیخ و مرشد تھے، منفرد شخصیات کے اجل علماء میں ایک خاص امتیاز کے حامل تھے، طالبان دین و شریعت کے مرجع و آماج گاہ، علم و حکمت اور تصوف و سلوک کے مجمع البحار تھے، آپ کو جو مرجعیت و مرکزیت حاصل تھی اور آپ سے تبلیغ و تعلیم نبوت کی اشاعت اور امت کی اصلاح و تربیت کا جو فیضان جاری ہوا وہ مستغنی عن التعارف والتوصیف ہے۔ افسوس ہے ایک جامع عالم دین اور عارف باللہ امت کے سر سے اٹھ گیا اور علم و عرفان کا یہ آفتاب عالم تاب غروب ہو گیا۔ حضرت کی وفات دنیائے علم و

ملت کا نا قابل تلافی نقصان عظیم ہے، اس سانحہ عظمٰی پر قلوب غم ناک اور آنکھیں نمناک ہیں"

مولانا نجم الحسن تھانویؒ ناظم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون لکھتے ہیں:۔

"حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب مدظلہ کو اطلاع کی، سنتے ہی ایک دم بخار ہو گیا، حضرت مولانا مفتی محمود نے مدراس میں خبر سنی، پندرہ منٹ تک سکتہ کی کیفیت ہو گئی، دو روز تک مجلس میں حضرت کا تذکرہ کرتے رہے، میرٹھ میں ایک صاحب کا خبر سنتے ہی ہارٹ فیل ہوا، فوراً انتقال کر گئے، بسوں کی چھتیں، ٹرالیاں اور جس کو جس طرح سواری میسر آئی لٹکتا ہوا جلال آباد پہنچا ۳½ بجے نماز جنازہ ہوئی صبح ہونے سے قبل ہی سب ہی جگہوں پر اطلاع پہنچ گئی تھی"

مصنف شہیر اور نامور اہل قلم پروفیسر ڈاکٹر ماجد علی خان، دہلی نے اپنے تاثرات کا اظہار بہت معلومات افزا اور پرسوز انداز میں کیا ہے، ہم یہاں ان کا پورا مضمون نقل کرتے ہیں:۔

"وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے"

وطن عزیز ہندوستان کے علاوہ دنیا کے اٹھارہ ممالک میں سفر اور اکثر میں قیام کے دوران راقم السطور کی سیکڑوں جید علماء اور بیسیوں کبار مشائخ سے ملاقات ہوئی ہے اور بہت سے مشاہیر صوفیاء کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف بھی حاصل ہوا ہے، لیکن اتباع سنت، پابندی شریعت، تاثیر صحبت اور حسن اخلاق ظاہرہ و باطنہ کے اعتبار سے کسی کو حضرت مولانا مسیح اللہ خان

صاحب شروانی جلال آبادی قدس سرہ سے بڑھا ہوا نہیں پایا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس دور میں تصوف کے امام تھے، اگر وہ تصوف جو در اصل تزکیہ نفس ہے اور حدیث میں جس کو احسان سے تعبیر کیا گیا ہے اور جو شریعت سے جداگانہ کوئی الگ شئ نہیں ہے اس کو اس دور میں عملی شکل میں دیکھنا ہو تو خانقاہ جلال آباد میں اس کے مناظر مل سکتے ہیں۔

حضرت مولانا مسیح اللہ جلال آبادیؒ نے تصوف کو شریعت سے جدا کر کے کبھی نہیں دیکھا بلکہ اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کے خیالات اور تعلیمات کے عین مطابق تصوف کو شریعت کا ہی ایک شعبہ تسلیم کیا، اس موضوع سے حضرت کی مجالس اور نجی گفتگو پُر رہتی تھیں، یہی نہیں بلکہ اس موضوع پر ایک اہم تصنیف ''شریعت و تصوف'' کے نام سے بھی تحریر کی، حضرت مولاناؒ کی جو ''مجالس'' زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں ان میں بھی یہ موضوع بکثرت ملے گا۔

حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہ کی ولادت شریفہ ۱۳۲۹ھ یا ۱۳۳۰ھ کو آپ کے وطن سرائے برلہ تحصیل اترولی ضلع علی گڑھ میں شروانی خاندان میں ہوئی ، چونکہ بالتعیین تاریخ پیدائش معلوم نہیں ہے اس وجہ سے دو سال لکھے گئے ہیں، آپ کا تعلق شروانی خاندان سے تھا جو ہمیشہ سے

ہی بہت سی خصوصیات کی وجہ سے پٹھانوں کا ایک ممتاز خاندان رہا ہے جس میں نہ صرف بڑے بڑے رؤساء، امراء اور اہل ریاست پیدا ہوئے بلکہ اہل کمال صوفیاء اور اہل اللہ علماء بھی ہوئے۔

ضلع علی گڑھ کا موضع برلہ ایک پرانا موضع تھا جو کہ باقاعدہ طور پر مسلم عہد حکومت میں بسایا گیا تھا، اس موضع میں شروانی خاندان کے ایک مقتدر صاحب حیثیت شخص صفات خان صاحب تھے وہی حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مورث اعلیٰ تھے، آپ کے والد ماجد احمد سعید خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہایت ذکی قابل اور انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے، آپ کی ابتدائی تعلیم وطن مالوف میں ہوئی اور بعد کو فارسی وعربی کی تعلیم بھی آپ نے اپنے وطن میں ہی حاصل کی، مشکوۃ سے نیچے درجہ تک کی علوم دینیہ کی کتابیں آپ نے اپنے وطن میں ہی حضرت مفتی سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں، بعد میں آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور مشکوۃ، ہدایہ وغیرہ اور دورۂ حدیث کی کتب دارالعلوم میں پڑھ کر علوم دینیہ کی فراغت حاصل کی اور فضیلت سے سرفراز ہوئے۔

جس سال آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اسی سال آپ نے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور باقاعدہ اصلاحی خط وکتابت کا

سلسلہ شروع فرمایا، کچھ عرصہ کے بعد اسی سال یا اگلے سال آپ حضرت تھانویؒ سے باقاعدہ بیعت ہوئے جس سال آپ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اسی سال یعنی ۱۳۵۱ھ میں ۲۵ر شوال کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو خلافت مرحمت فرمائی، آپ کی فطری صلاحیتوں اور اکتساب فیوض کی خصوصیت کی وجہ سے کم عمری میں ہی آپ کا شمار حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے مخصوص خلفاء میں ہونے لگا، جن گیارہ مجازین پر حضرت تھانوی قدس سرہ کو خصوصی اعتماد تھا ان میں آپ کا شمار بھی ہوتا تھا۔

اس وقت جلال آباد (ضلع مظفرنگر، یوپی) میں ایک معمولی سا مدرسہ تھا، جلال آباد تھانہ بھون سے تین چار کیلومیٹر پر سہارنپور کی جانب واقع ہے، آپ ۱۳۵۷ھ میں اپنے پیرومرشد حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے ارشاد سے جلال آباد تشریف لائے اس وقت مدرسہ کے کل دو کمرے تھے، ایک حافظ صاحب تھے اور دوسرے مدرس حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خان صاحب مقرر ہوئے، آپ اس مدرسہ کی خدمت میں مرشد رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے بموجب تن و جان سے لگ گئے یہاں تک کہ جب آپ اس دنیا سے عالم آخرت میں منتقل ہوئے تو وہ معمولی سا دو کمروں والا مدرسہ ایک بڑے دارالعلوم، جامعہ مفتاح العلوم میں تبدیل ہو چکا تھا، جس میں اس وقت

تقریباً پانچ سو طلبہ مختلف مراحل میں علوم دینیہ کی تکمیل کر رہے ہیں، منتہی طلبہ دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کر کے درس نظامی کی فضیلت سے سرفراز ہوتے ہیں، مدرسہ میں افتاء کا بھی نظم ہے اور فراغت کے بعد باصلاحیت خواہش مند طلبہ کو افتاء کی بھی تربیت دیجاتی ہے۔

اس وقت مدرسہ کی عالیشان بلڈنگ ہے، اس سے ملحق ایک بہت خوبصورت اور وسیع مسجد ہے، کئی دارالاقامہ ہیں، اور مدرسہ کی اپنی جائداد بھی موجود ہے، اس مدرسہ میں باہر ممالک خصوصاً ساؤتھ افریقہ، انگلینڈ، اور فرانس کے طلبہ بھی بڑی تعداد میں علم حاصل کرتے ہیں، مسجد سے ملحق برآمدوں میں خانقاہ ہے جس میں بالائی اور تحتی منزلوں میں سترہ کمرے ہیں، خانقاہ میں طالبین قیام کرتے ہیں، یہ حضرات حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب نوراللہ مرقدہ کی زیرنگرانی سلوک کی منازل طے کرتے ہوئے اپنے مولی سے لو لگاتے تھے، اور اب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے وجانشین حضرت مولانا محمد صفی اللہ خانصاحب شروانی جلال آبادی دامت برکاتہم کی نگرانی میں اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی سعی میں لگے ہوئے ہیں، وفات سے کافی عرصہ قبل حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جگہ اپنے صاحبزادے حضرت مولانا صفی اللہ خانصاحب دامت برکاتہم عرف بھائی جان کو ہی جامعہ مفتاح العلوم کا مہتمم مقرر فرما دیا تھا۔

مدرسہ میں دورۂ حدیث شروع ہونے کے بعد سے وفات سے تقریباً پندرہ سولہ سال قبل تک بخاری شریف کا درس حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود ہی دیتے تھے، بعد کو پیرانہ سالی کیوجہ سے درس بخاری تو بند کر دیا تھا لیکن ختم بخاری شریف خود ہی کرتے تھے، ختم بخاری شریف کے دن مدرسہ میں ایک میلہ سا لگا ہوتا تھا اور ہزاروں لوگ دعاء میں شرکت کرنے آتے تھے، ایک سال قبل جب کہ راقم السطور بھی ختم بخاری میں آخری بار شریک ہوا تھا، ایک تخمینہ کے مطابق پچاس ہزار سے زائد افراد نے ختم بخاری میں شرکت کی تھی، آس پاس کے اضلاع اور دور دراز کے علاقوں سے لوگ اس متبرک جلسہ میں شریک ہونے آئے تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ختم بخاری کی تقریر تین ساڑھے تین گھنٹہ کی ہوتی تھی اور بعض مرتبہ اس سے بھی زیادہ، یعنی تقریباً تین ساڑھے تین گھنٹہ میں بخاری شریف کی آخری حدیث کی تشریح فرماتے تھے جو ایک زبردست عالمانہ لکچر ہوتا تھا یہ تقریر طبع بھی ہو چکی ہے جس سے آپ کی وسعت علم اور دقیق النظری کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خاں صاحب شروانی جلال آبادی قدس سرہ ایک زبردست اور جید عالم دین تھے، اب تک مطبوعہ مجالس کے پندرہ حصوں کو اگر شامل کر لیا جائے تو آپ کی ۳۵ سے زیادہ تصنیفات ہیں، اس میں شرح بخاری ''فضل الباری'' (اردو) کے چار حصے شامل ہیں، افسوس کہ یہ شرح مکمل طور پر طبع

نہ ہو سکی۔

تصوف میں آپ کی معرکۃ الآراء تصنیف ''شریعت وتصوف'' ہے جس میں آپ نے یہ ثابت کیا ہے کہ تصوف دراصل شریعت ہی کا ایک جز ہے، کتاب کے شروع میں آپ فرماتے ہیں: ''شریعت کا وہ جز جو اعمال باطنی سے متعلق ہے تصوف وسلوک، اور وہ جز جو اعمال ظاہری سے متعلق ہے فقہ کہلاتا ہے'' یہ کتاب دو حصوں میں ہے پہلے حصہ میں حقیقت تصوف، ضرورت تصوف اور قرآن کے تحت عنوانات ہیں جس میں مدلل طریقہ سے تصوف اور شریعت کے ربط پر گفتگو کی گئی ہے، بعد میں اس میں شیخ کامل کی پہچان، مرشد کے حقوق، مجاہدہ، اخلاق رذیلہ، اخلاق حمیدہ، اخلاص، توبہ، محبت، شوق، خوف، رجاء، زہد، توکل، صدق، تفویض، رضا وغیرہ سے بحث کی گئی ہے، کتاب کے دوسرے حصے میں اصطلاحات تصوف سے تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ مزاجاً بہت نرم، خوش خلق، مہمان نواز، مستجاب الدعوات اور متبع سنت تھے، آپ تقوی، حلم، تواضع اور مروت کے اعلی درجات پر فائز تھے، اس مختصر مضمون میں آپ کی صفات عالیہ پر گفتگو کرنا مشکل ہے، مختصر یہ کہ آپ قول وعمل میں پوری طرح سنت نبوی کے پابند تھے، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، سونے اور جاگنے میں شدت سے سنت پر عمل فرماتے تھے،

یہاں تک کہ جوتا تک پہننے میں اور اتارنے میں بھی راقم السطور نے کبھی بھی آپ کو خلاف سنت کوئی عمل کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

حضرت کی توجہ باطنی کا ایک معمولی سا واقعہ تحریر کیا جاتا ہے، ایک مرتبہ شاید بارہ تیرہ سال قبل حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے حکم دیا کہ میں حضرتؒ کے نعلین مبارک پہنوں، میں نے حکم کی تعمیل کی، چند منٹ کے بعد جب میں نے نعلین مبارک اتاری تو اپنے آپ کو "سلطان الاذکار" میں مشغول پایا، یعنی میرے جسم کے روئیں روئیں سے اللہ کا ذکر نکل رہا تھا۔ حضرت والاؒ کے قالین، پلنگ، بستر اور ان دیواروں کو جہاں آپ تشریف فرما ہوتے تھے، خود راقم السطور نے ذکر الٰہی میں مشغول محسوس کیا، لیکن ہمارے نزدیک تصوف میں ان چیزوں کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے، کیونکہ ان کا تعلق کشف و کرامت سے ہے نہ کہ اعمال اختیاری سے، غیر اختیاری اعمال کا درجہ تصوف میں سمندر کے جھاگوں جیسا ہے، دراصل ولایت اور تصوف کی انتہا مکمل اور کامل اتباع سنت اور پابندی شریعت بمع ملکہ یادداشت اور تعلق باللہ ہے، ہمارے نزدیک شیخ کامل کی پہچان بھی پابندی شریعت و اتباع سنت بمع ملکہ یادداشت و تعلق باللہ ہے نہ کہ کشف و کرامات۔

کی وفات ۱۳؍نومبر ۱۹۹۲ء مطابق ۱۷؍جمادی الاول ۱۴۱۳ھ کو شب جمعہ میں سوا بارہ بجے ہوئی جنازہ میں تخمینہ کے مطابق ڈیڑھ لاکھ سے زائد افراد تھے، بعد نماز جمعہ آپ کی تدفین جلال آباد (ضلع مظفر نگر، یوپی) میں ہوئی۔

(بشکریہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند دسمبر ۱۹۹۲ء)

یہ بطور نمونہ ''مشتے از خروارے'' چند تعزیت نامے اور تاثرات درج کردئے گئے ہیں، ورنہ ملک اور بیرون ملک یورپ، امریکہ اور افریقہ کے مختلف بلاد و امصار کے علماء، مشائخ اور ارباب حل و عقد کی طرف سے اتنے تاثرات اور پیغامات موصول ہوئے کہ ان کا شمار کرنا آسان نہیں۔

بعض موزوں طبع حضرات نے اپنے تاثرات اشعار کی شکل میں پیش کئے ان میں سے چند اشعار درج کئے جاتے ہیں۔

مفتی رشید احمد صاحب مرتب ''حیات مسیح الامتؒ'' کی موزونی طبع اپنے محبوب استاذ اور شیخ کی جدائی اور فراق پر اس طرح گریہ کناں ہوئی۔

واحسرتا کہ آج مسیحائے درد دل — سوئے جنان خلد یہاں سے چلا گیا
وہ بزم اشرفی کا گویا آخری چراغ — دے کر چلا گیا ہمیں فرقت کا اپنی داغ
جو اپنے زمانے کا امام سلوک تھا — یکتائے دہر، قطب زمانہ تھا، فرد تھا
وہ آسمان رشد و ہدایت کا آفتاب — جو تربیت کے باب میں تھا مثل ماہتاب
ہر فکر و غم کا جسکی ایک نظر تھی علاج — وہ آج اس جہاں سے عزیزو چلا گیا

مفتی عبدالقدوس رومی صاحب الہ آبادی مفتی شہر آگرہ نے ان اشعار سے تاریخ وفات نکالی۔

آیا اگر ہے آج تو جائے گا کل ضرور ہاتف کی یہ ندا ہے صدائے سروش ہے
حضرت جلال آبادیؒ مجسم جمال تھے گردیکھتے ملک بھی سمجھتے سروش ہے
رومیؔ جو تم کو چاہئے تاریخ انتقال غالب کا مصرع لے کے نکالو جو ہوش ہے
کم کردو تم "لقب" کے عدد پہلے پھر کہو "جو شمع رہ گئی تھی سو وہ خموش ہے"

۱۳۲ ۲۱۲۴ ۱۳۲ ۱۹۹۲ء

مولانا محمد یسین صاحب استاذ حدیث جامعہ مفتاح العلوم، جلال آباد نے اپنے قلبی جذبات کا اظہار یوں کیا۔

وائے رخصت ہو گیا ہے ہم سے میر کارواں عزم ہمت کا نشاں اور دین حق کا ترجماں
اے مسیحا دل ربا تو پیکر ایثار تھا عالم اسلام کا تو رہبر و دلدار تھا
عشق تھا تجھکو محمد مصطفیٰ کی ذات سے مطمئن رہتا تھا ہردم تو خدا کی ذات سے
ہاتھ میں لیکر چلا پرچم خدا کے نام کا درس دیتا تھا تو سب کو رفعت اسلام کا

شاہدؔ نوحی نے اس طرح خراج عقیدت پیش کیا۔

خاص مومن تھا، ولی تھا، مرد حق آگاہ تھا نام اس سچے مسلماں کا مسیح اللہ تھا
ہر کسی کا چارہ فرما تھا وہ اپنی ذات سے یعنی اسم با مسمی تھا وہ اپنی ذات سے
پیکر رشد و ہدایت، عاشق دین رسول حق بیانی اسکا شیوہ راست بازی تھا اصول

مدتوں میں رونما ہوتی ہیں ایسی ہستیاں
مفتخر ہوتی ہیں جن پر بستیوں کی بستیاں

انیسؔ مظفر نگری نے اس طرح اظہار غم کیا۔

قناعت اور توکل میں کہاں ہے آپ کا ثانی وہ سمجھے آئی ہو حصہ میں جس کے مرتبہ دانی
علوم ظاہری اور باطنی پر آپ قادر تھے ہمہ دانوں سے بڑھ کر چھین لیتے تھے ہمہ دانی

ہمیں کیا یہ تو سب اپنے پرائے کی زباں پر ہے — ترے دم سے تھی قائم گرمی بازار عرفانی
ترے غم میں جنون عشق بڑھ جاتا کچھ یوں بھی — انیسؔ غم کیا کرتا ہے پہروں چاک دامانی

نجم مظفر نگری نے اپنے احساسات کو اسطرح بیان کیا۔

نبض دوراں پر تھیں جس کی انگلیاں شام وسحر
وہ مسیح قوم، مخلص پاسباں رخصت ہوا
وہ فقیہ باصفا، وہ عاشق شب زندہ دار
مرد حق آگاہ اور تسبیح خواں رخصت ہوا
جس نے سمجھائے شریعت اور تصوف کے رموز
علم دین ومعرفت کا راز داں رخصت ہوا

حصۂ دوم

خصوصیات وکمالات

اور خدمات

باب ۱

انداز تربیت اور طریقہ اصلاح

اندازِ تربیت اور طریقۂ اصلاح

اب تک جو سپردِ قلم کیا گیا وہ مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب شروانی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے ظاہری احوال کا ایک سرسری خاکہ تھا گو کہ اس ضمن میں جا بجا آپ کے علمی وعملی کمالات اور باطنی فیوض وامتیازات کی جھلکیاں بھی دکھائی دیتی رہی ہیں، تاہم ناگزیر ہے کہ ان کا ذکر مستقل اور ذرہ مفصل کیا جائے، مگر حیرانی یہ ہے کہ ایک کور باطن، ذہن نارسا اور خامہ کوتاہ ان اوصاف وکمالات کی صورت گری اور منظر کشی کس طرح کرے جن کا کامل ادراک بھی اس کے قلب ودماغ کے حیطہ قدرت سے باہر ہے اور جو کچھ علم وادراک کی گرفت میں ہے بھی ان کے اظہار وبیان سے کماحقہ زبان قلم عاجز اور قاصر ہے کہ بعض اوقات مشاہدات ومحسوسات کو بھی الفاظ وتعبیر کا لباس پہنانا ناممکنات میں سے ہو جاتا ہے تا بہ ذوق ووجدان چہ رسد۔ کیا شاداب مرغزاروں، سرسبز وادیوں، جھومتے ہوئے آبشاروں کے جلو میں بادِ نسیم کے خنک جھونکوں سے جو کیف وسرور حاصل ہوتا ہے بے جان الفاظ سے اس کی تعبیر واظہار ممکن ہے؟ پھر باطنی کمالات، معنوی خصوصیات اور باغ دل میں کھلے ہوئے لالہ وگل، بسے ہوئے چمنستان وگلزار کی بہاروں کو کن الفاظ وتعبیرات کا جامہ پہنایا جائے۔ بہر حال "ما لا یدرك كله لا يترك كله" کے قاعدہ کے مطابق اپنے نقص فہم وادراک، عجز بیان واظہار اور کوتاہ قلمی کے باوجود جو کچھ بن پڑتا ہے حوالہ قرطاس کرنے کوشش کی جاتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی بعثت کے مقاصد اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت وضاحت کے ساتھ بیان فرمائے ہیں:۔

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم آیته و	وہی ہے جس نے ناخواندہ (عرب کے) لوگوں میں انہی میں سے

یزکیھم و	ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو
یعلمھم الکتب و	اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے
الحکمۃ و ان کانوا	ہیں اور انکو پاک کرتے ہیں
من قبل لفی ضلل	اور انکو کتاب وحکمت کی تعلیم
مبین.	دیتے ہیں اور یہ لوگ پہلے
(جمعہ: ۲۰)	سے کھلی گمراہی میں تھے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بعثت نبوی کا ایک مقصد "تزکیہ" بتلایا ہے، یعنی لوگوں کے عقائد واعمال اور اخلاق وکردار کو گندگیوں سے پاک وصاف کرنا اور ان کی ایسی تربیت کرنا کہ ان کے عقائد صحیح، اعمال درست اور اخلاق وکردار پاکیزہ ہو جائیں۔ ان کا ظاہر صلاح وتقوی کے زیور سے آراستہ ہو جائے اور باطن اللہ جل شانہ کے عشق ومحبت سے لبریز اور نور معرفت سے منور اور روشن۔

علمائے ربانیین اور مشائخ کاملین رسول اکرم ﷺ فداہ ابی وامی کے وارث اور نائب ہوتے ہیں، تلاوت آیات اور تعلیم کتاب وحکمت کے ساتھ تزکیہ نفوس اور تربیت اخلاق ان کی ایک اہم ذمہ داری ہے جو ذات نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام سے ان کو ورثۃً حاصل ہے۔ یہ نہایت اہم اور ساتھ ہی بہت مشکل اور دشوار کام ہے، مختلف صلاحیت واستعداد اور طبیعت ومزاج کے لوگوں سے سابقہ ہوتا ہے، سب کو ایک لکڑی سے ہنکانا نہ کار دانشمندی ہے اور نہ اصلاح وتربیت کے لئے مفید، یہ شیخ کامل کی حکمت وتدبر اور شان اجتہاد کی کرشمہ سازی ہوتی ہے کہ وہ ہر ایک کے لئے مناسب راہ عمل تجویز کرتا ہے اور اسے منزل مقصود سے ہمکنار کرتا ہے۔ ہمارے حضرت مسیح الامتؒ کو حق تعالیٰ نے حکمت وتدبر کا اعلیٰ درجہ عطا فرمایا تھا اور علمی واجتہادی شان سے حصہ وافر کی ارزانی فرمائی گئی تھی، رأفت ورحمت

اور شفقت وہمدردی کے تو پیکر ہی تھے، غصہ سے اس قدر نفرت تھی کہ بطور لطیفہ فرماتے کہ اگر غصہ کہیں مل جائے تو اس کو میرے پاس پکڑ لاؤ میں اس کو ذبح کردوں، طبیعت میں رفق ونرمی حد درجہ تھی مگر اس کے باوجود باب اصلاح میں مداہنت کا گذر تک نہ تھا، کوئی موقع اصلاح کا ہو اور آپ خاموش رہ جائیں ممکن نہ تھا لیکن یہ سب کچھ اسی حکمت وتدبر کے ساتھ اور مؤثر پیرایہ میں۔ اس قسم کے کئی واقعات آپ گذشتہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ فرماتے کہ:۔

> ''شیخ کو چاہئے کہ ہر ایک کے ساتھ اس کی طبیعت اور مزاج کے مطابق سلوک کرے، بعضوں کو معمولی اشارہ ہی کافی ہوتا ہے، بعضوں کو صرف کہنا کافی ہوتا ہے، بعضوں کو تاکید کرنا کافی ہوتا ہے، بعضوں کو تنبیہ کے ساتھ سرزنش بھی کرنا پڑتا ہے اور بعضوں کے لئے سزا بھی تجویز کی جاتی ہے'' (حیات مسیح الامتؒ ص۴۴۱)

چنانچہ ایک شخص نے جو داڑھی منڈاتے تھے خط لکھا کہ آپ کے پاس آنے کو بہت جی چاہتا ہے مگر میں داڑھی منڈاتا ہوں اسلئے حضرت والا کے پاس حاضر ہونے سے شرماتا ہوں۔ حضرت والاؒ نے جواب تحریر فرمایا:۔

> ''بھائی کسی کا ظاہر ٹھیک نہیں ہے، کسی کا باطن ٹھیک نہیں ہے، لہٰذا شرم کی کیا بات ہے، چلے آؤ''

ایک روز ایک نوجوان حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ میں اپنا حال آپ سے بیان کرنا چاہتا ہوں اور آپ سے نہ بیان کروں تو کس سے کروں۔ پھر وہ کہنے لگا کہ میں جب شراب پی لیتا ہوں تو ٹھیک رہتا ہوں ورنہ روزانہ ایک جھٹکا سا لگتا ہے اور پریشان ہو

جاتا ہوں۔ حضرت نے اس سے ارشاد فرمایا:۔

”تم نے بہت اچھا کیا اپنا حال مجھ سے بیان کر دیا، دیکھو تم اس کو حرام تو سمجھتے ہو، اس نوجوان نے عرض کیا کہ جی ہاں، میں نے کہا بس تم پکے سچے مسلمان ہو اور دیکھو جیسی یہ شراب حرام ہے ویسی ہی ناپاک بھی ہے، لہٰذا اس کو بس ارادہ کر کے چھوڑ دو، جھٹکا لگے گا کوئی پرواہ نہ کرو، دیکھو انشاء اللہ چند روز میں سب ٹھیک ہو جائے گا“

اسی نوع کا ایک واقعہ سنتے چلئے جس سے اندازہ ہوگا کہ وہ امور جن کو غالباً معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے حضرت اس پر بھی بطریق احسن روک ٹوک فرمانے سے صرف نظر نہ کرتے تھے، ہوا یہ کہ ایک دن ایک خان صاحب تشریف لائے ان کا پائجامہ ٹخنوں سے نیچا تھا، حضرت والاؒ نے فرمایا کہ:۔

”خان صاحب، اس طرح تو یہ بیچارہ پائجامہ خراب ہو جائے گا، پھٹ جائے گا اور پھر زنانہ بھی ہو جائے گا تو اس میں دین کا بھی نقصان ہے اور دنیا کا بھی نقصان ہے، لہٰذا اس کو اوپر رکھنا چاہیئے“

ایسے مواقع پر جب لوگوں کی ہمتیں پست ہو جاتی ہیں، حوصلے ٹوٹ جاتے ہیں اور ان پر مایوسی کے بادل چھا جاتے ہیں، حضرت والاؒ اس طرح ہمت بندھاتے، ڈھارس دلاتے اور نیا ولولہ پیدا فرما دیتے کہ ڈوبتی کشتی ساحل مراد کی طرف رواں دواں ہو جاتی۔ کسی مدرسہ کا واقعہ ہے کہ وہاں بنگلہ دیش کے کوئی طالب علم پڑھتے تھے، ان کے پاسپورٹ کے کاغذات میں کسی کمی کی وجہ سے سی، آئی ڈی والے پریشان کرتے تھے، ایک مرتبہ جیل بھی

بھیج دیا، بعد میں وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا حال بیان کیا اور کہا کہ اب دوبارہ خطرہ ہے، آپ نے ان کی ہمت بڑھائی اور فرمایا کہ جیل میں روٹی نہیں ملتی؟ عرض کیا کہ ملتی ہے، فرمایا کہ کیا مکان نہیں ملتا؟ کہا کہ ملتا ہے، فرمایا کہ کیا کوئی مشقت وغیرہ کا کام لیا جاتا ہے؟ عرض کیا کہ کوئی کام نہیں لیا جاتا، فرمایا کہ پھر گھبرانے کی کیا بات ہے، وہ جیل لے جائیں آپ کتاب لے کر جیلخانے چلے جائیں، جیل خانہ کو مدرسہ بنالو، جب چھوڑ دیں آجاؤ مدرسہ میں پڑھو، جب لیجائیں پھر چلے جاؤ، اس میں گھبرانے اور پریشان ہونے کی کیا بات ہے، آپ جیل خانہ سے گھبراتے کیوں ہیں، یہ سن کر ان کی پریشانی الحمد للہ دور ہوگئی اور ہمت بندھ گئی۔

مطلب یہ تھا کہ جب کوئی چیز اضطراری اور غیر اختیاری ہو تو اس کے لئے ضروری اور مباح تدبیر اختیار کرنے کے بعد ایسی توجیہ کرلینی چاہئے کہ طبیعت کو سوئی حاصل ہو جائے، سارے معاملات کو اللہ کے حوالہ کر کے اپنے کو ضروری کاموں میں مشغول کرلے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت کا انتظار کرے۔

ایک روز ایک صاحب حاضر ہوئے، دریافت فرمایا کہ کیسے آئے؟ کہاں سے آئے؟ عرض کیا کہ فلاں جگہ سے آیا ہوں اور زیارت کے لئے آیا ہوں، کچھ دیر کے بعد دوران گفتگو کہا کہ یہاں رہنے کا ارادہ ہے اور یہ بھی ظاہر کیا کہ اصلاح کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ اس پر ارشاد فرمایا کہ "دیکھو شروع ہی میں بات پوری کہدینی چاہئے تھی، پہلے آپ نے کہا کہ زیارت کے لئے آیا ہوں اور اب کہا کہ میں قیام کے لئے آیا ہوں، پھر فرمایا کہ دیکھو، ضروری چیزوں کی اصلاح شروع ہوگئی، اصلاح میں انتظار کیسا؟ کہ کل کہدوں گا، پرسوں کہدوں گا، کل پرسوں تک کس کو یاد رہتا ہے، ہاں اگر کوئی تنہائی کی بات ہو تو الگ بات ہے، بعد میں کہدی جائے۔ پھر ان سے فرمایا کہ یہ صاحبان جائیں

گے، آپ ان کے ساتھ چلے جائیں، یہ حضرات ناظم صاحب سے ملاقات کرادیں گے، قیام بھی ہوگا، طعام بھی ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

آپ نے دیکھا کہ ایک نو وارد طالب اصلاح کی قابل اصلاح باتوں پر تنبیہ بھی فرمائی جارہی ہے مگر وہی رفق ونرمی اور شفقت ورحمت کے ساتھ، مادہ فاسد کے اخراج کے لئے آپریشن ضروری ہے تو وہ ہو رہا ہے لیکن اس طرح اظہار تلطف کے ساتھ کہ لطف و عنایت کی شیرینی کے مزہ نے آپریشن کے زخم کی تکلیف کو محسوس ہونے سے پہلے ہی مندمل کردیا۔

سرسری طور پر یہ چند واقعات اسلئے درج کردئے گئے تاکہ حضرت قدس سرہ کے طرز اصلاح وتربیت کی ایک عمومی جھلک قارئین کے سامنے آجائے اور ان کی روشنی میں حضرت کے ذوق ومزاج سے کچھ روشناسی ہوجائے۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ راقم الحروف اپنے اس مضمون کے ضروری حصوں کو نقل کردے جو اس نے حضرت مسیح الامتؒ کے ساتھ اپنی مکاتبت کی روشنی میں حضرت کے ''طرز اصلاح وتربیت'' کے موضوع پر کئی سال پہلے لکھا تھا اور جو ملک کے متعدد مؤقر رسالوں میں شائع ہوچکا ہے:۔

> ''(مظاہر علوم سہارنپور میں دور طالب علمی میں) اپنے بعض ساتھیوں سے جلال آباد اور مرشدی حضرت مولانا مسیح اللہ خانصاحب شروانی نور اللہ مرقدہ کا نام پہلی بار سنا کہ حضرت حکیم الامتؒ کے اجل خلفاء میں سے ہیں اور اس دیار میں مسند رشد وہدایت کی زینت ہیں۔ دل میں زیارت کا اشتیاق پیدا ہوا اور رفتہ رفتہ شدت اختیار کرگیا، اور پھر جب مدرسہ میں غالباً امتحان سہ ماہی کے بعد تعطیل ہوئی تو اپنے ایک

ساتھی کے ساتھ جلال آباد پہنچ گیا، اس وقت حضرت ایک چھوٹے سے مگر بہت صاف ستھرے کمرہ میں تشریف فرما تھے، کمرہ میں ہر چیز انتہائی سلیقہ کے ساتھ رکھی ہوئی تھی، فرش بہت عمدگی کے ساتھ بچھا ہوا جس پر نہ کہیں شکن اور نہ کہیں کوئی زائد چیز، جلال و جمال کی باہم یاریاں وہیں دیکھی۔ دریافت فرمایا کہ کہاں سے آنا ہوا؟ عرض کیا مظاہر علوم میں طالب علم ہوں۔ کیا پڑھتے ہیں؟ عرض کیا دورۂ حدیث شریف۔ اس پر فرمایا کہ ''دورہ'' اصل میں ''دورَہ'' ہے یعنی اب یہاں سے دو راستے ہو رہے ہیں، ان میں سے ایک راستہ آپ کو اختیار کرنا ہے اور اس پر کچھ تفصیل سے ارشاد فرمایا پھر دعاؤں کے ساتھ رخصت فرمایا۔ واپسی کے بعد احقر نے ایک عریضہ لکھا جس میں اصلاحی تعلق اور بیعت کی درخواست کی گئی تھی۔ مسیح الامتؒ نے اس عریضہ کے جواب میں جو کچھ رقم فرمایا وہ ان کی شان مسیحائی کا ترجمان، شان ارشادی کا پرتو اور شیخ کامل کی توجیہہ و ہدایت کا مکمل آئینہ دار ہے۔ جچے تلے حشو و زوائد سے پاک جملے، لفظ لفظ پر مغز اور پر معنی، ایک مبتدی سالک کو راہ سلوک کی ضرورت، اہمیت اور شریعت میں اس کے درجہ و مقام سے روشناس کرایا جا رہا ہے، تحریر فرماتے ہیں:۔

''تزکی و تزکیہ فرض ہے جس طرح تعلیم و تعلم کے لئے مدارس میں داخلہ باقاعدہ و باترتیب حصول علم

کیلئے فرض ہے اسی طرح تزکیہ وتز کی کیلئے خانقاہ میں داخلہ فرض ہے، حقیقۃً ہو یا حکماً۔ حقیقۃً قیاماً، حکماً مکاتبۃً ومطالعۃً۔ بندہ کو خدمت سے عذر نہیں ہے لیکن بیعت سے قبل جو کہ وہ بیع کا معاملہ ہے پرکھنا چیز کا، کھرا کھوٹا ہونا ضروری ہوتا ہے، اسلئے یہاں اس پرکھنے کی صورت یا قیام ہو کر مشاہدۃً ہو، مخاطبۃً ہو یا پھر مکاتبۃً ہو۔ جب نفع عمدہ ہونا معلوم ہو کہ حالات حالیہ و سابقہ میں حالات حسنہ عقبٰی میں قربات و حسنات وصلوات من حیث التغیر محسوس و مبصر ہونے لگیں تب بیعت ہو کر بیع ہونا خوش مزہ نباہنا بمناسبت ہو کر مطلوب کا حاصل ہونا سہل ہو جاتا ہے۔ والسلام"

ان چند جملوں میں ایک طرف تو تصوف کی حقیقت واہمیت اور بیعت کی ماہیت بیان کر دی گئی جس کے نہ سمجھنے کی وجہ سے کیسے کیسے اہل علم بھی اس فریضہ سے غافل ہیں اور دوسری طرف شیخ ومرشد کے انتخاب کا صحیح طریق اور اس کی علامات و نشانیوں کی طرف بھی رہنمائی فرما دی گئی۔

اپنی بے نظیر تصنیف ''شریعت وتصوف'' میں حقیقت تصوف کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:۔

''شریعت کا وہ جز جو اعمال باطنی سے متعلق ہے تصوف وسلوک اور وہ جز جو اعمال ظاہری سے

متعلق ہے فقہ کہلاتا ہے، اس کا موضوع تہذیب
اخلاق اور غرض رضائے الٰہی ہے اور اس کے حصول
کا ذریعہ شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا
ہے"(ص۹۶ جلد۱)

آگے چل کر اصلاح باطن کی فرضیت پر کلام فرماتے ہوئے
رقمطراز ہیں:۔

"جس طرح قرآن میں و اقیموا الصلوة و آتو ا
الزکوٰة موجود ہے اسی طرح یا ایھا الذین آمنوا
اصبـــــروا یعنی اے ایمان والو صبر کرو، اور
واشکروا لله، اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ موجود ہے،
اگر ایک مقام پر کتب علیکم الصیام اور لله
علی الناس حج البیت پاؤ گے تو دوسرے مقام
پر یحبھم و یحبونه اور الذین آمنوا اشد حبا
لله بھی دیکھو گے، جہاں اذا قاموا الی الصلوة
قاموا کسالی ہے اس کے ساتھ ہی یراؤ و ن
الناس بھی موجود ہے، اگر ایک مقام میں تارک
نماز و تارک زکوة کی مذمت ہے تو دوسرے مقام
میں تکبر و عجب کی برائی موجود ہے" (ص۹۸-۹۹
جلد۱)

یہی علم و عمل اور پھر اعمال میں اعمال ظاہری و اعمال باطنی میں

جامعیت کی شان ہمارے مدارس کی امتیازی خصوصیت تھی جس کا اول قدم تصحیح نیت اور اخلاص للہ تھا جسکے فیضان سے آج تک یہ گاڑی کسی نہ کسی طرح چلی جارہی ہے۔

پہلے مکتوب گرامی کا مضمون آپ ملاحظہ فرما چکے جس میں مدرسوں کی اصطلاح میں شرائط داخلہ خانقاہ کا مختصر الفاظ میں مفصل بیان تھا۔ اب لیجئے معاً اس کے بعد کا دوسرا مکتوب گرامی بھی پڑھ لیجئے اور دیکھئے کہ داخلہ کے بعد پہلا سبق کیا ہے؟ یہ دھیان رکھئے کہ صرف مرشد کی تعلیم اور طرز تعلیم پر نظر رہے اور مخاطب کی حالت و کیفیت پر ازراہ کرم نظر نہ فرمایئے گا کہ یہاں تو اپنی بے استعدادی اور کم سوادی نے پورا تسلط جما رکھا ہے، ہاں اپنی مخلصانہ دعاؤں سے ضرور مدد فرمائیں کہ اس کا ملتجی ہوں۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

"مکرم بندہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یوں تو عموماً لیکن باب اصلاح و تربیت باطنی میں خصوصاً عدم اختلاط اول شرط ہے۔ دوم باعتماد کامل و باعتقاد جازم بخلوص وصدق اطلاع کا اہتمام اتباع کا التزام لازم طریق ہے۔ سہولت کے لئے کتاب "شریعت و تصوف" کا بغور مطالعہ ہو۔

والسلام"

افسوس کہ وہی عدم اختلاط جو عموماً سب ہی کے لئے اور

خصوصاً طالبان علم دین کے لئے شرط اول تھا آج عوام تو عوام طلبہ اور فضلاء سب ہی کی نظر میں صد عیب بن چکا ہے اور اس کی ضد یعنی کثرت اختلاط کو کلید کامیابی اور حسن اخلاق کا معیار گردان لیا گیا ہے۔

یہ دونوں مکتوب گرامی بالکل ابتدائی ہیں، اور مفصل و مطول بھی۔ اب ذرہ ان مکتوبات کی بھی سیر کرتے چلیں جن میں کہیں ایک جملہ اور کہیں دو جملے میں علم و معرفت کو دریا بکوزہ کردیا گیا ہے۔ کہیں معاشرت کی اصلاح، کہیں تشجیع اور حوصلہ افزائی، کہیں مقصود اصلی کی طرف رہنمائی، کہیں سستی اور کاہلی پر قدغن لیکن بطرز احسن، اور کہیں چپکے سے ناسور دل پر مرہم کا پھاہا رکھ دینا کہ سوزش معصیت کو جلا کر ''برداً وسلاماً'' کا منظر پیش کردے۔ مگر پہلے اس مکتوب گرامی کو ملاحظہ کرلیں جس میں ذاتیات سے متعلق چند سوالات کئے گئے ہیں کہ طالب زیر تربیت کی دنیوی و تعلیمی حالت پیش نظر ہو کر طریق تربیت اختیار ہو کہ مربی اور مرشد مجتہد ہوتا ہے اور ہر طالب کے ساتھ اس کے حال کے مناسب جدا جدا معاملہ کرتا ہے کہ ایک ہی لکڑی سے سب کو ہانکنا طریق تعلیم و تربیت کے خلاف ہے۔

تحریر فرماتے ہیں:۔

''خیال نہ رہا شاید دریافت بھی نہ کیا ہو، عمر کیا ہے؟ شادی ہوگئی؟ بچے ہیں؟ گھر پر کوئی کاشتکاری کا

سلسلہ ہے؟ تعلیم کہاں تک ہے؟ کہاں تک کتابیں پڑھائی ہیں؟ والسلام''

یہ سلوک وتصوف کا سبق ہو رہا ہے، دیکھیں وہ لوگ جو تصوف کو محض سر ہلانے اور گردن جھٹکنے کا ایک دھندا سمجھتے ہیں۔ جب کہ تصوف وسلوک کی حقیقت ظاہر و باطن کی درستگی ہے تو پھر ایک مربی کے لئے ضروری ہے کہ وہ طالب کی ان نجی باتوں سے بھی کما حقہ واقفیت رکھتا ہو تا کہ علی وجہ البصیرت اس کی رہبری کا فریضہ انجام دے سکے۔

حاصل تصوف حصول رضائے الٰہی ہے جس کا طریق شریعت کے تمام شعبوں (عقائد، عبادات، معاشرت، معاملات، اور اخلاق ظاہرہ و باطنہ) میں نفس کو تابع شریعت بنانا ہے، مشائخ کرام جو اذکار و اشغال تلقین فرماتے ہیں درحقیقت ان سے مقصود نفس کے اندر یہی استعداد اور ملکہ پیدا کرنا ہے کہ احکام شریعت پر عمل اور نفس کا مقابلہ آسان ہو جائے جو بغیر تقویٰ، خداترسی اور خدا کے سامنے جوابدہی کے احساس کے نہیں ہو سکتا۔ غرض یہ کہ صرف ذکر و عبادت پر اکتفاء نہ ہو، بلکہ اس اہتمام کے ساتھ معاشرت و معاملات کی طرف بھی توجہ ہو۔ اگر شریعت کے ان شعبوں میں سے کسی شعبہ میں معتد بہ کوتاہی ہو گی تو یہ مانع طریق ہے۔ تصوف وطریقت کے اس پہلو کو خانقاہ تھانہ بھون نے جس صراحت اور تفصیل وتشریح کے ساتھ واضح کیا

ہے وہ وہاں کی ایک امتیازی خصوصیت اور نشان بن گیا ہے۔

ذیل کے اقتباس میں چند مختصر لفظوں میں اسی طرز اصلاح کا رنگ اور مقصود حقیقی کی طرف رہبری اور ایک کم ہمت شخص کی حوصلہ افزائی کی شان ملاحظہ فرمائیں۔ اپنی کاہلی، سستی اور غفلت کا شکوہ کیا گیا ہے اس پر ارقام فرمایا ہے:۔

”حسب فرصت لگے رہیں گو قلیل معمولات ہوں لیکن معاملات صاف رکھنے کا اہتمام ہو، کسی کو اپنے سے رنج نہ ہو، تقویٰ کا خیال آنکھ، زبان، کان کی نگرانی“

ایک اور عریضہ میں اپنی سستی کا شکوہ کیا گیا تھا تو ارشاد ہوا کہ ”طلب اور سستی جمع نہیں ہوتی“ اس پر عرض کیا گیا کہ حضرت واقعی طلب ہی مفقود ہے۔ اب یہ منزل ہے جہاں یاس و نا امیدی بسا اوقات اپنے بھیانک بازو پھیلا کر راستہ تاریک کر دیتی ہے اور سالک اس تاریک بھنور میں پھنس کر ہلاک ہو جاتا ہے، شیخ کامل ایسے ہی نازک موقع پر اس وادیٔ پر خار سے اس طرح نکال لے جاتا ہے کہ رہرو کو خطرہ کی شدت کا احساس تک نہیں ہو پاتا۔ چنانچہ اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

”مفقود نہیں مستور ہو جاتی ہے اسی لئے پھر موجود ہو جاتی ہے“

عرض کیا گیا تھا اب کیا کروں؟ تحریر فرمایا:۔

”لگے رہئے کبھی کھڑے کبھی پڑے، ایک دن اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ہو ہی جائے گا، انشاء اللہ تعالیٰ“

ذکر و شغل اور ریاضت و مجاہدہ کے سبب بعض اوقات طرح

طرح کے خواب نظر آنے لگتے ہیں، یہ خواب اگر خوش کن ہوں تو یقیناً ''مبشرات'' میں سے ہیں لیکن مقصود کسی درجہ میں بھی نہیں اور نہ شرعاً کسی طرح حجت اور دلیل۔ خوابوں کے سلسلہ میں غلو اور بے اعتدالی کے سبب بہت سی کمزوریاں عقائد و اعمال میں در آئی ہیں، اسی لئے مجدد تھانویؒ کی خدمت میں جب کوئی سالک اپنا خواب لکھتا تو آپ جواب میں اکثر یہ شعر تحریر فرمادیا کرتے ۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

چوں غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

بہر حال عرض یہ کرنا ہے کہ اسی طرح کا ایک خواب بہت خوش خوش حضرت مسیح الامتؒ کی خدمت میں لکھ بھیجا اور بزعم خویش اپنی نادانی کی بناء پر اس کا منتظر رہا کہ جواب عمدہ تعبیر اور مبارکبادی کا آتا ہوگا، لیکن جواب آپ ملاحظہ فرمالیں کہ نہ کوئی تعبیر بتائی گئی اور نہ مبارکبادی دی گئی بلکہ انتہائی حکیمانہ اور مشفقانہ طریق سے اس طرح کے مزعومات کی بیخ کنی ہی فرمادی گئی، تحریر فرمایا:۔

''خوابوں کی طرف التفات ہی کیوں ہو۔ اعمال کا اہتمام ہو وہی کسوٹی ہو''

کہ درحقیقت جس طرح ''فقہ ظاہری'' کا معیار وحی الٰہی ہے اسی طرح ''فقہ باطنی'' یعنی احسان وتصوف کا معیار بھی وحی ربانی ہی

ہے کہ اول میں انسان کے ظاہری احوال کے احکام بیان کئے جاتے ہیں اور دوسرے میں انسان کے باطنی احوال و کیفیات کے احکام وقوانین کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ اول میں اگر نماز کے فرائض وواجبات اور جواز وعدم جواز کی صورتوں سے بحث کی جاتی ہے تو ثانی میں خشوع وخضوع اور حضوری و استحضار پر کلام ہوتا ہے۔ ''فقہ ظاہر'' پڑوسی کے ظاہری حقوق (مثلاً اس کی ایذا رسانی نہ کیجائے، اس کو تنگ نہ کیا جائے، بوقت ضرورت اس کی مدد کی جائے) کے احکام بتاتا ہے تو ''فقہ باطن'' پڑوسی کے باطنی حقوق (مثلاً دل میں اس کو حقیر نہ سمجھے، اس کی طرف سے کینہ و حسد وغیرہ نہ رکھے) کا حکم دیتا ہے۔ اور ان دونوں ہی قسم کے احکام کا سرچشمہ اور اصل وحی الہٰی، کتاب اور سنت ہی ہے۔

آیئے اور اصلاح وارشاد کی یہ شان بھی دیکھتے چلئے اور یہ خیال رہے کہ یہ شیخ خانقاہ کی تعلیم ہے کسی دارالافتاء کا فتویٰ نہیں۔ عریضہ جب بھی ارسال خدمت کیا جاتا ظاہر ہے کہ جوابی ہی کیا جاتا۔ ایک عریضہ کا جواب کافی انتظار کے بعد بھی نہ ملا تو اپنی نافہمی اور نادانی کے سبب یہ لکھ بھیجا کہ شاید حضرت والا نے کسی مصلحت کے سبب جواب نہیں عنایت فرمایا، اس پر تحریر فرمایا کہ:۔

''یہ کس طرح جائز ہے کہ جوابی خط کسی مصلحت سے روانہ نہ کیا جاوے''

آپ کو یہ بات چاہے کیسی ہی ہلکی معلوم ہو لیکن اس واقعہ سے انکار مشکل ہے کہ آج کتنے لوگ ہیں جو اس حق تلفی کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں اور یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہم کوئی گناہ کا کام کر رہے ہیں۔ یہی عریضہ نسبۃً ایک بڑے کاغذ پر لکھا گیا تھا حالانکہ مضمون اس کے نصف حصہ میں آجاتا اس پر تنبیہ فرمائی گئی اور ارشاد ہوا:۔

''اگر یہ کاغذ دوہرا کر کے لکھا جاتا تو نصف کاغذ بچ جاتا پھر کام آتا۔ نصف فضول خرچ ہوا''

ہمارے ذہنوں میں عام طور سے اسراف اور فضول خرچی کا تصور ہی نرالا ہے حالانکہ جو چیز بھی اور جتنی بھی زائد از ضرورت خرچ ہو وہ اسراف میں داخل ہے، چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ شکم سیری کے بعد کھانا بھی اسراف میں داخل ہے اسلئے اگر لکھنے میں زائد از ضرورت کاغذ خرچ ہوگا تو وہ بھی اسراف ممنوع ہوگا، ان اہم باتوں کو معمولی سمجھ لینے اور اس پر عمل نہ کرنے کے سبب آج کتنے مسائل ہیں جو ہم نے اپنے سر منڈھ لئے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہا۔

ایک عریضہ میں غصہ زیادہ آنے کا ذکر کیا گیا تھا اور ساتھ ہی نفس شاطر نے اس کی توجیہہ بھی کر دی تھی کہ بیجا ہی پر غصہ آتا ہے ناحق نہیں آتا، دیکھئے اس پر کیسی گرفت فرمائی ہے اور نفس کا چور کس خوبی سے پکڑا ہے، فرماتے ہیں:۔

''غصہ تو بیجا ہی پر آتا ہے لیکن غصہ کرنے کا محل بھی تو دیکھا جاتا ہے''

پھراسکا علاج تحریر فرماتے ہیں جو ہم جیسے مغلوب الغضب اور مقہور النفس لوگوں کیلئے ہر وقت دھیان رکھنے کا ہے، ارقام فرماتے ہیں:

”یہ سوچا کہ خلاف حکم الٰہی مجھ سے بھی ہوتا ہے یا نہیں، اللہ تعالیٰ درگذر فرماتے ہیں“

اسی عریضہ میں طلبہ کی کم استعدادی، بدمحنتی کی شکایت اوران کے طرز تفہیم کے متعلق استفسار کیا گیا تھا اسکے جواب میں تحریر ہے:۔

”اس طرح کہ بلہجہ خیر خواہانہ، الفاظ خیر خواہانہ۔ استعداد علمی مطالعہ پر ہے اور علم کا اس وقت دور دورہ ہے، اسلئے کمال پیدا کرنا چاہئے اسلئے فہمائش کی جاتی ہے کہ توجہ خاص ہو“

حضرت مسیح الامتؒ کو اس طرف بہت توجہ تھی کہ طلبہ علم میں کمال اور مہارت حاصل کریں اور اپنے اندر تحقیق وخود اعتمادی کی شان پیدا کریں۔ خاکسار نے ایک مجلس میں یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ یہ زمانہ ایسا نہیں ہے کہ دوسروں کے علم پر اعتماد کیا جائے اسلئے خود کمال علمی حاصل کرنے اور تحقیق تک پہنچنے کی سعی کرنی چاہئے۔

خرابیٔ صحت کے سبب خاکسار ایک عرصہ سے رات کو جلد سو جاتا ہے اور پچھلے پہر سویرے اٹھنے میں بھی دقت ہوتی ہے جسکی وجہ سے بہت سے معمولات بلکہ لکھنے پڑھنے کے کام بھی پڑے رہ جاتے ہیں۔ راہ سلوک ہو یا راہ علم، دونوں ہی سراسر ریاضت ومجاہدہ اور محنت وجد جہد کے راستے ہیں، اس خیال نے اپنے تعطل کی کیفیت دیکھ کر کچھ ملال اور اداسی کی کیفیت پیدا کردی حضرت مسیح الامتؒ کی خدمت میں اپنا یہ حال لکھا تو تحریر فرمایا:۔

’’کچھ ملال خیال نہ چاہیئے ، حسب فرصت و
صحت وسہولت جو ہو جاوے بس کافی ہے ۔
صرف سستی مانع نہ ہو۔البتہ نفس کی نگرانی بشدت
ہو،خاص کر آنکھ ، زبان کی رکاوٹ ، کان‘‘

ان چند جملوں میں پورے تصوف کی تعلیم موجود ہے کہ ’’لایکلف اللہ نفساً الا وسعھا ‘‘فرائض وواجبات کی ادائیگی کے بعد اوراد و معمولات حسب صحت وفرصت ہوں، البتہ سستی اور کاہلی کا دخل نہ ہو اور نفس کی نگرانی سے غفلت نہ ہو کہ یہ اسپ شوخ بیماری وضعف میں بھی شوخی سے باز نہیں آتا اور ذرہ چوکے تو قعر معصیت و ہلاکت میں گرا کر ہی چھوڑتا ہے اور بالخصوص آنکھ، زبان اور کان کو ہی اپنا آلہ کار بناتا ہے کہ یہ تینوں اعضائے انسانی ــــ اگر ان کی پوری حفاظت نہ کی جائے تو ــ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں ہی کے تلف کرنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں، اسلئے ارشاد ہوا کہ خاص کر ان کی نگرانی ضروری ہے‘‘ (انتہی مضمون احقر غیاث الدین)

ایک مکتوب گرامی اور پڑھتے چلئے جو حضرت والاؒ نے کسی طالب اصلاح کو تحریر فرمایا ہے، یہ مکتوب قدرے طویل ہے لیکن دریا بکوزہ کا صحیح مصداق ہے، سلوک وتصوف کی حقیقت و ماہیت ،غرض وغایت ،موضوع ، آداب طریق اور سالک راہ طریقت کے لئے ترتیب عمل سب کچھ اس مختصر مضمون میں اس طرح سمو دیا گیا ہے کہ بجائے مکتوب کے یہ ایک مقالہ علمیہ بن گیا ہے۔ہم یہ مکتوب ’’حیات مسیح الامتؒ‘‘ سے نقل کرتے ہیں:۔

تصوف کا متن متین

''عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ وزید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اِعلَم، کہ شریعت کے دو جز ہیں، مامور بہا اور منہی عنہا۔ مامور بہا کے دو جز ہیں، متعلق بالظاہر اور متعلق بالباطن۔ منہی عنہا کے بھی دو جز ہیں متعلق بالظاہر اور متعلق بالباطن۔ شریعت کے متعلق بالباطن کو سلوک و تصوف کہا جاتا ہے، اسی باطن سے سلوک میں بحث کی جاتی ہے اور وہ اس کا موضوع ہے، ان کو موسوم کیا جاتا ہے'' اخلاق'' کے ساتھ۔ اور وہ دو قسم کے ہیں، اخلاق محمودہ، اخلاق مذمومہ۔ اخلاق محمودہ کا حصول بدرجہ ملکہ اور اخلاق مذمومہ کا ازالہ بدرجہ زوال۔ اخلاق محمودہ و بحصول ملکہ کو ''مقامات'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

رہے وظائف واوراد واذکار واشغال ومراقبات وہ تصحیح اخلاق کیلئے موقوف علیہ نہیں اور اس درجہ میں فرض نہیں، ہاں البتہ بدرجہ قبول قلب بانشراح وبشاشت اور حلاوت وگھلاوٹ وانجذاب ومنوریت موقوف علیہ ہیں اور اس درجہ میں گویا فرض ہیں۔

پس اہتمام باہمیت اصل مقاصد کا چاہئے، وہ لوازم مقاصد سے ہے، اسکے ساتھ متعلقات کا اہتمام حسب سہولت نہ کہ بالعکس۔ اسلئے حسب حال طالب صادق شیخ معمولات اوراد تعلیم کرتا ہے اس پر قناعت وکفایت طالب سلوک کے آداب سے ہے۔

اپنا علم، عقل، تجربہ، رائے بدرجہ معدوم ہو، بلا چون و چرا تعلیم شیخ قبول، معمولات فارغ البال کے لئے اور مشغول کے لئے اور۔

آپ مشغول بمعاد بتدریس ہیں اور مشغول بمعاد بمعاشرت بمکان ہیں، اور مشغول بمعاد بدکان بسکون معاش بسکینت للمعاد ہیں۔ بلحاظ "انما الاعمال بالنیات" اب آپ تسہیلاً، تسہیل قصد السبیل سے اپنے لئے معمولات مقرر فرمائیں اور اطلاع فرمائیں، پھر جیسا مناسب ہو گا برقرار و بترمیم۔

احقر محمد مسیح اللہ عفی عنہ

۱۸ر صفر ۱۴۰۷ھ

یہ مکتوب باب تصوف میں ایک ایسا متن متین ہے کہ اس کی شرح و توضیح بلا مبالغہ سیکڑوں صفحات میں ہو گی۔ سب سے پہلے تو حضرت نے یہ واضح فرمادیا کہ تصوف اور طریقت شریعت کے علاوہ کچھ دوسری چیز نہیں ہے بلکہ یہ شریعت ہی کا ایک جز اور حصہ ہے، شریعت کے جو مامورات اور منہیات باطن سے تعلق رکھتے ہیں انہیں کو سلوک یا تصوف یا طریقت کہا جاتا ہے، اور انہیں باطنی امور سے سلوک میں بحث کی جاتی ہے اور انہیں کو "اخلاق" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، جن کی دو قسمیں ہیں ایک اخلاق محمودہ اور دوسرے اخلاق مذمومہ۔ اخلاق محمودہ کو حاصل کرنا ہے اور اخلاق مذمومہ کو زائل کرنا ہے اور جب اخلاق محمودہ اس طرح حاصل ہو جائیں کہ وہ ملکہ راسخہ بن جائیں اور ان پر استقامت حاصل ہو جائے کہ وہ اب بسہولت صادر ہونے لگیں تو اسی کو اصطلاح تصوف میں "مقامات" کہا جاتا ہے۔ اب سالکان طریق دیکھ لیں کہ اس تصوف میں کیا چیز ایسی ہے جو تکلیف مالا یطاق کے درجہ کی ہو۔ اور وہ اہل ظاہر علمائے خشک بھی ذرہ غور فرمالیں جو

طریقت و تصوف کے نام سے اور مقامات و منازل کی اصطلاحات سے متوحش ہو جایا کرتے ہیں کہ اس میں انہیں کیا خلاف شرع نظر آتا ہے اور کیا چیز اس میں کتاب و سنت کے مخالف یا منافی ہے۔

پھر یہ بھی وضاحت فرمادی کہ وظائف و اوراد اور اشغال و اذکار بالذات فرض ہیں نہ واجب بلکہ ان سے چونکہ قلب میں انشراح و بشاشت پیدا ہوتی ہے اور حلاوت و لذت کی کیفیت حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے اوامر و نواہی پر عمل آسان ہو جاتا اور طاعات کی بجا آوری نیز معصیت سے پرہیز بہ سہولت ممکن ہو جاتا ہے لہٰذا اس درجہ میں وہ بھی ضروری ہیں۔

پس یہ حقیقت منقح ہوگئی کہ اصل اہتمام تو مقاصد اصلیہ ہی کا ہونا چاہئے اور ان کے متعلقات کا اہتمام بس متعلقات ہی کے درجہ میں بسہولت اور آسانی کے ساتھ ہو، ایسا نہ ہو کہ معاملہ برعکس ہو جائے کہ مقاصد تو متعلقات کے درجہ میں آجائیں اور متعلقات کو مقاصد سمجھ لیا جائے۔

اور شیخ کا کام یہ ہے کہ وہ طالب صادق کے احوال کے مطابق اپنے تجربات، فراست ایمانی اور روشن ضمیری سے اس کے لئے راہ عمل تجویز کرے اور طالب کے لئے ضروری ہے کہ وہ بلا چون و چرا شیخ کی تعلیم پر عمل پیرا ہو، نہ اس میں اپنی رائے کو دخل دے اور نہ کچھ قیل و قال اور بے اعتمادی کا اظہار کرے، جیسا کہ علوم دنیویہ اور فنون صناعیہ کے تعلیم و تعلم میں بھی یہی دستور اور طریق ہے۔

اسی سلسلہ بیان میں ایک مکتوب گرامی اور ملاحظہ کرتے چلئے جو کسی سالک طریق معرفت کو لکھا گیا ہے اور اس میں ''نسبت مع اللہ'' کی حقیقت اور اس کے لوازم و متعلقات پر اپنے مخصوص سہل اور مشفقانہ انداز میں کلام فرمایا ہے اور ذوق و وجدان کو

محسوسات اور مبصرات کا پیراہن عطا فرمادیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:۔

"نحمده و نصلّی علی رسوله الکریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أن تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك

صدیق صادق عزیز مخلص بندہ۔ سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرے عزیز، نسبت کا حاصل کرنا فرض ہے اور جو چیز فرض ہو اس کے حاصل کرنے میں اس طریق کا معلوم کرنا بھی فرض ہے اسلئے ضروری ہوا کہ معلوم کیا جائے کہ نسبت کی حقیقت کیا ہے اور اس کے حاصل کرنے کا طریق کیا ہے؟ اسلئے اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر اپنے پیرومرشد اعلیٰ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ سے جو پہنچا ہے وہ پیش خدمت ہے:۔

نسبت کی حقیقت نسبت کے معنی تعلق اور لگاؤ کے ہیں اور مراد ہے بندہ کا خاص تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور وہ ہے قبول و رضا کا تعلق جیسے کہ عاشق مطیع اور وفادار معشوق میں ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ فاسق اور کافر صاحب نسبت نہیں ہوسکتا۔

علامت نسبت نسبت کی علامت یہ ہے کہ صاحب نسبت کی صحبت میں رغبت الی الآخرۃ اور نفرت عن الدنیا کا اثر ہو اور اس کی طرف دینداروں کو زیادہ توجہ ہو بہ نسبت دنیاداروں کے۔

ثمرۂ نسبت مع اللہ بالذات و بالاصل اللہ تعالیٰ ہی سے تعلق ہو اور کسی سے بالذات تعلق نہ ہو بس جب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے تعلق نہ ہوگا تو پھر کسی شے کے فوت ہونے سے کوئی خاص قلق بھی نہ ہوگا۔

تحقق نسبت کی شرط نسبت کے محقق ہونے کے لئے کامل رضائے حق شرط ہے، مطلق رضا کافی نہیں، مطلق رضا تو ہر فعل حسن پر مرتب ہوتی ہے۔ اگر کوئی مومن ارتکاب معصیت کا کرے اور اس کے بعد طاعت نماز وغیرہ بجالائے تو گو گناہ پر ناراضی مرتب ہوگی مگر نماز وغیرہ طاعت و عبادت پر رضا بھی مرتب ہوگی۔ اسی طرح افعال قبیحہ و اعمال حسنہ پر اپنی اپنی جگہ برابر ناراضی و رضا بھی مرتب ہوتی رہتی ہے (جو کہ نفس لوامہ کی حالت ہے) لیکن اس سے نسبت کا تحقق نہیں ہوتا بلکہ نسبت کے تحقق کے لئے رضائے تام شرط ہے۔

مثال رضائے ناتمام رضائے ناتمام کی عزیزمن، بالکل ایسی مثال ہے جیسے مریض کی حالت میں عارضی افاقہ ہو جائے گو وہ بھی غنیمت ہے مگر اس کا نام صحت نہیں ہے اسی طرح گاہے طاعت کا معصیت کے ساتھ شمول ہونا اس کا نام نسبت مع اللہ نہیں۔ لہٰذا حصول نسبت کے ترتب و تحقق کے لئے یہ ترتیب ہے کہ جس پر رضائے تام مرتب ہوگی جو کہ وہ شرط ہے نسبت کے حصول کی۔

تفصیل ترتیب حصول نسبت علم دین بقدر ضرورت ہونا، اول دو نفل بہ نیت توبہ، پھر بتکلف بمقاومت نفس، اعمال ظاہرہ و اعمال باطنہ کی اصلاح، بالخصوص اعمال باطنہ اخلاق کی اصلاح جو کہ نہایت اہم اور زیادہ دشوار ہے، ایک معتد بہ کافی مدت تک اہتمام والتزام سے مواظبت رکھنا، یہاں تک کہ وہ اعمال ظاہرہ و باطنہ حال بن جائیں کہ بسہولت ادا ہوں، اور رسوخ پیدا ہو جائے جس کو مقام کہتے ہیں، اسی سہولت کے لئے تمام اذکار، اشغال، مراقبات، مجاہدات، ریاضات مقرر کئے گئے ہیں۔ باقی اصل چیز اصلاح اعمال ظاہرہ و باطنہ ہی ہے۔ اسی پر نسبت حقیقی مرتب ہوتی ہے۔ جب بندہ مومن اعمال ظاہرہ و باطنہ پر مداومت کرتا ہے تو حق تعالیٰ کو اس کے ساتھ رضائے دائمی کا تعلق ہو جاتا ہے۔ بس یہ حقیقت ہے نسبت مع اللہ کی۔

عزیز من، صرف ذکر دائم یا دوام حضور یا ملکہ یادداشت مزاولت و مشق سے بدوں اصلاح اعمال ظاہرہ و باطنہ نسبت کی حقیقت نہیں، البتہ اصلاح اعمال ظاہرہ و باطنہ کی مداومت کے ساتھ حصول نسبت میں یہ چیزیں معین بہت ہیں کیونکہ عزیز من، جس کو ہر وقت حق تعالیٰ کا دھیان ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہونا مستبعد ہے۔

خلاصہ غرض نسبت کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو بندہ کے ساتھ ایک خاص تعلق رضا کا ہو جانا اور وہ مرتب ہوتا ہے اصلاح

اعمال صالحہ، باطنہ وظاہرہ پر۔

خاصیت نسبت غرض نسبت کی خاصیت ایک خاص انجذاب ہے جسکے لوازم میں سے بفضلہٖ تعالیٰ سہولت طاعت و عبادت ہے اور دوام ذکر و حضور دائم ہے۔

بقائے نسبت عزیز من، یہ ہے وہ نسبت مع اللہ جو عادۃً پھر کبھی زائل نہیں ہوتی جیسے بالغ ہونے کے بعد صفت بلوغ کبھی زائل نہیں ہوتی، اسی کو صوفیاء کرام نے فنا کے عنوان سے تعبیر فرمایا ہے "الفانی لا یُرَدُّ" کہ فانی واصل کبھی مردود نہیں ہوتا۔

عدم منافات بصدور معصیت اتفاقاً میرے عزیز صادق، یہ وہم نہ ہو کہ بعد حصول و وصول نسبت بھی بعض صحابہ سے اور اولیاء اللہ سے معصیت کا صدور ہوا ہے پھر رضائے الٰہی کہاں رہا اور نسبت مع اللہ کہاں رہی؟

عزیز من، ایسا اتفاق نہ رضائے دائمی کے خلاف ہے، نہ نسبت مع اللہ کے منافی، خوب سمجھ لو، گہری دوستی کے بعد بھی اتفاقاً گاہے شکر رنجی بھی ہو جاتی ہے لیکن تدارک کے بعد پھر ویسا ہی تعلق ہو جاتا ہے بلکہ درحقیقت اس شکر رنجی اور ناراضی کے زمانہ میں بھی دوستی کا اصل تعلق بدستور قائم رہتا ہے اور وہ زائل نہیں ہوتا، وہ شکر رنجی و ناراضی محض عارضی ہوتی ہے اسکو خوب سمجھ لیں اور دل میں جما لیں۔

نظیر اسکو یوں سمجھیں جیسے تکمیل صحت کے بعد ضروری نہیں کہ کبھی اس حالت میں زکام بھی نہ ہو، اتفاقاً بد پرہیزی ہو اور

اس بد پرہیزی سے نقصان نہ ہو، ضرور نقصان ہوگا لیکن یہ محض عارضی ہوگا، تدارک کے بعد پھر وہی حالت عود کر آئے گی۔

دوسری مثال سمجھئے کہ درسیات سے فراغ کے بعد باوجود کمال علمی اور ذی استعداد ہونے کے کبھی کسی مقام پر اٹکتے ہی نہیں؟ بلکہ گاہے گاہے کہیں بعد فراغ کے اٹکتا ہے لیکن ذرہ توجہ سے اس سے نکل جاتا ہے، اس کو خوب سمجھ لیں۔

پس واصل بحق صاحب نسبت سے اتفاقاً معصیت کا صدور نہ رضائے دائمی کے خلاف نہ نسبت مع اللہ کے منافی۔ اللہ تعالیٰ آنعزیز کو دوام رضا و نسبت حقہ سے نوازیں۔ والسلام۔

خلاصۂ روح سلوک المجاهد من جاهد نفسه

(۱) طلب مقصود ہے وصول مقصود نہیں، یہ اہل طریق کے یہاں ثابت ہے اور جب یہ مسلم تو مقصود کے حصول کا قلب میں تقاضا نہ رکھنا چاہئے کیونکہ یہ بھی حجاب ہے اسلئے کہ اس تقاضے سے تشویش ہوتی ہے اور تشویش جمعیت و تفویض کو قطع کرنیوالی ہے اور جمعیت و تفویض ہی شرط وصول ہے۔ آں عزیز اس کو خوب راسخ کرلیں اور جمالیں۔

(۲) مجاہدہ مطلوب ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) مجاہدہ حقیقیہ (۲) مجاہدہ حکمیہ۔

(۱) مجاہدہ حقیقیہ یہ ہے کہ ارتکاب و استقامت اعمال صالحہ ہو اور اجتناب عن المعاصی ہو۔

(۲) مجاہدہ حکمیہ یہ ہے کہ ان مباحات کو ترک کرنا جو معاصی کی طرف مفضی ہوں۔

حقیقت مجاہدہ مجاہدہ کی حقیقت یہ ہے کہ معاصی کو بمقاومت نفس مطلقاً ترک کرنا اور یہ مقاومت ومخالفت نفس واجب وفرض ہے اور مباحات میں تقلیلاً مخالفت ہو اور یہ مقاومت ومخالفت مستحب ہے، مگر یہ مخالفت ایسی ہے کہ مخالفت واجبہ کا حصول کامل اس مخالفت مستحبہ پر موقوف ہے۔

مثال مجاہدہ مستحبہ میں تقلیل کی کم کھانا، کم سونا، کم ملنا، کم باتیں کرنا، زیادہ عمدہ لباس نہ پہننا۔ آں عزیز آں محبؔ مخلص وصادق کو اللہ تعالیٰ وصول ورضا اور نسبت کی دولت سے نوازیں۔ آمین۔

احقر محمد مسیح اللہ خان عفی عنہ

۷ رمحرم ۱۳۸۵ھ یکشنبہ

(حیات مسیح الامتؒ ص ۵۳۰۔۵۳۶)

یوں تو حضرت مسیح الامتؒ کا معمول اپنے شیخ حضرت حکیم الامتؒ کے طریقہ کے مطابق یہی تھا کہ جواب خطوط کے حواشی پر متعلقہ عبارت پر نشان لگا کر، یا خط کھینچ کر لکھتے جو مختصر لیکن بہت ہی جامع اور شافی وافی ہوتا جس سے مکتوب الیہ کو سکون قلب اور اطمینان خاطر کی نعمت بے بہا حاصل ہو جاتی۔ مگر جب تفصیل کی ضرورت محسوس فرماتے تو مفصل جواب بھی تحریر فرماتے جو برجستہ ہونے کے باوجود ایسا مرتب اور منقح ہوتا جس طرح کوئی تحقیقی وعلمی مقالہ ہوا کرتا ہے اور شفقت وہمدردی، خلوص اور جذبہ اصلاح وارشاد اس پر مستزاد، جیسا کہ مندرجہ بالا دو مکتوبات سے بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا۔

تعلیم و ہدایات بوقت بیعت حلقہ ارادت میں داخل ہونے والوں کو بیعت فرماتے وقت جو تعلیم و ہدایت فرماتے اور جن نصائح و معمولات پر عمل پیرا رہنے کی تاکید فرماتے اور اس پر بیعت لیتے انکا ذکر کر دینا بھی یہاں پر مناسب اور مفید ہے کہ اس سے اصل طریق و تصوف کے سمجھنے میں مزید بصیرت حاصل ہوگی اور انشاء اللہ جذبہ عمل میں بیداری بھی آئے گی۔

فرماتے کہ:۔

''نماز روزوں کی قضاء اس طرح کہ ہر نماز وقتی کے ساتھ جماعت سے قبل یا بعد جماعت اس وقتی قضاء کے صرف فرض ادا کرنا اور عشاء میں وتر بھی، اور فرصت اور ہمت کے ساتھ ایک وقت میں یا ایک دن میں کئی کئی وقت یا کئی کئی دن کی نمازوں کو ادا کر لینا۔

کسی کا مالی حق اپنے ذمہ ہو اس کو ادا کرنا یا معافی مانگنا، سب سے دل صاف رکھنا۔

آنکھ کان، زبان کی پوری نگرانی کرنا، حرام اور مشتبہ مال سے احتیاط کرنا، وضع قطع، لباس، شکل وصورت سنت کے مطابق رکھنا، شادی غمی کے موقع پر جملہ رسومات و بدعات اور خلاف شرع باتوں، گانا، بجانا، ڈھول، باجہ، گیت، نیوتہ، اور دکھاوا وغیرہ سے پرہیز کرنا، ہر معاملہ میں ناجائز اور محرمات طریق سے بچنا اور اس کا پورا خیال کرنا کہ کسی کو اپنے ہاتھ یا زبان سے مالی، قلبی اور جسمانی تکلیف یا رنج اور نقصان نہ پہنچے، کسی کی دل شکنی نہ ہو، اختلاط سے گریز بضرورت ملنا اور کلام سے بھی بدون ضرورت شدیدہ پوری احتیاط کرنا، حسب فرصت تلاوت قرآن شریف و مناجات

مقبول وحزب البحر، ایک تسبیح درود شریف۔

چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، لیٹے بیٹھے کلمہ طیبہ کا ورد رکھنا اس طرح پر کہ "لا الٰه الا الله" پڑھتے رہیں دس یا پانچ مرتبہ کہنے کے بعد یا سانس ٹوٹنے پر "محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم" ملالیا کریں۔

ہر نماز کے بعد اگر آیت الکرسی یاد ہو تو اس کو پڑھ کر تسبیح فاطمہ پڑھا کریں یعنی ۳۳ مرتبہ "سبحان اللّٰہ" ۳۳ مرتبہ "الحمد للّٰہ" ۳۴ مرتبہ "اللّٰہ اکبر" پڑھ لیا کریں۔ یا بشرط فرصت ظہر، مغرب، عشاء میں بعد آیت الکرسی تیسرا کلمہ "سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الٰه الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر" کی ایک تسبیح پڑھ لیا کریں اور ہر نماز کے بعد حسب فرصت چاروں قل اور سورہ فاتحہ تین تین دفعہ یا ایک ایک بار اور سورہ اخلاص تین بار پڑھ لیا کریں۔ اگر ہر نماز کے بعد یہ نہ ہو سکے تو رات کو سوتے وقت اور اسکے ساتھ یاد ہو تو "آمن الرسول" سے آخر تک مع آیت الکرسی پڑھ کر تمام بدن پر دونوں ہتھیلیوں پر دم کر کے پھیر لیا کریں۔

بعد عشاء سوتے وقت محاسبہ و مراقبہ موت کیا کریں۔

محاسبہ محاسبہ یہ ہے کہ صبح اٹھنے کے وقت سے شب کو سونے کے وقت تک کے اپنے اعمال کا سوچنا، عبادات وطاعات پر شکر اور طلب توفیق مزید کرنا اور اپنی کوتاہی اور نامناسب باتوں پر ندامت۔

مراقبہ موت نزع کی حالت اور قبر میں سوال و جواب، میدان حشر، حساب وکتاب، حق تعالیٰ کے سامنے پیشی اور جواب دہ ہونا اور پلصراط سے گزرنا، ان سب چیزوں کو سوچنا اور عہد کرنا کہ آئندہ کسی معصیت کے پاس نہ جاؤں گا، پھر ایک تسبیح استغفار کی پڑھنا یا کم از کم ستر دفعہ یا اکیس دفعہ۔ استغفار یہ ہے "**سبحان اللّٰہ و بحمدہ، سبحان اللّٰہ العظیم. استغفر اللّٰہ العظیم الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم و اتوب الیہ**"۔

اپنے آپ کو سب سے کمتر جاننا حتی کہ اپنی آنکھوں سے بھی کسی کو کیسا ہی برے سے برا کام کرتے ہوئے دیکھا جاوے تب بھی اس کو حقیر نہ جاننا چاہئے، اپنے کو اس سے اچھا نہ سمجھنا، بلکہ یہ ڈر اور خیال کرنا کہ کیا عجب ہے کہ یہ شخص پختہ توبہ کر کے نہایت درجہ متقی اور پرہیز گار ہو جائے اور میں خدانہ کرے شیطان اور نفس کے بہکانے اور اغواء کرنے سے پھسل جاؤں اور یہ طاعات اور عبادات قائم نہ رہیں اور نہ خاتمہ کا علم ہے، اسلئے کیا منہ ہے کہ اپنے کو کسی سے اچھا جانا جائے اور دوسرے کو حقیر سمجھا جائے۔

تنبیہ یہ ساتواں جز اپنے کو کم سمجھنا سلوک میں اول قدم ہے، بدوں اس کے راستہ نہیں کھلتا۔

معمولات ذکر دوازدہ تسبیح یعنی ۲ تسبیح "لا الہ الا اللّٰہ" کی،

اس کو نفی اثبات بھی کہتے ہیں۔ ۴ تسبیح ''الا اللّٰہ'' کی۔ ۶ تسبیح ''اللّٰہُ اللّٰہ'' اور ایک تسبیح اللّٰہُ اللّٰہُ کی۔ اس کے لئے فرصت نہ ہونے پر دس پانچ منٹ روزانہ کوئی وقت مقرر کر کے ذکر نفی اثبات اس طرح کہ چندبار'' لا الہ الا اللّٰہ '' کا ورد کر کے ''محمد رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم '' ملاتے رہیں یا دس پانچ منٹ ذکر اسم ذات ''اللّٰہُ اللّٰہُ'' کرلیا کریں۔

نوافل اشراق، چاشت، اوابین، تہجد بشرط فرصت صلوٰۃ التسبیح۔

روزے ایام بیض یعنی ہر ماہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ، شش عید کے روزے، ذی الحجہ کے ۹ روزے یا صرف ایک روزہ عرفہ کا، محرم کے دو روزے دسویں گیارہویں یا نویں دسویں کے، شعبان کی ۱۵ تاریخ کا روزہ۔

اپنے شیخ کی عقیدت اور محبت پوری طرح اپنے دل میں رکھنا اور یہ سمجھنا کہ میری جستجو و تلاش میں میرے نفع کے لئے ان سے بہتر دوسرا نہیں۔ اگر شیخ کی صحبت میسر ہو تو اسے حاصل کرے اور جب بھی ضروریات سے فرصت ملے تو خدمت شیخ میں حاضر ہو اور باادب بیٹھے۔ شیخ کے پاس بیٹھ کر تسبیح یا کوئی وظیفہ وغیرہ نہ پڑھے بلکہ ہمہ تن ان کی باتوں کو غور سے سنے۔ ایسا کوئی عمل نہ کرے جس سے شیخ کو ایذاء ہو۔ اگر کبھی خدانخواستہ ایسا ہو جائے تو فوراً معافی مانگ لے اور عذر پیش کرنے

یا بہانہ بنانے کی کوشش نہ کرے۔

نماز پنجوقتہ باجماعت کی عادت ڈالے اور بلاعذر تارک جماعت نہ بنے۔

لڑکوں سے ملنے جلنے اور بے تکلف ہونے سے بچے خصوصاً تنہائی کی حالت میں بالکل نہ ملے۔

تضیع اوقات کا بہت زیادہ خیال رکھے، لوگوں میں بیٹھنا اِدھر اُدھر کی گپیں مارنا، مذہبی یا سیاسی بحث کرنا، اس قسم کے تمام امور کی پوری طرح نگرانی کرے۔

جو کام یا ملازمت یا تجارت جو کچھ بھی کرتا ہو دیانت داری سے کرے۔ خصوصاً ملازمت پیشہ حضرات دفتر کی اشیاء کاغذ، پنسل، سیاہی یا ٹیلی فون ذاتی کام کیلئے استعمال نہ کریں۔ بجلی میں نامناسب تصرف جو آج کل عام مرض ہے، مقامی بسوں میں ٹکٹ نہ لینا، چنگی اور ٹیکس بچانے کے لئے ناجائز طریق اختیار کرنا، اس قسم کی نادرست باتوں سے بچنا بہت ضروری ہے۔

اپنے عہدہ یا منصب سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے نہ ہی کسی دوسرے کو ناجائز فائدہ پہنچائے۔

غصہ ہرگز نہ کرے، خصوصاً کمزوروں اور ماتحتوں پر اور یہ سوچ لیا کرے کہ اگر میں ان کی جگہ ہوتا اور یہ میری جگہ تو میرا کیا حال ہوتا۔

ماں باپ، عزیز واقارب اور بزرگوں کی عزت کرے۔

فجر کی نماز میں سنتوں اور فرضوں کے درمیان اکتالیس بار سورۂ فاتحہ مع بسم اللہ شریف۔ یہ نسخہ کیمیا ہے جس کی پابندی سے بے شمار عقدے حل ہوتے ہیں۔ اگر سنتوں اور فرضوں کے درمیان ممکن نہ ہوتو نماز فجر کے بعد پڑھ لیں۔ اگر فرصت ہوتو بعد نماز فجر سورۂ یٰسین، بعد نماز ظہر سورۂ الفتح، بعد نماز عصر سورۂ النبأ، بعد نماز مغرب سورۂ الواقعہ، بعد نماز عشاء سورۂ الملک یا سورۂ الم سجدہ پڑھ لیا کرے، اور جمعہ کے دن سورۂ الکہف۔

مطالعہ کتب بہشتی زیور مکمل یا شروع کے پانچ حصے مع بہشتی گوہر، آداب الشیخ والمرید، اصول الوصول، حقوق الاسلام، فروع الایمان، صفائی معاملات، حیات المسلمین، شوق وطن، آداب المعاشرت، جزاء الاعمال، زاد السعید، تبلیغ دین (مگر اس میں طعام کے باب میں اس کے مطابق عمل نہ کیا جائے)۔ تعلیم الدین، اصلاحی الخیال، ملفوظات اور مواعظ از حضرت مولانا تھانویؒ نور اللہ مرقدہ۔ نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ﷺ، شریعت وتصوف مکمل، تعلیمات اسلام۔ اللّٰھم وفقنا لما تحب و ترضی من القول والعمل والفعل والنیة والھدی انک علی کل شئی قدیر۔

(حیات مسیح الامتؒ ص ۴۲۹۔۴۳۴)

بیعت کے وقت کی ان تعلیمات پر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ

کے یہاں اوراد ووظائف پر فرائض وواجبات اور حقوق کی ادائیگی کا اہتمام مقدم تھا، خصوصاً حقوق العباد کی ادائیگی کا اہتمام تو اس قدر تھا کہ اپنے متعلقین ومتوسلین سے اس سلسلہ میں کوتاہی کو برداشت نہ فرماتے۔ ایک دفعہ ایک صاحب جو حضرت سے بیعت تھے دہلی سے خانقاہ میں قیام کی غرض سے آئے اور ملاقات کے وقت عرض کیا کہ:۔

"کچھ روز قیام کی نیت سے حاضر ہوا ہوں۔ حضرتؒ نے اپنے معمول کے مطابق دریافت فرمایا کہ آپ کیا کام کرتے ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ کباب بیچتا ہوں۔ حضرت نے دریافت فرمایا کہ اب کباب کون بیچے گا؟ انھوں نے بتلایا کہ میرے چھوٹے بھائی ہیں وہ بیچیں گے۔ پھر دریافت فرمایا کہ گھر میں سودا سبزی وغیرہ کون لائے گا؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت میرا ایک گیارہ سال کا لڑکا ہے وہ لائے گا۔ پھر دریافت فرمایا کہ گھر پر رات کو سونے کے لئے کون محرم ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت میرا چھوٹا بھائی ہے۔ فرمایا کہ وہ تو محرم نہیں ہے۔ اسلئے آپ واپس جائیں اور کسی محرم کا انتظام کر کے آئیں جو رات کو گھر پر سویا کرے۔ اب تو اتنا وقت نہیں ہے کہ آپ دہلی واپس پہنچ سکیں اس لئے آج رات کو تو ٹھہر جایئے کل صبح واپس چلے جایئے"۔ (حیات مسیح الامتؒ ص ۱۸۹)

خانقاہ اور نظام خانقاہ جس طرح تعلیم وتعلم کا سلسلہ مدارس کے ساتھ مربوط ہے کہ عادۃً اس کے بغیر تعلیم وتعلم انجام نہیں پاتا اسی طرح سلوک وتصوف اور اصلاح وتزکیہ کا سلسلہ خانقاہ کے ساتھ مربوط ہے کہ بدوں اسکے اصلاح وتزکیہ کا کام عادۃً انجام پذیر نہیں ہو

تاہم اس زمانہ میں ــــــ مختلف وجوہ واسباب کی بناء پر ــــــ نظام خانقاہی کی طرف سے بے اعتنائی عام ہوگئی ہے بلکہ یہ بے اعتنائی بعض حلقوں میں استہزاء اور استخفاف تک پہنچ گئی ہے۔ حضرتؒ نے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے خانقاہ کی ضرورت اور اہمیت پر جو مدلل اور موثر کلام فرمایا ہے وہ اہل فہم کیلئے بہت ہی موجب بصیرت ہے۔ ہم مرتب ''حیات مسیح الامتؒ'' کے حوالہ سے یہاں اس کو نقل کرتے ہیں:۔

خانقاہ کیا ہے؟ (۱) بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ امور شرعیہ جنکا قرآن وحدیث میں بصراحت تاکید کے ساتھ بکثرت حکم آیا ہے صرف نام کی وجہ سے بعض ذہنوں کو ان سے استبعاد سا ہوجاتا ہے۔ حالانکہ بحیثیت مسلمان ہونے کے جن کے اسم سے اجنبیت برتی جاتی ہے ان کے مسمی کو تسلیم کئے بغیر آدمی مومن نہیں ہوسکتا۔

(۲) انہیں احکام شرعیہ میں سے ''تصوف'' اور اس کے ''طرق اصلاح'' اور ''خانقاہی زندگی'' ہے۔

(۳) آج اس پرفتن دور میں نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ آزاد طبع دنیوی تعلیم یافتہ، جدت پسند طبقہ کے خیالات سے متاثر ہوکر اپنے ہی اکابر کے نام لیوا مدارس عربیہ میں پڑھنے پڑھانے والے حضرات بھی تصوف، صوفی اور خانقاہ کی حقیقت نہ سمجھنے کی وجہ سے ان چیزوں کو گویا دین کا شعبہ نہیں سمجھتے اور اپنی لاعلمی کی وجہ سے ان ناموں کے ساتھ استہزاء کیا جاتا ہے، اعاذنا اللہ منہ۔

حالانکہ بہت زیادہ ڈرنے کا مقام ہے۔ ایسے حضرات سوچیں، یہ

خانقاہ والے صوفیاء کا مذاق نہیں احکام شرعیہ کا مذاق ہے۔ اسمیں زیادہ تر دخل ان تجدد پسند حضرات کی تحریرات کے پڑھنے کا بھی ہے۔

(۴) حالانکہ شریعت کے احکام جو متعلق بالجوارح ہیں ان کا نام ''فقہ'' ہے اور جو احکام متعلق بالقلب ہیں ان کا نام ''تصوف'' ہے۔ حضرت مسیح الامتؒ نے اپنی کتاب ''شریعت وتصوف'' میں تصوف کو دلائل کتاب وسنت سے ثابت کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ:۔(۵) جس طرح قرآن پاک میں'' واقیموا الصلوۃ و آتوا الزکوۃ ''موجود ہے اسی طرح'' یاایھا الذین آمنوا اصبروا'' اور''واشکروا لله ''موجود ہے۔ اگر ایک مقام پر ''کتب علیکم الصیام'' اور''ولله علی الناس حج البیت'' پاؤگے تو دوسرے مقام پر''یحبھم و یحبونہ ''اور''والذین آمنوا اشد حبا لله'' دیکھوگے۔ جہاں'' اذا قاموا الی الصلوۃ قاموا کسالیٰ '' ہے اس کے ساتھ ہی''یراؤون الناس ''بھی موجود ہے۔ اگر ایک مقام میں تارک نماز وتارک زکوۃ کی مذمت ہے تو دوسرے مقام پر تکبر وعجب کی برائی موجود ہے۔

اسی طرح احادیث کو دیکھو، جس طرح ابواب نماز وروزہ، بیع وشراء، نکاح وطلاق پاؤگے، ابواب ریا، وکبر وغیرہ بھی دیکھو گے۔ اس بات سے کون مسلمان انکار کرسکتا ہے کہ جس طرح اعمال ظاہرہ حکم خداوندی ہیں اسی طرح اعمال باطنہ بھی حکم

الٰہی ہیں۔ کیا ''اقیموا ا لصلوۃ و آتوا ا لزکوۃ'' امر کا صیغہ ہے اور ''اصبروا و اشکروا'' امر کا صیغہ نہیں؟ کیا ''کتب علیکم الصیام'' سے روزہ کی مشروعیت اور ر مامور بہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور'' والذین آمنوا اشد حبا للّٰہ'' سے محبت کا مامور بہ ہونا ثابت نہیں؟ بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ظاہری اعمال سب ہی باطن کی اصلاح کے لئے ہیں اور باطن کی صفائی مقصود و موجب نجات ہے اور اس کی کدورت موجب ہلاکت ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ''قد افلح من زکھا و قد خاب من دسھا'' یعنی بے شک جس نے نفس کو صاف کیا کامیاب رہا اور جس نے اس کو میلا کیا ناکام رہا۔ ''یوم لا ینفع مال و لا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم'' یعنی اس دن مال اور اولاد کام نہ آئیں گے مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کے پاس سلامت قلب لیکر آیا۔

دیکھو پہلی آیت میں تزکیہ باطن کو موجب فلاح اور دوسری میں سلامتی قلب کے بغیر مال و اولاد سب کو غیر نافع فرمایا ہے۔ ایمان و عقائد جن پر سارے اعمال کی مقبولیت منحصر ہے قلب ہی کا فعل ہے اور ظاہر ہے کہ جتنے اعمال ہیں سب ایمان کی تکمیل کیلئے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اصل مقصود دل کی اصلاح ہے جس سے انسان مقبول بارگاہ اور صاحب مدارج و مقام ہوتا ہے اور اسی کا نام

اصطلاح وعرف میں ''تصوف'' ہے۔

حدیث شریف میں ہے'' التقوی ھھنا و اشار الی الصدر'' تقوی یہاں ہے اور سینہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ دوسری حدیث شریف میں ارشاد ہے،''الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت فسد الجسد کله ، الا وھی القلب ''یعنی خوب سمجھ لو کہ آدمی کے بدن میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو تمام بدن درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو تمام بدن بگڑ جاتا ہے اور سن لو کہ وہ دل ہے۔

ان آیات واحادیث شریفہ سے بصراحت معلوم ہوا کہ تمام عقائد واخلاق کی درستی کا دارومدار دل کی درستی پر ہے، اور عقائد کی درستی پر اعمال ظاہرہ کی قبولیت کا مدار ہے پس اگر دل بیمار ہے تو لازم اور ضروری ہے کہ اسکو تندرست اور سلیم بنایا جائے چونکہ مقدمۃ للواجب واجب۔ اور جب قلب کا علاج ضروری قرار پایا تو اس کے لئے معالج کا ہونا اور جائے علاج یا شفا خانہ کا ہونا بھی ضروری ہوا، پس درحقیقت خانقاہ دلوں کے ان روحانی شفاخانوں کا نام ہے جہاں دلوں کا علاج ہوتا ہے پس یہ شفاخانے ہیں باطنیات کے جیسے شفاخانے انسانی امراض جسمانی کے لئے ہیں ایسے ہی خانقاہیں روحانی شفاخانے ہیں امراض روحانی کے دفع ہونے کے لئے، تو جیسے مدرسہ ضروری ہے ایسے ہی یہ خانقاہ کا وجود بھی ضروری ہے، اس کے

بغیر چارہ نہیں، ورنہ متقدمین سے یہ سلسلہ کیوں چلتا، اس کی بنیاد کیوں ڈالی جاتی؟'' (حیات مسیح الامتؒ ص ۴۷۶۔۴۸۰)

خانقاہ میں قیام کے آداب جس طرح مدرسہ یا کالج اور یونیورسٹی میں داخلہ کے لئے شرائط اور ان کے دارالاقاموں میں قیام کرنے کے حدود وضوابط ہوتے ہیں جن کی رعایت اور پاسداری ضروری ہوتی ہے کہ بغیر ان کے یا تو داخلہ ہی نہیں ہوتا یا داخلہ ہو جاتا ہے تو مفید اور مثمر نہیں ہوتا اسی طرح خانقاہ میں داخلہ اور قیام کے لئے بھی کچھ اصول و آداب ہیں کہ انکی رعایت اور پابندی کے بغیر سوا محرومی کے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا، ہم ذیل میں خانقاہ مسیح اللہی کے اصول وضوابط ''حیات مسیح الامتؒ'' کے حوالہ سے ملخصاً تحریر کرتے ہیں، اس سے اندازہ ہوگا کہ حضرتؒ کے یہاں ''تصوف وسلوک'' اور ''اصلاح وتزکیہ'' کی حقیقت کیا تھی اور وہ اپنے زیر اصلاح وتربیت افراد کو کیا سکھانا اور کیا بنانا چاہتے تھے:۔

''ادب (۱) : جب خانقاہ میں قیام کی غرض سے آئیں تو گھر والوں کی ضروریات کا انتظام کر کے آئیں، گھر پر کوئی دیندار معتمد علیہ شخص ایسا ہو جو ضروری سودا سلف لا کر دیدیں اور رات کو گھر پر سو جایا کریں۔

ادب (۲) : خانقاہ میں قیام کرنے کا اصل الاصول حضرتؒ کے نزدیک دو چیزیں تھیں (۱) سکون قلبی (۲) سکوت لسانی۔ سکون قلبی سے مراد یہ ہے کہ اپنے قلب کو دوسرے مشاغل سے بالکل خالی رکھے۔ سکوت لسانی سے یہ مراد ہے کہ بلا ضرورت کسی سے کلام نہ ہو۔ اور قیام خانقاہ کے دوران اور اوقات مجلس کے علاوہ صرف دو کاموں میں مشغول رہیں ایک

ذکر اور دوسرے مطالعہ۔ پورا وقت انہی دو کاموں میں گزرنا چاہئے۔

ادب (۳) : نہ کسی سے دوستی کرے نہ دشمنی اور نہ مجلس آرائی کرے، حضرت حکیم الامتؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ ''میں نے خانقاہ میں قاعدہ مقرر کر دیا ہے کہ نہ کسی سے دوستی بڑھاؤ، نہ دشمنی پیدا کرو اور نہ زیادہ مجلس آرائی کرو، کیونکہ یہ مجلس آرائی فساد کی جڑ ہے''۔ (اشرف السوانح ص ۳۰۸ جلد۲)

ادب (۴) : اصلاح وتربیت کی غرض سے آنے والوں کو چاہئے کہ ملاقات کے وقت اپنے قیام کی مدت بتا دیں اور جب واپسی ہو تو جانے سے ایک دو روز پہلے اپنی واپسی کی اطلاع کر دیں۔

ادب (۵) : خانقاہ میں ناظم خانقاہ سے اپنے قیام کی جگہ معلوم کرلیں اور جہاں وہ بتلا دیں قیام کرلیں۔

ادب (۶) : خانقاہ میں قیام کے زمانہ میں اپنے طعام کا انتظام خود کیا جائے جسکی صورت یہ ہے کہ مدرسہ کے مطبخ سے بھی قیمتاً جاری ہوسکتا ہے، ایک دوسرا مطبخ بھی ہے وہاں سے بھی جاری ہوسکتا ہے۔ واپسی سے پہلے اپنے کھانے کی قیمت حساب کر کے ادا کر دینی چاہئے، اور مدرسہ کے مطبخ سے کھانا جاری کرایا جائے تو ناظم مطبخ کو قیمت طعام

کے پیسے دے کر رسید لے لی جائے۔

ادب (۷) : ان دو جگہوں کے علاوہ قصبہ میں کسی کے یہاں سے کھانا جاری نہ کرائیں۔اس سے تعلقات بڑھتے ہیں۔

ادب (۸) : خانقاہ میں قیام کے زمانے میں اہتمام کے ساتھ مجالس شریفہ میں شرکت کی جائے، جو مجلس روزانہ ہوتی ہے اس کا وقت موسم وغیرہ کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے، جو بھی وقت مجلس کا ہو اہل خانقاہ سے معلوم کرلیا جائے اور مجلس سے پہلے ہی استنجاء اور وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر مجلس کی تیاری کر لی جائے تا کہ صحیح وقت پر مجلس میں شرکت ہو سکے۔

ادب (۹): خانقاہ میں قیام کے زمانہ میں سالکین اپنا حال کاپی میں لکھ کر پیش کرتے ہیں، کاپی رکھنے کی جگہ دائیں جانب دیوار کے پاس ہے وہاں رکھدی جائے، جواب بائیں جانب گدے کے کونے کے نیچے رکھدیا جاتا ہے وہاں سے اپنی کاپی لے لی جائے۔

ادب (۱۰) : اگر کسی سالک کو اپنا حال تنہائی میں کہنا ہو تو اس کے لئے کسی وقت حضرت والا سے ملاقات کر کے وقت معلوم کرلیا جائے اور جو وقت مقرر ہو جائے اسی وقت حاضر ہو کر حال بیان کر دیا جائے۔

ادب (۱۱) : مجلس کے اوقات کے علاوہ بلا ضرورت حضرت والا کے پاس صرف برکۃً نہ بیٹھیں۔حضرت والا ہمیشہ ڈاک وغیرہ کے لکھنے میں یا بعض اہم امور میں مشغول رہتے ہیں،

نیز اس طرح بیٹھنے میں خلل ہوتا ہے سوا اس کے کہ کسی کو حضرت کی طرف سے اس کی اجازت ہو۔

ادب (۱۲) : اگر کسی ضرورت سے جلال آباد سے باہر دہلی، سہارنپور یا تھانہ بھون وغیرہ جانا ہو تو حضرت والا سے اجازت لے کر جائیں اور واپسی پر اپنے آنے کی بھی حضرت والا کو اطلاع کردیں۔

ادب (۱۳) : بعض حضرات کا بیعت ہونے سے قبل حضرت کے ساتھ شاگردی یا عزیز داری وغیرہ کا تعلق رہا ہے وہ حضرات سلسلہ میں داخل ہونے کے بعد حضرت والا کا شیخ طریقت ہونے کی حیثیت سے کامل ادب ملحوظ رکھیں، پہلی سی بے تکلفی نہ رکھیں، صوفیاء کا مقولہ ہے ''الطریق کلہ ادب'' راہ سلوک تو پورا ادب ہی ہے۔ بعض مرتبہ ذرہ سی بے ادبی محرومی کا باعث بن جاتی ہے۔

ادب (۱۴) : خانقاہ میں کوئی چارپائی وغیرہ غلط جگہ نہ بچھائیں، نہ کسی ایسی جگہ پانی وغیرہ ڈالیں جس سے لوگوں کو تکلیف ہو، اسی طرح موم بتی جلتی ہوئی نہ چھوڑیں نہ ماچس جلا کر بے احتیاطی سے ڈالیں بعض مرتبہ ذرہ سی غفلت سے بستر وغیرہ جل گئے ہیں۔

ادب (۱۵) : صفائی کا پورا پورا خیال رکھیں، اپنے کمرہ اور اس کے سامنے بھی صفائی رکھیں، حدیث شریف میں ہے

''نظفوا افنیتکم '' اپنے گھروں کے سامنے کے صحن کو صاف ستھرا رکھو۔

ادب(۱۶) : جب واپسی ہو تو چارپائی بستر وغیرہ کو سلیقہ سے رکھیں اور کمرہ کی چابی ناظم خانقاہ کے سپرد کر دیں۔

ادب((۱۷) : خانقاہ میں قیام کے زمانہ میں روزانہ کوئی وقت چہل قدمی کے لئے بھی مقرر کر لیں۔ صحت کا بھی خیال رہے، صحت کا خیال رکھنا شرعاً ضروری ہے۔

ادب(۱۸) : جو حضرات یہاں مدرسہ میں پہلے تعلیم حاصل کر چکے ہوں اور اب تربیت و اصلاح کی غرض سے آئے ہوں وہ آنے کے بعد اساتذہ کرام یا طلبہ میں سے جس سے جی چاہے ملاقات کر لیں اور اس کے بعد خالی الذہن اور یکسو ہو کر خانقاہ میں رہیں پھر ملنے جلنے کی اجازت نہیں ہے۔

ادب(۱۹) : خانقاہ میں رہتے ہوئے نہ کسی سے قرض لیں، نہ کسی کو قرض دیں، نہ خیرات کریں اور نہ کسی کی دعوت قبول کریں۔

ادب (۲۰) : خانقاہ میں اپنے سامان وغیرہ کی حفاظت کا خاص طور پر خیال رکھیں۔ جب باہر جائیں تو کمرہ میں تالا لگا دیں۔

ادب(۲۱) : خانقاہ کے قیام کے دوران ایسا بننے کی سعی ہو کہ جو حضرت والا سے سنا ہے وہ حال بن جائے ہاور کیسا بنا

اس کا پتہ خانقاہ میں نہیں گھر جا کر ہوتا ہے، چونکہ یہاں خانقاہ میں تو ذکر میں لگا ہوا ہے، یکسوئی ہے، کسی سے کوئی واسطہ بھی نہیں پڑ رہا ہے اور جب گھر جائے گا تو بیوی سے، پڑوسیوں سے اور مختلف قسم کے لوگوں سے مختلف قسم کے حالات ناگواری طبع کے پیش آئیں گے اس وقت سالک جما رہے، غصہ نہ ہو، تیزی نہ آجائے، برداشت کر جائے، یہ ہے تربیت کا اثر اور نفع اور اس کا امتحان بجائے خانقاہ کے اپنے اپنے گھروں پر ہوگا۔

ادب (۲۲) : مسجد میں بیٹھ کر نماز کے اوقات میں ذکر یا تلاوت اس طرح آواز سے نہ کریں کہ نمازیوں کی نماز میں اس سے خلل واقع ہو۔

ادب (۲۳) : خواہ زبانی گفتگو کی جائے یا تحریراً لکھا جائے بلا کسی تصنع و تکلف کے سیدھی سچی بات عرض کر دی جائے، بات پوری اور صاف لکھیں تا کہ حضرت والا کو بار بار دریافت نہ کرنا پڑے، اگر کسی غلطی پر تنبیہ فرمائیں تو فوراً اپنی غلطی کا اقرار کر لیں، تاویل نہ کریں۔ حضرت حکیم الامت تحریر فرماتے ہیں کہ ”تاویل کے تو یہ معنی ہیں کہ ہم میں کوئی عیب ہی نہیں، اگر یہ بات ہے تو پھر اصلاح ہی کے لئے کیوں آتے ہو“ (از معمولات خانقاہ ص ۱۰)۔

ادب (۲۴) شیخ معالج روحانی ہے پس جس طرح معالج جسمانی

کے سامنے مریض کو اپنا تمام حال بیان کر دینا ضروری ہے اسی طرح معالج روحانی کے سامنے بھی اپنا پورا حال بیان کر دینا ضروری ہے۔

ادب (۲۵) : حضرت والا اصلاح و تربیت سالکین کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمائیں یوں سمجھیں کہ مجھ ہی سے فرما رہے ہیں، چاہے مخاطب اس وقت کوئی دوسرا ہو، لہذا خود بھی ان مضامین کو تامل و تفکر کے ساتھ اپنے حالات پر منطبق کر کے اپنی ضروری اصلاح کرتے رہیں، بالخصوص اپنی معاشرت اور اپنے اخلاق اور اپنے معاملات کی درستی کی جانب خاص طور پر متوجہ رہیں۔

ادب (۲۶) : اپنے معمولات کو ترتیب کے ساتھ مقرر رکھیں، ہر کام کا ایک وقت مقرر ہو اور اسی وقت مقررہ پر اس کے انجام دینے کی پابندی رہے۔ انتظام اور ضابطہ پر کام ہونا چاہئے، اس سے تھوڑے وقت میں بہت کام ہو جاتا ہے۔

ادب (۲۷) : حضرت والا کی خدمت میں حال بیان کرنے میں ترتیب کا لحاظ رکھا جائے، مثلاً اخلاق ذمیمہ میں سے ایک ذمیمہ تکبر، ریا، حرص و طمع وغیرہ کو لیا جائے اور ان میں سے جو جو مرض اپنے اندر پایا جائے اسے حضرت والا کی خدمت میں بغرض اصلاح لکھا جائے۔ (حیات مسیح الامتؒ ص ۴۷۶۔ ۴۹۳ سے ماخوذ)

خلاصۃ الآداب

خانقاہ میں قیام باسکوت باسکون ہو

ایک مرتبہ حضرت مسیح الامتؒ سے دریافت کیا گیا۔ کہ حضرت کی خدمت میں حاضری کے وقت خانقاہ میں قیام کے زمانہ میں کس طرح رہنا چاہئے؟ اس کے جواب میں حضرت نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ خلاصۃ الآداب بھی ہے اور جامع الآداب بھی، اور سلوک و طریق کی روح بھی، اسلئے اس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔

"ارشاد فرمایا کہ جو حضرات یہاں آتے ہیں ان کو باسکون با سکوت رہنا چاہئے ــــ باسکوت لسان اور باسکون قلب ــــ نہ کوئی انکے پاس آئے نہ یہ کسی کے پاس جائیں، بس کسی سے ملنا نہیں، کسی سے بات کرنا نہیں، کوئی ضرورت ہی خاص پیش آجائے تو الگ بات ہے۔ حتی کہ جو حضرات یہاں پڑھے ہوئے ہیں، طالب علمی کے زمانہ میں یہاں رہے ہوئے ہیں، وہ آتے ہیں تو ان سے کہدیا جاتا ہے کہ آنے کے بعد اپنے اساتذہ حضرات سے ملاقات کر لیجئے پھر ملاقات کی اجازت نہیں ہے۔ اب دیکھ لیجئے کہ جب استادوں سے بھی ملاقات کی اجازت نہیں ہے تو دوسروں سے ملاقات کرنے کو تو اور بھی زیادہ منع کیا جائیگا۔

یہ حضرات دوسروں کے پاس ملاقات کو کیوں جائیں اور ان کے پاس دوسروں کو آنے کی کیا ضرورت ہے، یہ ملاقات

کے لئے نہیں آتے یہ تو لقائے رب کے لئے آتے ہیں، لقائے خلق کے لئے نہیں آتے لقائے خالق کے لئے آتے ہیں، پھر یہ لقائے خلق لوگوں کے ساتھ باتیں کرنا کیسا؟ یہ تو جائز نہیں ہے۔ کیا یہ ملاقاتیں کرنا جمعیت خاطر کے خلاف نہیں ہے؟ اگر ملاقاتیں ہی کرنا تھیں تو پھر خانقاہ میں کیوں آئے تھے؟ سمجھے مولانا مفتی صاحب ! یہ سلوک کا مسئلہ ہے اور جو سلوک کا مسئلہ ہے وہ شریعت ہی کا مسئلہ ہے۔ دیکھئے حدیث شریف میں ہے "من یومن باللہ والیوم الآخر فلیقل خیراً او لیصمت" پھر یا باتیں کرنا کیسا؟ کبھی کہیں جارہے ہیں کبھی کہیں جارہے ہیں، کبھی ان کے پاس کوئی آرہا ہے، کبھی کوئی آرہا ہے۔ یہاں اصلاح کیلئے آتے ہیں یا ملاقاتوں کیلئے آتے ہیں، ادھر اُدھر گھومنے پھرنے کیلئے آتے ہیں۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر خانقاہ ہی کیوں بنے، یہ خانقاہ ہے خواہ مخواہ نہیں ہے، یہ تو لقائے رب کی استعداد بملکہ احسان کیلئے ہے، خواہ مخواہ نہیں ہے خانقاہ تو اس شعر کا مصداق ہے۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

اگر اس کا مصداق ہو تو خانقاہ ہے۔ ہاں خانقاہ کے قیام کے زمانہ میں کوئی اپنا عزیز و قریب ہی پاس آگیا تو مل لیں، نہ یہ کہ بیٹھے ہوئے باتیں کررہے ہیں۔ یہ نہیں کہ اجنبی آدمی کو بھی

اپنا بنا رہے ہیں، جان نہ پہچان اور پھر جان پہچان کر رہے ہیں۔

مجھکو بھی اطلاع ہوتی رہتی ہے، میں مجلس کے اندر عام خطاب کے ساتھ کہتا رہتا ہوں، سبھی کو سناتا رہتا ہوں۔ اب سننے والے بیٹھنے والے خود سوچ لیں کہ یہ بات کیوں کہی جارہی ہے، مجلس میں اس کا ذکر کیوں آیا ہے۔ اکثر و بیشتر فکر دلاتا رہتا ہوں، ذہنوں کو کھٹکھٹاتا رہتا ہوں، توفیق الٰہی سے حضرت والا (مولانا تھانوی) رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے۔ آگے سننے والے جانیں کہ میرے اس فکر دلانے سے وہ سبق حاصل کرتے ہیں یا نہیں۔ یہ طالبین کی سعادت مندی پر ہے کہ طبیعت کو ایسا خانقاہی بنا لیا جائے، خانقاہوں کے اصول تو بہشتی ہیں، یہاں آنے کا مقصد تو بہشتی بننا ہے۔ اسی کو حضرت والا (مولانا تھانویؒ) فرمایا کرتے تھے۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

کیا حدیث شریف میں نہیں ہے ''من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه'' آدمی کے اسلام کی خوبی اور کمال یہ ہے کہ وہ لایعنی باتوں کو ترک کردے۔ کیا قرآن شریف میں نہیں ہے ''قد افلح المؤمنون الذین هم فی صلاتهم خاشعون والذین هم عن اللغو معرضون'' بالتحقیق ان مسلمانوں نے فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں اور

جو لغو باتوں سے بر کنار رہنے والے ہیں ۔ سب سلوک و تصوف قرآن شریف کے اندر موجود ہے ۔ دیکھو میں نے قرآن پاک کی آیت پڑھی ۔ اس میں یہ تعلیمات ہیں یا نہیں؟ بس انہیں تعلیمات کو خانقاہ میں آکر دل میں جمانا ہے اور عمل میں لانا ہے اس عملی مشق کے لئے خانقاہ ہے، جسے انگریزی میں پریکٹس کہا جاتا ہے۔

یہ عملی مشق گو ابتداءً کچھ شاق گزرے مگر پھر عمل کرتے کرتے وہ مشاق ہوتا گیا اور شوق آگیا، اب ان اعمال کی عادت ہوگئی لہٰذا شاق نہیں رہے، ان کا شوق آگیا، بطور مثال دیکھئے کوئی شخص کسی قاری صاحب کے پاس تجوید کی مشق کرنے کیلئے آئے اب استاذ صاحب پڑھا رہے ہیں، ہر حرف کو اپنے مخرج سے نکلوا رہے ہیں، ابتداءً شاق گزر رہا ہے مگر مشق کرتے کرتے پھر صحیح پڑھنے لگتا ہے، جب مشق کرتے کرتے شوق ہو جاتا ہے اور یہ عادت بن جاتی ہے تو پھر اس کے خلاف کرنے میں تعب اور مشقت ہوتی ہے۔ اسی طرح تصوف میں اور سلوک میں سمجھ لیجئے کہ جب رسوخ ہو گیا اخلاق حمیدہ پر، اور اخلاق ذمیمہ نکل گئے تو یہ سب اب اس کی عادت بن گئے، لہٰذا اب مشقت گئی اور شوق آگیا، اس مشق کے لئے خانقاہ ہے۔ تصوف و سلوک عین شریعت۔ بس نام کا فرق ہے، اعمال ظاہرہ کے مجموعہ کا نام رکھدیا ہے "فقہ" اور

اعمال باطنہ کا نام رکھ دیا ہے ''سلوک وتصوف'' ان باتوں کو ذہن میں جمالو اور باقاعدہ ترتیب اور ربط کے ساتھ نقشہ کھینچو خانقاہ کا۔ کرو بیدار لوگوں کو۔ اہل علم کو، مولویوں کو، طلبہ کو، اپنے آپ کو اور اس طرح بنانے کی کوشش کرو۔ اول اول شاق گزرے گا مگر جب اقدام کیا ہے تو مہربانی فرما کر سلوک کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ آئیں بدسلوکی سے باز آئیں۔ آج کل تو سلوک اور تصوف کے ساتھ کھیل ہو رہا ہے۔ سلوک وتصوف پورا کا پورا قرآن وحدیث میں موجود ہے۔

سالک کو کیسا ہونا چاہئے؟ سنئے سالک کو خاضعاً و خاشعاً، ظاہراً و باطناً، بکمال عبدیت، بتقوی، برسوخ، بغایت تصلب، بخشوع قلب وبخضوع جسم، من حیث رفتار، من حیث گفتار، نظر بر قدم، زبان بھی قابو میں، آنکھ بھی قابو میں، دل بھی قابو میں، اعضاء بھی قابو میں بغرض حصول رضاء رب بمحبت ومحبت لقاء رب بملاحت خشیت۔

وہ محبت محبت نہیں جس میں خشیت نہیں اور خشیت بملاحت یعنی خشیت مثل نمک کے ملی ہوئی ہو اور نمک اندازہ کا ہونا چاہئے، اگر نمک زیادہ ہو جائے تب بھی کھانے کے مزہ میں فرق آجائے گا، نمک تو بس تھوڑا سا کافی ہے، بس اتنا خوف ہونا کافی ہے کہ اس خوف کی وجہ سے، خلاف شرع عمل کرنے کی ہمت نہ رہے، ڈر لگنے لگے، بس کافی ہے اس

سے زیادہ خوف کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے "ان رحمتی سبقت علی غضبی "یعنی میری رحمت میرے غضب پر سبقت لئے ہوئے ہے۔

(حیات مسیح الامت ص۴۹۳۔۴۹۸)

باب ۲

اصلاح معاشرت

اصلاح معاشرت

امور معاشرت کی اصلاح اور آداب معاشرت کی طرف خصوصی توجہ اور اہتمام سلسلہ تھانویؒ کا وصف خاص اور امتیاز ہے،حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہ کو دین کے اس شعبہ کی طرف خاص توجہ تھی، جس کی وجہ حضرت تھانویؒ نے اپنے رسالہ نافعہ ''آداب المعاشرت'' کے مقدمہ میں ان الفاظ میں تحریر فرمائی ہے:۔

''حمد وصلاۃ کے بعد عرض ہے کہ اس وقت دین کے پانچ اجزاء میں سے عوام نے تو صرف دو ہی جزء کو داخل دین سمجھا یعنی عقائد وعبادات کو۔ اور علماء ظاہر نے تیسرے جزء کو بھی دین اختیار کیا یعنی معاملات کو۔ اور مشائخ نے چوتھے جزء کو بھی دین قرار دیا یعنی اخلاق باطنی کی اصلاح کو۔ لیکن ایک پانچویں جزء کو کہ وہ ادب معاشرت ہے قریب قریب ان تینوں طبقوں نے الا ماشاء اللہ اکثر نے تو اعتقاداً دین سے خارج اور بے تعلق قرار دے رکھا ہے (اور اسی وجہ سے اور اجزاء کی تو کم وبیش خاص طور پر یا عام طور پر یعنی وعظ میں کچھ تعلیم وتلقین بھی ہے۔ لیکن اس جزء کا کبھی زبان پر نام تک بھی نہیں آتا۔ اسلئے علماً وعملاً یہ جزء بالکلیہ نسیاً منسیاً ہو چلا ہے۔ اور میرے نزدیک باہمی الفت و اتفاق میں جسکی شریعت نے سخت تاکید کی ہے اور اسوقت عقلاً بھی بہت چیخ وپکار ہے) جو کمی ہے، اس کا بڑا سبب یہ سوء معاشرت بھی ہے کیونکہ اس سے ایک کو دوسرے سے تکدر وانقباض ہوتا

ہوتا ہے اور وہ رافع ومانع ہے انبساط وانشراح کا جو اعظم مدار ہے الفت باہمدگر کا، حالانکہ خود اس خیال کو کہ اس کو دین سے کوئی مس نہیں، آیات واحادیث واقوال حکماء دین کے رد کرتے ہیں"

(مقدمہ آداب المعاشرت)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے سوانح نگار اور خلیفہ خاص خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ نے "اشرف السوانح" میں حضرت تھانویؒ کی اس خصوصیت اور امتیاز کو اس طرح بیان فرمایا ہے:۔

"حضرت والا (مولانا تھانویؒ) نے بحیثیت ایک حکیم الامت اور مجدد الملت ہونے کے اس شعبہ ضروریہ (یعنی معاشرت) کی اصلاح کی جانب بھی اس درجہ اہتمام فرمایا اور اس قدر تفصیل کے ساتھ توجہ فرمائی ہے کہ اس امر مہم کی جانب ایسی توجہ خاص صدیوں سے نہ ہوئی ہوگی، چنانچہ ایک بار خود فرمایا کہ: "مجدد ملت تو خیر کیا لیکن مجدد معاشرت میں ضرور ہوں"۔ حضرت والا (مولانا تھانویؒ) کو اصلاح معاشرت کا اس قدر اہتمام ہے کہ بلاخوف لومۃ لائم رات دن لوگوں کو نہایت اہتمام کے ساتھ اس کے متعلق روک ٹوک فرماتے رہتے ہیں اور کم فہموں کے طعنوں کی مطلق پرواہ نہیں فرماتے بمصداق ع

خلقے بطعن وگفتگو عاشق بکار خویشتن

حضرت والا جن جن آداب معاشرت کی تعلیم فرماتے رہتے ہیں وہ اتنے تعداد میں ہیں کہ ان کا احصاء ممکن نہیں۔

بہت سے ضروری آداب معاشرت نہایت تفصیل کے ساتھ تو حسن العزیز جلد اول میں جو احقر (خواجہ عزیز الحسنؒ) کا مرتب کیا ہوا مجموعہ ملفوظات ہے مذکور ہیں حضرت والا (مولانا تھانوی) فرمایا کرتے ہیں کہ میری نظر ذکر و شغل پر اس قدر نہیں جسقدر کہ اصلاح اخلاق و معاشرت پر، کیونکہ ان کا تعلق دوسروں سے ہے"۔ (اشرف السوانح جلد سوم۔ از آداب المعاشرت مبوب، مطبوعہ مکتبہ فیض اشرف جلال آباد)

حضرت حکیم الامت ہی کا ارشاد ہے کہ "آج کل لوگوں نے وظائف اور اوراد کو اصل سمجھ کر معاشرت کے تمام احکام سے نظر ہٹالی جو سخت دھوکہ ہے اور اشد غلطی ہے" (الافاضات الیومیہ ص ۲۴۶ جلد ۴)۔

حضرت مسیح الامتؒ کی فطرت ایسی سلیم اور ان کی طبیعت میں ایسا نظم و ترتیب اور اس کے ساتھ ایسی رفق و نرمی اور شفقت و ہمدردی تھی جو ان نفوس قدسیہ ہی کا حصہ ہوتا ہے جو مؤید من اللہ ہوتے ہیں جس کے بہت سے شواہد آپ گذشتہ صفحات میں ملاحظہ کر چکے ہیں پھر اس پر مستزاد مرشد تھانویؒ کا یہ ذوق و مزاج اور ان کی شان تربیت اور حضرت پر ان کی خصوصی توجہ و عنایت نے ان کو مرشد تھانویؒ کے اس وصف خاص "آداب معاشرت" میں شیخ کاشی بنا دیا تھا۔ اس سلسلہ میں ان کی نگاہ بہت دور رس تھی، وہ ایسے تمام ذرائع و وسائل سے آگاہ فرماتے رہتے تھے جو معاشرت کی تباہی اور بربادی کا سبب بنتے ہیں۔

ایک بیش قیمت نصیحت ایک بار چند نوجوان حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے ان کو بتاکید نصیحت فرمائی کہ غلط جگہ بیٹھنے سے بچو، اسلئے کہ غلط جگہ بیٹھنے کے چار نقصانات ہیں، اول تو عزت گئی، دوسرے صحت اور تندرستی گئی، تیسرے پیسہ گیا اور چوتھے جو اپنا کام تھا وہ بھی گیا۔

فرماتے تھے کہ سب سے بڑی نیکی نیکوں کے پاس بیٹھنا ہے اور سب سے بڑی برائی بروں کے پاس بیٹھنا ہے۔ فرماتے کہ سنیما اور ٹی، وی برائیوں کی جڑ ہے۔ ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ لڑکوں کے پاس بیٹھنا فتنہ ہے، میرے پاس روزانہ بہت لوگ آتے ہیں کہ میرا بیٹا بڑا اچھا چل رہا تھا، نماز وغیرہ کی پابندی کرتا تھا، کہنا مانتا تھا اور کام میں لگا رہتا تھا لیکن اب کچھ دنوں سے اتنا بگڑ گیا کہ ہر بات کا جواب دیتا ہے۔ تو میں ان سے پوچھتا ہوں کہ ارے بھائی، کہیں ایسا تو نہیں کہ لڑکوں میں بیٹھنے لگا ہو۔ بیچارے کہتے ہیں کہ جی ہاں، ایسا ہی ہو گیا ہے۔ (یعنی آزاد لڑکوں کی صحبت نے اس کو خراب اور تباہ کر دیا)۔

ایک زریں اصول اسی سلسلہ میں باندازِ نصیحت ایک نہایت ہی مفید اصول ارشاد فرماتے کہ آنکھ، کان، زبان بند کر لو، بس اپنے کام سے کام، دوسری طرف نہ دیکھو، نہ سنو، نہ بولو، پھر دیکھو کیسی راحت ہی راحت ہے، اس میں تمام پریشانیوں سے حفاظت ہے، یہ تجربہ کی بات کہہ رہا ہوں۔ اور ارشاد فرمایا کہ سکوت ہو لغو کلام سے۔ قلب تو بس ایک ہی کے لئے ہے، اس میں دوسرے کی گنجائش کہاں ہے۔

گھریلو زندگی میں نرم گفتاری اور نرم خوئی کی تاکید آج کل عام طور سے گھروں میں جو معاشرت تباہ اور افرادِ خانہ کا چین وسکون برباد ہے اس کا اصل سبب تحمل و برداشت کی کمی اور حلم و بردباری کا فقدان ہے اور بیموقع غیظ وغضب کا اظہار جلتی پر تیل کا کام کرتا ہے، حضرت والاؒ کو اس کی اصلاح و درستگی کی بہت فکر تھی اور اہل معاملہ کو طرح طرح سے اور عجیب محبت و پیار کے انداز میں سمجھایا کرتے۔ ''حیات مسیح الامتؒ'' کے مرتب ہمیں اس سلسلہ کے کئی واقعات اور ارشادات بڑے والہانہ انداز میں سناتے ہیں:۔

وہ کہتے ہیں کہ بندہ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت ڈاک تحریر فرما رہے تھے، اتنے میں لوہاری سے ایک نوجوان ملنے کے لئے آیا اور عرض کیا کہ میں گنگوہ

اپنی بیوی کو لینے جارہا ہوں، حضرت جی نے ارشاد فرمایا "ضرور جاؤ ضرور جاؤ، لیکر آؤ اور دیکھو محبت کے ساتھ رکھنا خواہ وہ کیسی ہی کڑوی کسیلی باتیں کہے" اس نوجوان نے عرض کیا کہ جی ہاں میں اس کو کچھ نہ کہوں گا۔ حضرت والا نے فرمایا:۔

"ارے نہیں، ارے نہیں، اگر وہ گالی بھی دے تب بھی پھول سمجھنا بس کام بن جائے گا"

ایک موقع پر ارشاد فرمایا:۔

"سن رہے ہو بیویوں والو، اب تو یہ حال ہے مرد بیویوں پر حکومت کرتا ہے، مزاج ایسا بگڑ گیا ہے کہ ذرہ کچھ طبیعت کے خلاف بات پیش آئی اور بس چہرہ بگڑ گیا، جو زباں پر آیا بیوی سے کہدیا اور باہر نکل کر چلا گیا۔ ہاتھ میں تسبیح ہے، تسبیح گھما رہا ہے، نفلیں پڑھ رہا ہے، اس کی بلا سے۔ بیوی کو رنج ہو رہا ہے، تکلیف ہو رہی ہے، کہہ کر چلا گیا اب اس پر شرمندگی بھی نہیں ہو رہی ہے۔ معلوم ہوا کہ اس شخص کو سلوک کی ہوا بھی نہیں لگی۔ دیکھو، اللہ میاں یہ نہیں پوچھیں گے کہ تسبیح کیوں نہیں پڑھی، زبان ذکر میں کیوں نہیں چلی، ہاں یہ پوچھیں گے کہ بدزبانی کیوں ہوئی اور جس چیز کا سوال ہو گا اس کا اہتمام اور التزام چاہیے"

(حیات مسیح الامتؒ ص ۴۵۸)

اہل تعلق کو ترغیب و تحریض کی غرض سے اپنا طرز عمل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:۔

"اولاً تو بیویاں بیچاری بہت اچھی ملیں (گذشتہ صفحات میں آپ

پڑھ چکے ہیں کہ حضرت کی یکے بعد دیگرے دو شادیاں ہوئی تھیں، پہلی اہلیہ کے انتقال کے بعد دوسرا نکاح فرمایا) لیکن بہر حال عورت ہے، وہ کچھ نہ کچھ کبھی زبان پر لے ہی آتی ہے، میں تو ایسے مواقع پر ہمیشہ درگذر کرتا رہا، ایسا کوئی موقع ہوا تو ٹال دیا، کھانا وقت پر ملا تب، وقت پر نہ ملا تب، وقت پر پک گیا تب، وقت پر نہ پکا تب، کبھی کچھ نہیں کہا۔ اگر کبھی مرچیں اتفاق سے تیز ہو گئیں تب بھی کچھ نہیں، بس یہ کہدیا کرتا تھا ذرہ سا میٹھا لے آنا، میرا تو ایسا برتاؤ رہا۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے یوں کہا ہو کہ میرے لئے فلاں چیز پکا دو، اگر زبان سے کبھی الٹی سیدھی انھوں نے کہہ بھی دی تو پرواہ نہیں کی، خیال کرلیا کہ کہنے دو، یہ اپنی چہار دیواری کو، اپنی ماں کی گود کو، اپنے ابا کے کندھے کو چھوڑ کر آئی ہے، اپنے اس گھر کو چھوڑ کر آئی ہے جہاں اس نے پرورش پائی تھی اور ایک اجنبی جگہ میں آئی ہے، یہ اس کا بہت بڑا ایثار ہے، چنانچہ جب اپنے گھر سے چلتی ہے، رخصت ہو کر آتی ہے تو رو کر چلتی ہے۔

اے مرد، ذرہ سوچ اگر اللہ تعالی تجھے عورت بنا دیتے تب تجھے پتہ چلتا، پھر تو اس بیچاری پر رحم کیوں نہیں کھاتا، اب جب وہ یہاں چہار دیواری میں تیرے پاس آئی ہے تو تجھ پر ناز نہ کرے تو کس پر کرے، پھر بھلا اس کے ناز پر میاں نیاز مندی کیوں نہ کرے؟ ارے بھائی، جو کچھ وہ کہہ رہی ہے سن لو۔

چنانچہ حضرت والاؒ نے ایک شخص کو جس نے اپنی بیوی کی شکایات

کی تھیں تحریر فرمایا تھا کہ اس کی بے عدولی پر صبر کرو اور تمہاری طرف سے عدل" (حیات مسیح الامتؒ ص ۴۵۸۔۴۵۹)

جہیز مہذب ڈاکہ بیوی اور سسرال والوں سے شکایت کا ایک عام سبب کبھی جہیز بھی ہوا کرتا ہے کہ حسب توقع جہیز نہ ملنے پر یا فرمائش پوری نہ ہونے پر جو کبھی صراحۃً ہوتی ہے اور کبھی اشارۃً وکنایۃً، تلخی اور تند مزاجی کی فضاء گھر کے سکون کو غارت کئے رہتی ہے۔ اور اسی جہیز لینے دینے کی ہوس نے معاشرہ میں کتنی خرابیاں پیدا کر رکھی ہیں۔ حضرت نے ایک موقع پر جب کہ کچھ لوگ ملاقات وزیارت کے لئے آئے ہوئے تھے سلسلہ کلام میں فرمایا کہ:۔

"ایک تو غیر مہذب ڈاکہ ہوتا ہے جو ڈاکو ڈالا کرتے ہیں۔ اور ایک مہذب ڈاکہ ہے کہ لڑکے والا لڑکی والے سے کہتا ہے کہ پلی پلائی بیٹی تو تم دو گے ہی، مگر اس کے ساتھ لاکھ دو لاکھ روپے، اسکوٹر سواری کیلئے، ٹیلی ویژن اور سامان کتنا دو گے۔ یہ مہذب ڈاکہ ہے، لڑکے والے کی تو خانہ آبادی ہوئی اور لڑکی والے کی خانہ بربادی ہوگئی، اس کی تو قرقی ہوگئی۔ میرے پاس خطوط آتے ہیں، حالات معلوم ہوتے رہتے ہیں۔ حالانکہ دیکھو، مسلمانوں میں باپ دادا کے زمانہ میں یہ رسم کہاں تھی؟ یہ سب غیروں کا طریقہ لے لیا ہے اور نکاح جس کو حدیث شریف میں آدھا ایمان فرمایا گیا ہے" النکاح نصف الایمان " آج وہ آدھا اسلامی ہے، آدھا غیر اسلامی ہے، چونکہ اس میں آدھی غیر اسلامی رسومات کو شامل کرلیا ہے"۔

(حیات مسیح الامتؒ ۴۶۱)

دوسروں کی تکلیف وراحت کا خیال ولحاظ ادب معاشرت میں اصل الاصول یہ ہے کہ دوسروں کی تکلیف وراحت کا پاس ولحاظ رکھے، صرف اپنے مفاد اور مطلب برآری پر ہی نظر نہ ہو۔ آیات واحادیث کی نصوص اس کی بابت بہت واضح اور صریح ہیں، اکابر اور بزرگوں کے عمل سے ہمیں اس کی عملی توضیحات معلوم ہو جاتی ہیں اور اس کی اہمیت معلوم ہو کر جذبہ عمل پیدا ہوتا ہے، حضرت والاؒ اس سلسلہ میں اس قدر حساس تھے کہ آپ کی نظر وہاں تک پہنچتی تھی جہاں تک بالعموم بڑے بڑے اہل تقوی کی نظر بھی نہیں پہنچ پاتی، مرتب ''حیات مسیح الامت'' نے ایک واقعہ لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آج مسلمان اسلامی اقدار وآداب پر عمل پیرا ہوں تو اپنے تو اپنے غیر بھی ان کو گلے لگائیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت کے یہاں خطوط کا ایک انبار روزانہ ہوا کرتا تھا جن کا جواب آپ بڑی پابندی کے ساتھ روز کے روز لکھ کر سپرد ڈاک کرا دیتے، اس کے لئے ایک صاحب مقرر تھے جو ڈاک لیجاتے اور ڈاکخانہ پہنچاتے۔ ایک روز آپ نے ان صاحب سے جو ڈاک لیجانے کے لئے متعین تھے فرمایا کہ خطوط زیادہ ہیں، ان میں آدھے رکھدو، آدھے لے جاؤ۔ یہ اسلئے فرمایا کہ ڈاکخانہ والوں کو زیادہ ڈاک کی وجہ سے مہر وغیرہ لگانے میں تکلیف نہ ہو۔ ان صاحب نے ڈاکخانہ والوں سے اس کا تذکرہ کر دیا تو وہ لوگ حضرتؒ کے اس اخلاق کریمانہ سے بیحد متاثر ہوئے کہ حضرت جی ہمارا اتنا خیال فرماتے ہیں اور ان لوگوں نے ان صاحب سے کہا کہ ہم نوجوان آدمی ہیں حضرت کی جتنی بھی ڈاک ہو آپ لے آیا کریں، اس سے ہم کبھی نہیں تھکتے —— اسی طرح حضرت والا یہ بھی تعلیم فرماتے کہ لفافہ پر ٹکٹ ایک ہی جگہ چسپاں کیے جائیں تا کہ ڈاکخانہ والوں کو مہر لگانے میں سہولت رہے۔

دوسروں کی راحت وآرام کے خیال ولحاظ ہی کے سلسلہ میں یہ بھی تاکیداً تعلیم فرماتے رہتے کہ بات صاف صاف کہیں اور ایسی آواز سے کہیں کہ مخاطب اچھی طرح سن

لے، ایک طالب علم نے آہستہ سے کوئی بات کہی تو فرمایا کہ جب کسی سے کوئی بات کرے تو اسطرح بات کرے کہ وہ سن بھی لے اور سمجھ بھی لے۔ اب فرمایئے کیا فرمانا ہے۔

ایک صاحب کہیں سے دعا کرانے کے لئے سفر کر کے آئے اور دعا کی درخواست کی، اس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ کارڈ لکھدیتے، اس کے لئے سفر کی کیا ضرورت تھی، دعاء کیلئے تو کارڈ ہی کافی تھا، اور یہ بات میں آپ سے نہیں کہہ رہا ہوں سب سے کہتا ہوں۔

ہاتھ در ہاتھ جواب مانگنے پر تنبیہ ایک نوجوان نے ایک دوسرے صاحب کا خط دیا اور دستی جواب مانگا۔ اس پر فرمایا کو اس طرح تقاضے کے ساتھ خط مت لیا کرو، ہو سکتا ہے اس وقت مجھے فرصت نہ ہو، اگر کوئی خط دے تو کہدیا کرو کہ ڈاکخانہ کے لفافہ میں رکھ کر پتہ لکھ کر دیدو۔ اگر فرصت ہوگی جواب لکھدیں گے ورنہ ڈاک سے جواب آجائے گا۔

جھانکنے پر تنبیہ ایک شخص نے باہر سے جھانک کر دیکھا، آپ نے دیکھ لیا تو اس شخص کو اندر بلایا اور فرمایا کہ یہاں بھیڑئے ہیں جو اس طرح جھانکتے ہو، جیسے جھانکنا ویسے ہی اندر آجانا ہے۔ قرآن پاک میں سلام کر کے اجازت مانگنے کی تعلیم ہے۔ اجازت کے بعد اندر آجاؤ۔ (حدیث شریف میں اندر جھانکنے پر سخت وعید آئی ہے کیونکہ اس میں پردہ دری ہے اور عیب جوئی بھی، خواہ زنانہ گھر کے اندر ہو یا مردانہ خاص کمرہ میں ہو۔ احقر مؤلف)

لباس و پوشاک کی اصلاح فرمایا کہ ہندوستانی مسلمان دوسروں کا لباس اختیار کرتا ہے، کیا وہ بہروپیا ہے؟ کبھی ہندوؤں کا لباس لے لیا، کبھی انگریزوں کا لباس لے لیا، کبھی کسی اور کا، تو بہروپیا ہو گیا یا نہیں؟ ننگے سر ہی پھرنے لگے، میرے پاس آتے ہیں تو میں ضرور ٹوکتا ہوں، کہتا ہوں ٹوپی کہاں گئی؟ کوئی بچہ ساتھ ہوتا ہے تو کہتا ہوں ٹوپی نہیں ہے۔

اوہو، بچہ کی ٹوپی کہیں کوا لے گیا ہوگا، ارے یہ بڑے بڑے ساتھ تھے ان سے بھی کوا نہ مارا گیا اور تیری ٹوپی کوے لے گیا، اوہو کیا کوا تھا وہ، اس طرح کہتا ہوں، سب کو کہتا ہوں، چاہے موٹر کار میں بیٹھ کر کیوں نہ آوے۔ اگر پائجامہ ذرہ بڑے پہنے ہوئے ہے، ٹخنے ڈھکے ہوئے ہوں، تو کہتا ہوں اوہو بھئی، دیکھو لنگی پائجامہ ایڑیوں کے نیچے ہے کہیں پھٹ نہ جائے، کہیں میلا نہ ہو جائے۔ اس طرح سے کہتا ہوں، لٹھ مار بات نہیں کرتا جو تہذیب کے خلاف ہو۔

ادب و تہذیب کی تعلیم آپ باادب اور مہذب سلوک اور طریقہ اختیار کرنے کی برابر تاکید فرماتے، خصوصاً کتاب، کاغذ اور قلم وغیرہ کے ادب کی نہایت تاکید فرماتے۔ چنانچہ مجلس کے موقع پر ایک صاحب نے دوسرے ساتھی سے قلم مانگا انھوں نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے ہی دوسرے ساتھی کی طرف قلم پھینک دیا اور انھوں نے اس کو اٹھالیا، حضرت والاؒ نے دیکھ لیا اور ارشاد فرمایا کہ آپ قلم واپس لیکر دوبارہ ان کے ہاتھ میں دیجئے، چنانچہ پھینکنے والے صاحب نے فوراً اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور ان ساتھی کے ہاتھ سے قلم لیکر دوبارہ ادب کے ساتھ ان کے ہاتھ میں قلم دیا —— اس پر حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ یہاں صرف تسبیح اور وظیفے نہیں ہیں، یہاں یہ تعلیم ہے، یہ وظیفے تو حسن کی چیزیں ہیں، اصل تو اصلاح ہے، دیکھو عطر کپڑے کو پہلے لگایا جاتا ہے یا پہلے کپڑے کو میل کچیل سے صاف کیا جاتا ہے پھر اس کے بعد عطر لگایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ عطر لگانے سے پہلے کپڑے کو دھو کر صاف کیا جاتا ہے، اس کا میل دور کیا جاتا ہے پھر عطر لگایا جاتا ہے، اگر پہلے عطر لگا دیا جائے تو کیا حسن آئے گا؟ وظائف تو گھر پر بھی ہو سکتے ہیں مگر یہ چیزیں گھر پر نہیں آسکتیں، اسی کو چاہے یوں کہہ دیں کہ ایسی جگہ آدمی صرف عابد بننے کے لئے نہیں جاتا بلکہ آدمی بننے کے لئے جاتا ہے۔ صرف وظیفوں کے لئے آنا نہیں ہوا، اپنے اندر تقوی پیدا کرنے کے لئے آنا ہوا ہے جس کا قرآن پاک میں جگہ جگہ حکم ہے، ارشاد فرمایا ہے "**یا ایها الذین آمنوا اتقوا الله**"

یعنی اے ایمان والو، تقوی اختیار کرو۔ ایمان کے تقاضے کو عمل سے ثابت کرتے رہو ورنہ ہر چیز کا دعوی ہر شخص کر سکتا ہے۔ دیکھئے آدمی سانپ سے ڈرتا ہے تو اس سے بچتا بھی ہے یا نہیں۔ خوف کا دعوی بھی آسان ہے، محبت کا دعوی بھی آسان ہے۔ اصل تو خوف اور محبت کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے۔ کسی بھی انسان کو ہم سے کسی قسم کی ایذاء اور تکلیف نہ پہنچے اس کا دھیان اور فکر ہمیشہ رہے۔

ہمارے بھائی نے قلم کو ان کی طرف پھینک دیا تھا، میں نے اس کو ٹوکا اور اٹھوایا اور اٹھانے کے بعد دوبارہ انھوں نے دیا، میں نے کیوں ٹوکا؟ مجھے امید ہے کہ میرے اس کہنے پر برا نہ مانیں گے۔ اگر نہ ٹوکا جائے تو خیانت ہے، اگر طبیب اپنے سامنے بد پرہیزی دیکھے گا تو کیا منع نہیں کرے گا۔ شیخ تو یہ چاہتا ہے کہ اگر کل متقی ہونا ہو تو آج ہی ہو جائے۔ شیخ کا یہ رنگ ہوتا ہے یہ شان ہوتی ہے۔ اب طالب میں جس قدر طلب اور حوصلہ ہوگا لے لے گا، اسی لئے علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ سر پر رکھنے والے تو بہت مل جائیں گے مگر ٹوکنے والا کوئی کوئی ملے گا، اگر مل جائے تو اسے ''کبریت احمر'' سمجھو جس کا ملنا نادر ہوتا ہے۔ شریعت کہتی ہے کہ کسی کو کوئی چیز دی جائے تو داہنے ہاتھ سے دی جائے کیونکہ اس چیز کا بھی ادب ہے اور جس کو وہ چیز دی جارہی ہے اس کا بھی ادب ہے۔

اگر کوئی آپ کا ملازم اور نوکر ہو اس کو بھی کوئی چیز پھینک کر نہ دینا چاہئے، چونکہ ملازم کو پھینک کر دینے میں اس کی تحقیر ہے، ملازم نے اپنی جان اور اپنی محنت کے بدلہ ملازمت کی ہے، اس نے اپنی عزت نہیں بیچی ہے۔

قلم تو بہت قابل احترام ہے، اللہ تعالی نے قرآن پاک میں اس کی قسم کھائی ہے ''نٓ والقلم وما یسطرون'' اور قسم بڑھیا اور نفع کی چیز کی کھائی جاتی ہے۔ لوح و قلم ہیں، لوح محفوظ پر قلم سے لکھا جاتا ہے، اصل قلم تو وہ ہے، یہ قلم اس کی صورت مثالیہ ہے جو

انسان کے لئے بڑے ہی نفع کی چیز ہے، پھر قلم کا کس قدر ادب ہونا چاہئے، کتاب کا کس قدر ادب ہونا چاہئے؟ کتاب کو ادب کے ساتھ سیدھے ہاتھ میں رکھے، یہ نہیں کہ قلم یا کتاب کو جس طرح چاہے رکھدو، جس طرح چاہے لے لو۔ یہ ہیں آدمیت کی اور اصلاح کی باتیں جن کے لئے (آپ حضرات کا) سفر کر کے (یہاں) آنا ہوا ہے۔

(حیات مسیح الامتؒ ص ۴۶۵۔۴۶۷)

تعلیم نسواں کے متعلق حضرت کی رائے مرتب "حیات مسیح الامتؒ" مفتی رشید احمد میواتی نے تعلیم نسواں کے متعلق حضرت والاؒ کی ایک تحریر کا اقتباس مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد کی روئیداد ۱۳۷۷ھ ص ۲۰ سے نقل کیا ہے۔ جس میں حضرت کی رائے اس کے متعلق دوٹوک اور نہایت واضح ہے ہم اس کو ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

"تعلیم نسواں کا سوال ایک عجوبہ بنا ہوا ہے حالانکہ جواب سہل ہے کہ عورتیں بھی مثل مردوں کے احکام الٰہی کی بجا آوری میں مکلّف ہیں اور حکم کی بجا آوری بلا حکم معلوم کئے ممکن نہیں، اسی حکم کے معلوم کرنے کا نام دین کے علم کا حاصل کرنا ہے اس لئے عقلاً عورتیں بھی علم دین کے حاصل کرنے کی مکلّف ہیں، اور نقلاً "طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة" کہ علم دین کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے، مکلّف ٹھہریں۔ پس گھریلو زندگی میں تعلیم قرآن پاک اور دینی مسائل و احکام بزبان اردو تعلیم الاسلام، بہشتی زیور وغیرہ کے ذریعہ یا بزبان فارسی مالابد منہ وغیرہ یا بزبان عربی حاصل کریں۔ نفس زبان کی حیثیت سے اردو یا فارسی میں کمال عورت کیلئے

کیا ضرور کہ معاش کی وہ مکلّف نہیں، ازدواجی زندگی میں زوج
اس کے نفقہ کا ذمہ دار ہے۔ اسکولوں میں جانا، دوسرے رسالے
پڑھنا پڑھانا عورت کو شوخ چشم بناتا ہے۔ کریلا نیم چڑھا کی
مثل ہو جاتی ہے۔

پردہ جو مستورات اور عورت کے نام میں رکھا ہوا ہے
اسکولوں میں بھیجنے اور تعلیم پانے میں اس کے لئے پردہ دری ہے۔
اس صنف پردہ نشیں نقاب پوش کے لئے فرائض نسوانی سے محروم
کرنا اور عفت وحیاء جو عورت کا ایک جوہر ہے ضائع کرنے کے
مترادف ہے'' (حیات مسیح الامتؒ ۴۶۸)

لباس و پوشاک، کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے کے طور وطریق کی اصلاح کی طرف بچپن ہی سے توجہ کرنی ضروری ہے کہ اس عمر میں جب اسلامی آداب واخلاق کی اہمیت اور غیر اسلامی عادات واطوار کی برائی اور خرابی ذہن ودماغ میں رچ بس جائیگی تو وہ مدۃ العمر پختہ رہے گی، چنانچہ حضرت کی خدمت میں چھوٹے بچے بھی آتے اور آپ انہیں ان ہی کے مزاج کے مطابق ان کی اصلاح فرمادیتے، یہ سوچ کر کہ یہ تو بچے ہیں ان کو کیا کہیں یا یہ کیا اثر لیں گے ہرگز خاموشی نہ اختیار فرماتے، ایک بار ایک صاحب تین چار برس کی ایک چھوٹی سی بچی کو لیکر آئے وہ پائجامہ نہیں پہنے ہوئے تھی جس سے پورے پیر ڈھکے رہتے، حضرت نے اس طرح اس کو دیکھا تو فرمایا:۔

''ارے ارے، وہ پائجامہ کیا ہوا، اور فرمایا کہ اپنی امی سے میرا
سلام کہنا اور یہ کہنا کہ اباجی نے تمہیں سلام کہا ہے (حضرت والاؒ
کو سب لوگ اباجی ہی کہا کرتے تھے) اور یہ کہا ہے کہ آپ مجھے

پائجامہ پہنادیا کریں'' (حیات مسیح الامتؒ ص ۱۷۴)

بچوں کو کبھی کبھی ساتھ کھانا کھلائیے فرمایا کرتے کہ بچوں کو کبھی کبھی اپنے ساتھ کھانا کھلایا کروتا کہ وہ تمہیں دیکھ کر کھانے کے آداب سیکھیں۔ اسی طرح یہ تاکید بھی فرماتے کہ چائے کی پیالی دائیں ہاتھ میں پکڑی جائے اور چائے وغیرہ پینے یا کھانے میں چسکی وغیرہ کی آواز نہ نکلے۔

بچوں کو بھی غیبت سے پرہیز کی تعلیم بچوں کو تہذیب وادب سکھانے کی طرف آپ کی خصوصی توجہ وعنایت کے ضمن میں یہ واقعہ بھی نصیحت کا موجب ہے کہ ایک مزدور لڑکا جس کی عمر تقریباً بارہ تیرہ برس کی رہی ہوگی حضرت کے پاؤں دبا رہا تھا اور کچھ کچھ باتیں کرتا جاتا تھا، اسی درمیان اس نے کسی شخص کا نام لیکر کوئی بات کہی تو فرمایا کہ کسی کا نام نہ لو بغیر نام لئے ہی ہمیں حالات سنادیا کروتا کہ لوگوں کا حال ہمیں معلوم ہوجائے۔

بچوں کو ضروری باتیں یاد کرادی جائیں فرمایا کرتے تھے کہ بچوں کو اپنا نام، باپ کا نام اور اپنا پتہ ضرور یاد کرا دینا چاہئے اور اپنا ایک واقعہ اس سلسلہ میں بیان فرماتے کہ:۔

''ہم ایک مرتبہ وطن (علی گڑھ) سے تھانہ بھون کے لئے آرہے تھے، پہلے شاہدرہ سے چھوٹی لائن والی ریل تھانہ بھون کیلئے آتی تھی، جب ہم شاہدرہ اترے تو دیکھا کہ ''منا'' نہیں ہے، جسکا نام تمکین احمد تھا اور وہ پہلی بیوی سے تھا، چنانچہ میں دہلی ریلوے اسٹیشن گیا اور وہاں ریل کو دیکھ رہا تھا، چکر لگا رہا تھا، اتنے میں ایک شخص نے دریافت کیا کہ آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟ میں نے بتلایا کہ اس طرح بچہ گم ہوگیا ہے، اس نے کہا کہ اس کو تو سپاہیوں نے

اتار لیا ہے اور مسافر خانہ میں لیکر بیٹھے ہیں، میں وہاں گیا، چنانچہ سپاہی اس کو لئے بیٹھے تھے، میں نے کہا یہ میرا بچہ ہے، اس نے مجھ سے نام اور پتہ معلوم کیا اور کہا کہ یہ بچہ بھی یہی نام اور پتہ بتلا رہا تھا اور یہ کہہ کر بچہ مجھے دیدیا، میں لیکر آ گیا۔ اس قسم کے واقعات پیش آجاتے ہیں اس لئے بچہ کو اپنا نام اور پتہ ضرور یاد کرا دینا چاہئے''

چنانچہ ایک بار چند حضرات آپ کا پیر دبا رہے تھے اور ساتھ میں چار پانچ سال کا ایک بچہ بھی تھا، حضرت نے اس بچہ سے دریافت فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ تمہارے ابا کا نام کیا ہے؟ تم کہاں رہتے ہو، تمہارا ضلع کیا ہے؟ حالانکہ وہ بچہ آپ ہی کے خاندان کا تھا، وہ بچہ کچھ کچھ بتلا رہا تھا اور آپ اس کو یاد کرا رہے تھے اور بار بار لفظ مظفر نگر کو اس کی زبان سے کہلواتے تھے۔ اس طرح اس بچہ کو یاد کرانے کے ساتھ وہاں موجود حاضرین کی تعلیم بھی مقصود تھی کہ ان امور کا اہتمام بھی ضروری ہے اور ان سے غفلت مومن کی شان سے بعید ہے۔

لوگوں کے اعتراضات سے اعراض اور اپنی کوتاہی پر نظر ایک امام صاحب نے لوگوں کے اعتراضات کا ذکر کیا تو فرمایا کہ کوئی شخص دینی یا دنیوی اعتبار سے خواہ کتنا ہی بڑا آدمی ہو مگر لوگوں کے اعتراضات، طعن و تشنیع سے بچ نہیں سکتا، کتنا ہی غوث وقطب یا ابدال زمانہ ہو لوگ اس پر بھی اعتراض کرتے ہیں۔ بس یوں سوچ لو کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر لوگوں نے اعتراضات کئے ہیں، طعن و تشنیع سے حضرات صحابہ کرام وائمہ کرام نہ بچ سکے پھر میں کون ہوں کہ اعتراضات دینی یا دنیوی سے بچ سکوں۔

ہاں اگر اعتراض صحیح ہے، اپنے اعمال کی خوب جانچ کر کے دیکھ لے، غور کرے اور اسکا تدارک کرے۔ اگر حقوق اللہ میں کمی ہے توبہ کرے، آئندہ کے لئے تلافی کرے۔

اگر حقوق العباد سے متعلق ہے تو معافی مانگے اور حقوق کی تلافی کرے۔ باقی اس کے بعد فکر نہ کرے، دل و دماغ کو افکار سے خالی کرلے، بیکار غم میں نہ پڑے، یہ تضییع اوقات ہے۔

حتی الامکان نزاع سے گریز اور ذمہ داری سے پرہیز قریب ہی کسی جگہ سے دو تین حضرات آئے اور عرض کیا کہ بھائی صاحب مدرسہ کے مہتمم تھے، مدرسہ کی تحویل ہمارے پاس ہے، اب کیا کریں؟ فرمایا کہ ان کے خاندان میں کوئی اہل ہو اسکے سپرد کردو، عرض کیا کہ مرحوم کے صاحبزادہ ہیں وہ مہتمم بننا نہیں چاہتے، مرحوم نے بھی منع فرمادیا تھا، اس پر فرمایا کہ بستی کے ذمہ دار حضرات کو جمع کرکے مدرسہ کا سب حساب کتاب اور باقی رقم ان کے حوالہ کردو۔ (حیات مسیح الامتؒ ص ۴۵۴)

یہ چند واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ احوال معاشرت کی اصلاح کے سلسلہ میں حضرت کی نظر دور رس تھی، وہ چیزیں جنھیں سرسری سمجھ کر نظر انداز کردیا جاتا ہے در حقیقت وہیں اصلاح کا محل ہوتا ہے اور وقت بھی۔ اور ان سے صرف نظر کرنا ہی رفتہ رفتہ بڑی بڑی خرابیوں اور فسادات کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔

اہل مدارس، طلبہ اور مدرسین کو اصلاح معاشرت کی ترغیب و تحریض:

آج کے طلبہ کل کے علماء ہیں، اور علماء ہی کے صلاح و فساد پر امت کا صلاح و فساد منحصر ہے، اسلئے آپ اس کیلئے فکر مند رہا کرتے، اور ہر مناسب موقع پر طلبہ، علماء اور اہل مدارس کو اس کی طرف متوجہ فرماتے رہتے۔ ایک مرتبہ جب کہ اہل علم کا مجمع تھا ارشاد فرمایا:۔

"بحمدہ تعالیٰ مدارس کی تعمیر کی طرف بھی بعض اہل خیر حضرات متوجہ ہوتے رہتے ہیں اور ظاہری تعمیر اچھی سے اچھی کرانے کا جذبہ رکھتے ہیں اور کراتے رہتے ہیں، مگر تعلیم کی طرف سے بالعموم بہت کوتاہی اور غفلت ہے اور تربیت کا تو سوال ہی

پیدا نہیں ہوتا الا ماشاء اللہ، اوراب کہنے سننے کا زمانہ ہے نہیں اور تربیت طلبہ کے اندر کیسے آوے جب کہ خود استاد ہی تربیت یافتہ نہیں ہیں، استاد کا اثر طلبہ پر ہوتا ہے"

مدرسین اوراساتذہ کرام کے لئے خصوصیت کے ساتھ کچھ ہدایات ونصائح تحریر فرمائے تا کہ مدرسہ کا ماحول اور معاشرت فساد سے خالی اور صلاح سے معمور رہے۔

ہدایات برائے مدرسین:۔

(۱) پابندی اوقات مسجد کی یا مدرسہ کی اشد ضروری ہے، خواہ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا۔

(۲) مدرسے کے انتظامی معاملات میں دخل نہ دینا۔

(۳) طلبہ اور بچوں کو نہ مارنا، بلکہ ایسا طریق اختیار کرنا کہ تحصیل علم کی طرف رغبت ہو۔

(۴) کسی طالب علم سے یا اس کے سرپرست سے کسی قسم کی فرمائش نہ کرنا۔

(۵) طالب علموں سے حتی الامکان اپنا کام نہ لینا۔

(٦) کسی طالب علم کو خلوت کا موقع نہ دینا۔

(۷) مدرسین سے مدرسہ کے منتظمین مشورہ لیں تو متانت اور سنجیدگی سے گفتگو ہو، غصہ نہ ہو، تیزی نہ آئے۔

نصائح برائے اساتذہ کرام:۔

(۱) ذاتی خدمت نہ لینا۔

(۲) تنہائی کا موقع نہ دینا۔

(۳) خصوصیت کا اظہار نہ ہونا۔

(۴) قناعت کا ہونا۔

(۵) بچہ کے شوق اور ذہن کا ملحوظ ہونا۔

(۶) حوصلہ افزائی ہونا۔

(۷) سبق بلحاظ ذہن ہو۔

(۸) مطالعہ کتب اور وقت کی پابندی۔

(۹) نہ نظام مدرسہ میں دخیل ہوں۔

یہ بھی ارشاد فرماتے کہ:۔

''یاد رکھو، نفع متعدی جب ہی ہے جب کہ اپنی ذاتی عبادت سے غافل نہ ہو جائیں۔تصنیف وتالیف، مدرسہ وغیرہ کے ساتھ اپنی بھی عبادت کا ایک خاص وقت ہونا چاہئے۔اور فرمایا کہ ''علوم عالی ہوں اور عنوان سہل ہو، یہ انبیاءئے کرام ہی کو کمال عطا ہوا ہے'' (حیات مسیح الامتؒ ص۵۶۶۔۵۶۷)

حضرت کی ایک مجلس ''مجالس مسیح الامتؒ'' میں حضرتؒ کی ایک مجلس ''حسن معاشرت کی تعلیم'' کے عنوان سے موجود ہے جو انسٹھ ۵۹ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ہم یہاں پر اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں، اس سے واضح ہو جائے گا کہ حضرت مسیح الامتؒ کی خانقاہ اور ان کے سلسلہ اصلاح میں معاشرت کے احکام وآداب کو کتنی اہمیت حاصل تھی اور وہ اپنے منتسبین اور مسترشدین کو صرف رسمی ذکر وشغل کا صوفی نہیں بلکہ قرآن مجید کی اصطلاح کے مطابق جماعت ''محسنین'' کا فرد بنانا اور دیکھنا چاہتے تھے کہ درحقیقت اصل تصوف وہی ہے جسکو کتاب وسنت میں لفظ ''احسان'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔اب خلاصہ مجلس ملاحظہ

فرمائیں:۔

”ارشاد فرمایا کہ ذات باری تعالیٰ کے فرامین میں سے ایک فرمان معاشرت کا بھی ہے، اسی معاشرت کے متعلق ایک آیت شریفہ یاد آگئی، اللہ رب العزت نے اس میں حسن معاشرت کی تعلیم فرمائی ہے، اصولاً وفروعاً۔ آیت یہ ہے” واعبد وااللّٰه ولا تشر کوابه شیئاً وبالوالدین احساناً وبذی القربی والیتمی والمساکین والجارذی القربی والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل ”سورۂ نسا:۳۶ (اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور اہل قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں کے ساتھ بھی اور غریب غرباء کے ساتھ بھی اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی اور راہ گیر کے ساتھ بھی) اور معاشرت کے معنی ہیں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نہایت لذیذ، آرام وسکون کی اور چین کی زندگی گذارتے رہنا کہ جس میں عشرت ہی عشرت ہو، نفرت کی بات نہ ہو، چونکہ معاشرت باب مفاعلت سے ہے اور مفاعلت طرفین کو چاہتا ہے کہ ہر ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح زندگی گذارے کہ جس میں عیش ہی عیش کی بات ہو طیش کی بات نہ ہو ـــــ طیش بمعنی تیزی، بھڑک جانا ـــــ بھڑک جانا آواز کے اعتبار سے، الفاظ کے اعتبار سے، اگر بھڑک گیا تو عیش کہاں رہا؟ طیش میں تو معاشرہ

خراب ہو جائیگا ، اس میں حق تعالیٰ معاشرت ہی کو بیان فرمارہے ہیں۔ والدین کے حقوق بیان فرمادئے ہیں کہ ان کی طرف سے کدورت وتکدر نہ ہو جائے چونکہ رسول کے بعد تمام مخلوق میں جو مقام اتباعیت ماں باپ کے لئے ہے وہ دوسروں کیلئے نہیں ہے، اگر گھر میں نماز پڑھ رہا ہے، نفلیں پڑھ رہا ہے، تلاوت کر رہا ہے، اور باپ بیمار ہے اس نے آواز دی تو تم سن کر نیت توڑ دو اور لپک کر جاؤ، تو مخلوق میں ماں باپ کو جو تقدم حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نہایت ہی بہترین برتاؤ سلوک تمہارا ہونا چاہئے، ان کو کسی قسم کا رنج اور تکلیف کی بات، نقصان کی بات نہ ہو کہ زبان سے کوئی ایسی بات کہدی کہ رنج ہو گیا۔ ان کا کمایا ہوا مال الماری کے اندر، بکس کے اندر، جیب کے اندر رکھا ہوا تھا، بیٹا نکال کر لے گیا اس کو مالی نقصان ہو گیا، اب جب والدین کو ضرورت ہوئی تو پیسہ ہی نہیں ہے ، پریشان ہو گیا گھبرا گیا۔ اب کوئی بیچارہ اللہ والا ہے اس کا سوال تو دوسرا ہے کہ کوئی لے گیا ہو گا لیجانے دو، لیکن ابا جان تو ایسے نہیں ہیں، اللہ والے ابا جان ہیں تو خیر دوسری بات ہے ، اللہ والے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں کہ کوئی لے گیا ہو گا لیجانے دو کوئی بات نہیں، چلو یہ تو ایک فانی چیز ہے، آخرت میں تو بہت ہی محتاجی ہوگی، جو لے گیا اس بیچارہ کو معاف کرتا ہوں لیکن آخرت میں تو مجھے مل ہی

جائیگا، اللہ والوں کو سوچنا نہیں پڑتا —— تو یہ آیت شریفہ پیش کی گئی کہ ماں باپ کے ساتھ نہایت ہی بہترین قسم کا برتاؤ کرتے رہنا کہ سب سے اہم اور مقدم والدین کا ادب و احترام ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ بس وہ ہی ہیں اور اوروں کو چھوڑ دو، اسلئے ارشاد فرماتے ہیں" و بذی القربی" او وہ جو قریب کے رشتہ دار ہوں — ماموں ہے، خالو ہے، پھوپھا ہے —— ان کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرنا، اچھا سلوک کرنا، تکدر کی باتیں نہ کرنا۔ اور صرف قریب کے رشتہ دار ہی نہیں بلکہ آگے ارشاد فرماتے ہیں" والیتٰمٰی "اور یتیم کہ بیچارے کے کوئی نہیں ہے، اسکو یوں ہی چھوڑ دو نہیں، بلکہ اس کے ساتھ بھی بہترین قسم کا برتاؤ کرتے رہنا۔ میں فضائل نہیں بیان کر رہا ہوں اور حدیث شریف میں تو آیا ہے کہ اگر کوئی یتیم بچہ ہو اور اس کے سر پر تم شفقت کا، محبت کا ہاتھ پھیر دو تو جتنے بال اس یتیم کے سر پر ہیں اتنی ہی نیکیاں لکھی جائیں گی، تو یتیموں کے ساتھ بھی کہ ان بیچاروں کو کوئی نہیں پوچھتا، بہترین قسم کا برتاؤ کرتے رہنا۔ میں تفصیل بیان کرنا نہیں چاہ رہا ہوں اس سلسلہ میں مجھے وعظ کہنا نہیں ہے مگر مختصر اور چھوٹی چھوٹی باتیں بیان کر رہا ہوں یہ وہی کرے گا جسکے اندر کچھ انکسار کچھ تو اضع ہوگا۔ اور آگے ارشاد فرماتے ہیں" والمسکین "، مسکین اسکو کہتے ہیں جسکے پاس ایک وقت کیلئے کچھ کھانا ہو اور ایک ہے فقیر، فقیر اسکو

کہتے ہیں جس کے پاس ایک وقت کا بھی کھانا نہ ہو، مسکین اور فقیر میں یہ فرق ہے۔ آگے ارشاد فرماتے ہیں ''والجار ذی القربی ''اور قریب کے پڑوسی ہیں ان کے ساتھ بھی نیک برتاؤ کرتے رہنا۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پڑوسی کے ایسے ایسے احکام آئے کہ مجھے اندیشہ ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میراث کے اندر بھی حصہ دار بن جائے۔ اب آپ حضرات اس سے اندازہ کیجئے گا۔ حضرت والا (مولانا تھانویؒ) کا واقعہ ہے کہ رات میں حضرت سوئے ہوئے تھے، کسی کے کراہنے کی آواز آئی تو آنکھ کھل گئی، حضرت اوپر سے تشریف لائے اور نوکر کو اٹھایا اور فرمایا کہ دیکھنا کہ یہ کون کراہ رہا ہے —— یہ کوئی پرواہ کرتا ہے؟ آپ جتنے حضرات بیٹھے ہوئے ہیں، سب سوچو، اجی دوسروں کی بات تو چھوڑو، آج تو اگر گھر میں بیوی بھی کراہے تو میاں نہیں پوچھتا، آج کل کے زمانہ میں اپنی نیند کون خراب کرے گا چہ جائیکہ باہر سے آواز آرہی ہو —— تو فرمایا کہ ذرہ دیکھو اور پوچھو کہ کیا بات ہے؟ خادم واپس آیا تو کہا کہ حضرت، ایک بڑی بی آئی ہیں اور وہ کہہ رہی ہیں کہ میرے بیٹے کی بیوی کے دردِ زِہ یعنی بچہ پیدا ہونے کا درد ہو رہا ہے، وہ کراہ رہی ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ افو، مجھے تو غسل کی ضرورت ہے اچھا ذرا ٹھہرو، حضرت نے فوراً غسل کیا اور غسل کرنے کے بعد دردِ زِہ کا تعویذ لکھا اور دیدیا۔ تعویذ میں قرآن

پاک کی آیت لکھتے تو اوپر سے ایک دوسرا کاغذ بھی لگا دیتے اور فرماتے کہ دوسرا کاغذ اسلئے لگاتا ہوں کہ اس میں آیت شریفہ لکھی ہوئی ہے اور معلوم نہیں تعویذ والا شخص باوضو ہے یا بے وضو، اگر بے وضو ہے تو اس کو کس طرح چھوئے گا اسلئے میں دوسرا کاغذ لگا دیتا ہوں —— حضرت (حکیم الامت مولانا تھانویؒ) نے اس واقعہ کو کیوں سنایا، اس کی کیا ضرورت تھی؟ دراصل ہمیں بتلایا جارہا ہے، ہمیں تعلیم دی جارہی ہے۔ اب یہاں پر غور کرنا ہے کہ اللہ رب العزت کیا ارشاد فرمارہے ہیں کہ "والجار ذی القربیٰ" (قریب کا پڑوسی) کوئی قریب ہی ہوگی جو کراہ رہی تھی ورنہ دور کی تو آواز ہی نہ آتی، تو دیکھا کہ حضرت والا (تھانویؒ) نے جو قریب کا پڑوسی ہے اس کا حق ادا کرنے کے لئے اپنی نیند کو خراب کر دیا، اجی اس کو بھی چھوڑ دو، اس کی خاطر غسل فرمایا۔ یہ معاشرت کی زندگی ہے یا نہیں؟ پھر قریبی پڑوسی ہی نہیں بلکہ آگے ارشاد فرماتے ہیں "والجار الجنب" جو دور کا پڑوسی ہے اس کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ رکھو۔ یہ ترتیب دیکھئے کہ اللہ رب العزت نے کس طرح سے بیان فرمائی ہے کہ ادھر والدین کی اور ادھر رشتہ داروں کی اور ادھر یتیم اور ادھر یہ قریب کے پڑوسی۔ اچھا تم سمجھے کہ جو قریب کا پڑوسی ہے بس اسی کا حق ہے اور جو دور رہتا ہے اس کا حق نہیں ہے۔ نہیں، بلکہ دور کے پڑوسی کا بھی حق ہے کہ اگر اس کا قریبی اس

کی خبر نہیں لیتا اور تمہارا پڑوسی تم سے کچھ دور ہے تو تم اس کی خبر لے لو۔

آپ حضرات حجروں کے اندر رہتے ہیں اور ایک حجرہ میں کئی کئی رہتے ہیں، اب حجرہ والے ساتھیوں میں سے کسی کو کچھ تکلیف ہوگئی۔ غریب بھی ہوتے ہیں اور کچھ کھاتے پیتے بھی ہوتے ہیں تو اب اس غریب بیمار طالب علم کی کوئی بھی خبر نہیں لے رہا ہے، وہ بیچارہ کراہ رہا ہے اس کو پوچھتے بھی نہیں کہ کیوں کراہ رہا ہے؟ اور اگر پوچھ بھی لیا اور معلوم ہو گیا کہ بدن درد کر رہا ہے لیکن بدن اور پاؤں دباتے بھی نہیں، دوا پیس کر اور پکا کر پلاتے بھی نہیں۔ خیال شریف میں کچھ بات آئی یا نہیں؟ یا صرف ماں باپ ہی کیلئے ہے رشتہ داروں کیلئے نہیں ہے، پڑوسی کے لئے نہیں ہے؟ نہیں، بلکہ ان سب کے حقوق ہیں، یہ تو تمہارے حجرہ کے اندر ہی رہتا ہے، یہ باتیں سمجھ میں آ رہی ہیں یا نہیں، انطباق ہو رہا ہے یا نہیں؟ یہ ہے معاشرت کی زندگی۔ پہلے ہمارے اکابر ایسے ہی تھے۔ اب ہم اندازہ کریں، اہل علم ہیں، تفسیر پڑھی ہوگی، ترجمہ پڑھا ہوگا، اس پر عمل درآمد ہمارے اہل علم کا کہاں تک ہے؟ عمل تو ان حضرات کا ہے جو صوفیائے کرام، علمائے ربانی، علمائے حقانی ہیں، جو باطن کے پہچاننے والے ہیں، الفاظ اور نقوش کے معانی کو سمجھے ہوئے ہیں۔ تو یہ قرآن پاک اصلاً عمل کرنے کیلئے ہے یا پڑھنے کیلئے

ہے؟عمل کرنے کے لئے ہے یا صرف دوسروں کو پڑھانے کے لئے ہے اس کو سمجھانے کے لئے ان تک بات کو پہنچانے کے لئے ہے؟ تو ہم پڑھ لکھ کر بھی اس پر عمل نہ کریں تو اس پر عمل کرنے کے لئے غیر آئیں گے؟ آپ حضرات خیال فرمائیے گا، یہ آیت شریفہ اس پر ذہن میں آئی تھی کہ مجلس شریف میں بھاگا دوڑی کے ساتھ آرہے ہیں، ایک کے اوپر ایک گرتے پڑتے ہوئے آرہے ہیں۔ اب دیکھ لیجئے کہ ہم کو کس طرح رہنا چاہئے، مولوی ہو کر مولیٰ والا ہو کر رہنا چاہئے یا مُولی والا ہو کر۔ مولی جانتے ہو کس کو کہتے ہیں، کھائی کبھی کی نہیں۔ یہ مولوی مولی والا نہیں ہونا چاہئے مَولیٰ والا ہونا چاہئے اس کو پرکھتے رہنا چاہئے، اسکا استحضار رہنا چاہئے کہ میں نے اس موقع پر اس شخص کے ساتھ جو طریق اختیار کیا ہے وہ قرآن وحدیث کے مطابق ہے یا نہیں، اس طرح جانچتے رہنے کو کہتے ہیں ''احتساب''۔ مسلمان اپنی ذات میں خود اپنے نفس کا محتسب ہے کہ وہ اپنا احتساب کرتا رہے کہ اس شخص سے جو میں نے کلام کیا ہے میرے کلام سے کہیں اس شخص کو رنج تو نہیں ہوا، کہیں میرے الفاظ جملے ایسے تو نہیں نکل گئے جن سے اس کو تکلیف ہوگئی ہو، اس کو پرکھتا رہے تاکہ اس کی عبادت پرکھی ہوئی کسوٹی والی بن جائے، یہ کلام کرنے بات کرنے میں آزادی کیسی؟ کہ جب چاہا جس طرح چاہا جس سے چاہا بول دیا، کلام میں شستگی، شائستگی، تہذیب ہاتھ سے نہ

جاوے حقوق معاشرتی مالی بھی، جانی بھی، کلامی بھی، کام میں بھی، پہلے ہمارے اکابر ایسے ہی تھے۔

حضرت والا (مولانا تھانویؒ) نے سنایا تھا کہ تھانہ بھون کا ایک بھنگی دیو بند مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں پہنچ گیا، مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے اس بھنگی کی ایسی خاطر کی جس طرح کوئی اپنا رشتہ دار آجاتا ہے حتی کہ حقہ منگا کر چلم بھر کر بھی اس کیلئے رکھدیا، جب وہ واپس چلا گیا تو ایک صاحب نے کہا، حضرت آپ نے تو اس کے ساتھ ایسی خاطر مدارات کی جس طرح کوئی اپنے مہمان رشتہ دار کے ساتھ کرتا ہے، حضرت یہ تو بھنگی تھا۔ حضرت مولانا قاسم صاحبؒ نے فرمایا کہ ارے تم نے اس کے بھنگی ہونے کو دیکھا اور میں نے اس کے تھانویؒ ہونے کو دیکھا (حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے شیخ و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کا وطن تھانہ بھون تھا، یہ اسی کی طرف اشارہ تھا) یعنی یہ میرے شیخ کی بستی کا تھا، یہ تعلق کی بات ہے۔ یہ باتیں آپ حضرات کو سمجھانے کی ہو رہی ہیں۔ ان حضرات کے مزاج کی لطافت، کیا کہیئے؟ یہاں رام پور کی طرف سے کچھ لوگ حج کو گئے مکہ معظمہ میں یہ حضرات حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے اور ہرن کی کھال کا جانماز حضرت کی خدمت میں بہ طور ہدیہ پیش کیا، حضرت حاجی صاحبؒ نے قبول فرمالیا، اس کے بعد حاجی

صاحبؒ نے فرمایا کہ بھائی اس میں تو کچھ تھانہ بھون کی بو آرہی ہے تو پیش کرنے والوں نے کہا کہ حضرت، ایک روز ہم شکار کیلئے تھانہ بھون کے جنگل میں نکل گئے وہاں پر ایک ہرن نظر آگیا اور اس کا ہم نے شکار کرلیا اور اب حج کو آتے وقت ہمارا جی چاہا کہ حضرت کی خدمت میں یہ ہرن کی کھال کا مصلی پیش کر دیں گے، تو یہ تھانہ بھون کی ہرن کی کھال کا مصلیٰ ہے۔ دیکھئے، حضرت حاجی صاحبؒ کیا فرما رہے ہیں کہ اس سے تو تھانہ بھون کی بو آرہی ہے۔ یہ حضرات کس قدر لطیف المزاج ہوتے ہیں، چونکہ ریاضت و مجاہدات کئے ہوتے ہیں اسلئے سب کی باتوں کو برداشت کرتے رہتے ہیں اور پتہ بھی نہیں چلنے دیتے، اپنے ہی سے کچھ کہدیتے ہیں کیونکہ تربیت کا حق ہے ورنہ تو کچھ نہیں۔ یہ باتیں سمجھ میں آئیں گی نہیں بلکہ آج کل کا مزاج تو اس کو اور رد کردے گا اور اس کا ان حضرات کی ان باتوں کا رد کرنا اپنے آپ کو ردی میں ڈالنا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ اس کی صحبت اچھی نہیں ہے اسلئے اس کی طبیعت ادھر نہیں آتی، ایرے غیرے آکر بیٹھ جاتے ہیں اور جیسے حضرات آکر بیٹھیں گے ویسی ہی آواز بن جاوے گی اور ویسے ہی الفاظ زبان سے نکلنے لگیں گے اور ویسی ہی زندگی بھی بن جاوے گی، تہذیبی زندگی اس کی نہیں رہیگی، چونکہ ایسے ویسے آکر بیٹھتے ہیں، اب یے تبے کرنے والے کہ پڑھ لکھ کر بھی اپنے باپ سے تو کہہ کر

بولتا ہے —— تحقیر کسی کی نہیں، بس اپنی حفاظت ایسی جگہوں سے اور ایسی صحبتوں سے —— ہاں اگر کسی ضررت کیلئے آئیں تو کوئی حرج کی بات نہیں، ٹھیک ہے —— تو جیسی صحبت میں انسان بیٹھے گا ویسے ہی اخلاق وعادات بنیں گے —— تو بات چل رہی تھی پڑوسی کی کہ دور کا پڑوسی اور قریب کا پڑوسی۔ آگے ارشاد فرماتے ہیں" والصاحب بالجنب "اصل یہ تھا سنانا جو بعد میں آیا —— جو اپنے قریب میں بیٹھا ہوا ہے ہم مجلس، صاحب جنب۔ "جنب" کہتے ہیں پہلو کو اور "صاحب" کہتے ہیں ساتھی کو، جو مجلس کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں آپس میں ایک دوسرے کے ہم مجلس ہیں ان کے ساتھ بھی برتاؤ حسن سلوک کا ہونا چاہئے کہ تم سے اس کو اذیت کوئی دکھ تکلیف نہ پہنچ جائے۔ خیال رکھو، تم اتنی جگہ گھیر کر نہ بیٹھ جاؤ کہ دوسرے ساتھی کو تنگی ہو، خواہ وہ تھوڑی سی ہم جلیسی ہو یا لمبی ہم جلیسی ہو۔ کہیں پر کوئی مجلس ہو رہی ہے، کہیں کوئی جلسہ ہو رہا ہے تو وہاں پر بھی بیٹھنے میں لحاظ و خیال رکھنا چاہئے کہ ایک دوسرے پر گرنا پڑنا نہ ہو، مصافحہ کرتے ہوئے بھی اس کا خیال رکھو کہ ایک دوسرے پر گرتا پڑتا اچھلتا کودتا، چاہے پیر لگے اور چاہے گھٹنا لگے، چاہے ہاتھ لگے اور چاہے سر لگے اسکا خیال رکھنا چاہئے، ہوگئی قرآن پاک کی تعلیم معاشرتی کہ ہم مجلسوں کو تمہاری ذات سے کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے، ان کے پاس کوئی ایسا کلام مت

کرنا کہ جس سے ان کا دل دکھ جاوے۔ رشتہ داروں کی بات تو کہہ دی، پڑوسیوں کی بات بھی کہدی بلکہ پاس بیٹھنے والا بھی پڑوسی ہے مگر اس کو اور صاف صاف حق تعالیٰ بیان فرمارہے ہیں، اس جزئی کو الگ بیان کررہے ہیں، حالانکہ یہ بھی پڑوسی ہے تو اس کا بھی خیال رکھو کہ اپنے کسی طرزعمل سے اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے۔ مثال کے طور پر ایک شخص قریب میں بیٹھا ہوا ہے اور دوسرے شخص نے دیکھا کہ اس کے جیب میں قلم ہے تو چپکے سے جیب میں ہاتھ ڈالکر قلم نکال لیا تو یہ مالی نقصان پہنچ گیا۔ اسی طرح سے ایک شخص ہے اپنے پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا اب اس کی وجہ سے دوسرے شخص کو سکڑ کر بیٹھنا پڑرہا ہے تو یہ جسمانی تکلیف پہنچ گئی تو دیکھو کہ قرآن پاک میں ہم جلیس کے بھی حقوق بیان کردیئے۔ اس وقت آپ حضرات کے سامنے معاشرتی زندگی بیان ہورہی ہے جس کو حضرت والا (مولانا تھانویؒ) فرمایا کرتے تھے کہ اچھے اچھے پڑھے لکھوں نے اور دینداروں نے بھی اس معاشرت کو دین سے نکال ہی پھینکا، حالانکہ اس کی بڑی اہمیت ہے۔ آپس میں جو رنجشیں ہوتی ہیں یہ معاشرت کے خراب ہونے کی وجہ سے ہوتی ہیں، معاملہ تو کبھی کبھی کسی کو کسی سے پڑتا ہے لیکن معاشرتی زندگی تو چوبیس گھنٹے کی ہے گھروں کے اندر بھی اور باہر بھی۔ بلکہ اور آگے ارشاد فرماتے ہیں ''وابن السبیل'' اور مسافر، اس سے

پہلے تو ہم جلیسی کی بات تھی کہ بیٹھے ہوئے ہیں ایک جگہ پر، اور ایک ہے مسافر سفر کے اندر، اس کا بھی خیال رکھو کہ اسکو تم سے کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے اور سفر سقر بن جائے۔ سقر جانتے ہو کس کو کہتے ہیں یعنی جہنم "السفر قطعة من النار" (سفر آگ کا ٹکڑا ہے) ہم بچپن میں بڑوں سے سنا کرتے تھے کہ "السفر کالسقر" سفر مثل سقر کے ہے، توفیق الٰہی سے جب پڑھنے کا موقع ہوا تو حدیث شریف آگئی "السفر قطعة من النار" (کہ سفر دوزخ کا ایک ٹکڑا ہے) سفر میں چاہے کیسی ہی آرام کی صورتیں ہوں لیکن وہ جو گھر پر آرام کی صورتیں اور آزادی کے ساتھ کھانا پینا، لیٹنا بیٹھنا، اٹھنا، وقت اور بے وقت، وہ سفر میں کہاں؟ بہت مشکل ہے، بڑا مجاہدہ ہے — ایک مرتبہ میں لندن کے سفر میں تھا وہاں ایک شہر میں پہنچا — اور میری عادت جیسے حضر میں ہے ویسے ہی سفر میں بھی ہے یعنی راستہ میں تکان ہو جائے تو چلو تھوڑی دیر لیٹ لو کبھی ایسا نہیں ہوا، سفر سے گھر واپس آیا تب بھی ایسا نہیں ہوا اور گھر سے باہر سفر میں گیا تب بھی ایسا نہیں ہوا، جو وقت کھانے کا ہے وہ ہے اور جو وقت سونے کا ہے وہ ہے، بعضوں کی عادت ہوتی ہے تھک گئے لاؤ لیٹ لو، راستہ میں بدن پر گرد و غبار ہو گیا لاؤ نہا لو، یہ کچھ نہیں۔ تو دوپہر کو پہنچ گئے تھے، بیٹھے ہوئے تھے، کچھ حضرات جمع ہو گئے باتیں شروع ہو گئیں، ایک صاحب نے کہا کہ کچھ دیر آرام فرما لیجئے،

میں نے کہا کہ نہیں، میری طبیعت ایسی ہے نہیں وہ فرمانے لگے کہ کافی سفر کیا ہے، مناسب ہے کہ آرام فرمالیا جائے، میں نے کہا کہ میرا تو سفر میں کچھ اور مذہب ہے، جب انھوں نے یہ سنا کہ میرا تو اور مذہب ہے تو کہنے لگے کہ حضرت، مذہب تو سب کا ایک ہی ہے، میں نے کہا کہ وہ سفر کا مذہب، میرا مذہب سفر کا کچھ اور ہے تو کہنے لگے کہ وہ کیا مذہب ہے ہمیں بھی معلوم ہو جائے، میں نے کہا، میرا مذہب یہ ہے کہ جب گھر سے باہر قدم نکالا جائے تو غصہ اور راحت کے خیال کو تھوک کر جانا چاہئے کیونکہ سفر میں بہت سی باتیں طبیعت کے خلاف پیش آتی ہیں، انسان جن کے یہاں مہمان ہوتا ہے بعض ان ہی کی طرف سے پیش آتی ہیں کہ طبیعت کچھ چاہ رہی ہے اور ہو رہا ہے کچھ، کھانے کو طبیعت کچھ اور ہے اور مل رہا ہے کچھ اور، وغیرہ وغیرہ۔ میرے حضرت والا (مولانا تھانویؒ) فرمایا کرتے تھے کہ سفر کے اصول اور ہیں اور حضر کے اصول اور۔ سفر میں چشم پوشیاں ہوتی ہیں، رعایت ہوتی ہے، لحاظ ہوتا ہے، یہ بات بیچ میں آگئی۔ تو دیکھئے "وابن السبیل" یعنی مسافر کے ساتھ بھی حسن سلوک اور اچھا برتاؤ ہونا چاہئے، صرف رشتہ دار اور پڑوسیوں کے ساتھ ہی نہیں۔ قریب و بعید بلکہ سب کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرو حتیٰ کہ جس شخص کے ساتھ جان پہچان نہیں ہے اس کے ساتھ بھی حسن سلوک ہونا چاہئے۔ دیکھئے کہ آپ کا اپنی بستی میں

اپنے مقام پر بڑا ہی اعزاز ہے، لوگ بہت ہی ادب واحترام کے ساتھ پیش آتے ہیں لیکن سفر میں کوئی جانتا بھی نہیں ہے، اگر کوئی کلکٹر ہے اپنی جگہ پر ہے، لیکن سفر میں ہے اور اس کی حیثیت کو کوئی جانتا نہیں ہے تو اس کے ساتھ بھی مسافر جس طرح اور لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں ویسا ہی کریں گے، اب اگر وہ اپنی کلکٹری جتانے لگے تو کام خراب ہو جائے گا یا نہیں؟ تو مسافر کے ساتھ بھی جس سے کوئی جان پہچان نہیں ہے بلکہ مسلمان بھی نہیں ہے، غیر مسلم ہونے کے باوجود بھی اس کا حق ہے کہ ریل بس وغیرہ میں اس طرح مت بیٹھو کہ اس کو ہم سے کوئی تکلیف پہنچے، اگر کوئی عورت آگئی ہے اور جگہ نہیں ہے تو تم اس کو اپنی جگہ بیٹھا دو کہ آؤ بہن تم یہاں بیٹھ جاؤ، یہ ہیں اسلامی اخلاق۔ ہمارے یہاں (مدرسہ میں) ایک سفیر تھے، بڑے اچھے آدمی تھے، بیچاروں کا انتقال ہو گیا، انھوں نے اپنا واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ ریل میں سفر کر رہا تھا، میں بیٹھا ہوا تھا، ہمارے دوسرے مسلمان بھائی ریل میں آتے رہے، میں ان کی وجہ سے کھڑا ہو جاتا اور ان کو اپنی جگہ بیٹھا دیتا، اتفاق سے ایک ہندو عورت آگئی سیٹ پر جگہ بالکل نہیں تھی، میں اس کو دیکھ کر اٹھ گیا اور اس کو اپنی جگہ آرام سے بیٹھا دیا اور میں خود کھڑا ہو گیا، وہیں ایک ہندو شخص بیٹھا ہوا تھا اس نے دیکھ کر کہا مولوی جی، جیت گئے تم، میں کافی دیر سے تم کو دیکھ رہا تھا کہ جب آپ

کے برادری کے لوگ آتے ہیں تو آپ ان کو بیٹھا دیتے ہیں اور خود کھڑے ہو جاتے ہیں، اور اب میں نے دیکھا کہ میری برادری کی عورت آئی تو اس کے ساتھ بھی کیا معاملہ کرتے ہیں، واہ مولوی صاحب تم جیت گئے کہ اس کو بیٹھنے کی جگہ دیدی اور خود کھڑے ہو گئے، آج معلوم ہوا کہ اسلام کے اخلاق کیا ہیں۔ مگر افسوس کہ آج ہم نے اسلامی اخلاق ہی کو چھوڑ دیا ہے، اسلام اخلاق سے پھیلا ہے، آج بدنام کیا جا رہا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے۔ مکہ معظمہ میں تیرہ سال تک کیا تلوار چلی تھی؟ نہیں بلکہ وہ اخلاق تھے اور ویسے بھی تلوار نہیں چلی، ملک فتح ہو گیا تو جن کا ملک تھا انہیں کے پاس چھوڑ دیا کہ حکومت تم ہی کرو البتہ جزیہ دیدیا کرو یعنی تابع ہو کر رہو تا کہ سر نہ اٹھا سکیں، مسلمانوں کو پریشان نہ کریں، جو لوگ اسلام لانا چاہتے ہیں ان کے لئے رکاوٹ نہ بنیں۔ دیکھئے ذمی کے ساتھ وہی معاملہ ہوگا جو مسلمان بھائی کے ساتھ ہوگا (وہ کافر جو مسلمانوں کے زیر حکومت رہتے ہیں ان کو ذمی کہا جاتا ہے) اگر کسی مسلمان نے ذمی کو ناحق قتل کر دیا تو اس مسلمان پر حد جاری ہو گی۔ یہ نوعی حقوق تھے۔ اب اور آگے بڑھو اور جنسی حقوق دیکھو یعنی جانوروں کے حقوق، اگر کسی شخص نے کوئی جانور پالا ہے تو اس کے کھانے پینے کا اس کی سردی گرمی کا سارا انتظام صحیح صحیح کرنا ہوگا حتی کہ جب کوئی جانور ذبح کرنا ہو تو تیز

دھار والی چھری سے کرنا ہوگا، کند نہ ہو، ورنہ گناہ ہو جائے گا، اور قیامت کے دن باز پرس ہو گی حتی کہ قیامت میں جانور فریاد کرے گا اور اگر اسکے مالک نے اس پر ظلم کیا ہو گا تو اس کا بدلہ دلوایا جائے گا، حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ لیٹ جاؤ اور جانور سے کہیں گے کہ اب اس کو روندو اور تم اپنا بدلہ لے لو۔ اب اس سے اندازہ کرلو کہ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا کس قدر اہتمام ہے؟

یہ معاشرتی زندگی پیش کی گئی آپ حضرات کے سامنے اور ان آیتوں کو دعوے کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ تو اپنے تصحیح اخلاق، تصحیح عادات، تصحیح اعمال اور تصحیح معاشرہ کے لئے کیا ان چیزوں کا سننا ضروری نہیں تھا؟ یہ معاشرتی زندگی جو پیش کی گئی ہے اس پر اپنے کو جانچ لیجئے۔

آج کا یہ سبق یہ مجلس عبادت میں سے ہے یا غیر عبادت میں سے ہے؟ عبادت میں سے ہے۔ بنام معاشرت عبادت ہے یا غیر عبادت؟ عبادت ہے۔ ایک عبادت تو وہ عبادت ہے کہ وہ نظر آ رہی ہے کہ یہ عبادت ہے جیسے نماز وغیرہ۔ اور یہ چیز بظاہر عبادت نہیں معلوم ہو رہی ہے لیکن جب ذات باری تعالیٰ نے اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے لہذا اس کے مطابق جب عمل ہو گا تو ثواب ہو گا اور جس میں ثواب ہو گا عبادت ہو گی تو اس طرح پر یہ معاشرتی زندگی بھی عبادت ہو گئی۔

یا صرف پانچ وقت کی نماز با جماعت تکبیر والی کے ساتھ اور

صحیح صحیح ارکان کے ساتھ، آداب کے ساتھ اور قرآن پاک کی تلاوت اور تسبیح ہاتھ میں لیکر پڑھنا بس یہ ہی عبادت محسوس ہو گئی۔ آپ حضرات خیال فرمائیے گا۔ چست بنئے دین کے ہر جز کے اندر، نہ کہ صرف جو عبادت کہلائی جاتی ہے اسی کو عبادت سمجھ لیا۔ اور جب اس جز کو جو نہایت اہم ہے چھوڑ دیا تو تو اس کو عابد کہو گے؟ وہ ابھی عابد کہلائے جانے کے قابل نہیں ہے کیونکہ ایک جز چھوٹ گیا تو پھر وہ عابد کہاں ہوا؟ عبدیت کہاں آئی اس کے اندر؟ ابھی اس کے اندر عبدیت نہیں آئی، غریب کو دیکھ کر منھ بگاڑ رہا ہے، مزاج پرسی تو کیا کرتا؟ قرآن پاک کی آیت شریفہ سے یہ کوتاہیاں ہمارے سامنے آئیں۔ تو دیکھیں کہ کتنی بڑی عبادت ہم چھوڑے ہوئے ہیں لیکن اپنے جی میں ہم خوش ہیں کہ تہجد پڑھتے ہیں، تلاوت کرتے ہیں، داڑھی شریعت کے مطابق رکھتے ہیں، ٹخنوں سے اوپر پائجامہ پہنے ہوئے ہیں، کرتا ذرا نیچا سا پہنے ہوئے ہیں، بس اپنے جی میں خوش ہیں حالانکہ بہت سے اجزاء منجملہ ان اجزاء کے جزء معاشرت ہے جو ہم سے چھٹا ہوا ہے جس کے متعلق ذات باری تعالیٰ کے یہاں پیشی پر سوال ہوگا کہ تم فلاں شخص سے اس طرح کیوں بولے تھے جس سے اس کا دل بجھ گیا، دل شکنی اور دل آزاری ہوگئی ــــ ہاں شریعت کے مقابلہ میں اس کی دلشکنی کوئی دل شکنی نہیں ہے، جہاں پر ایسی بات ہو

کہ اس کی بات ماننے پر اپنی دین شکنی ہوتی ہے تو دین شکنی کے مقابلہ میں دل شکنی کوئی چیز نہیں ہے اس وقت اس کو چھوڑنا پڑے گا۔ وہ تو آج کل کے عرف کے اعتبار سے دل شکنی خیال کرتے ہیں اور جب اس کو جتلا دیا جائے کہ تمہاری اس بات کے ماننے سے ہماری دین شکنی ہوتی ہے اسلئے ہم مجبور ہیں ورنہ ہماری تو زندگی دلجوئی، دلداری، حوصلہ افزائی اور راحت رسانی ہے، لیکن کیا کریں اس وقت مجبوری ہوگئی ہے کہ آپ کی اس بات کے ماننے سے ہماری دین شکنی ہوتی ہے، شاید آپ کو معلوم نہ ہوگا اس وجہ سے آپ نے اس طرح فرمادیا ہوگا، تو اب وہ خود کہے گا کہ اوفو، مولانا معاف فرمائیے گا، مجھے معلوم نہیں تھا انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ اس کا خیال رکھا جائے گا، تو یہ بات کرنے کے آداب ہیں کہ جیسا آدمی ہو ویسا ہی کلام کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں آپ سب ہی کو اس معاشرتی زندگی پر گھر اور باہر اپنوں اور غیروں کے ساتھ عمل کرنے کی توفیق ارزانی فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

(ماخوذ وملخص از مجلس ۵۹ مجالس مسیح الامتؒ قسط نمبر ۱۴)

باب ۳

معاصر علماء و مشائخ سے روابط

معاصر علماء ومشائخ سے روابط

دنیا کی اس زندگی میں انسان کے تعلقات اور روابط تین طبقوں سے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو سن وسال اور عمر کے لحاظ سے بڑے ہوتے ہیں اور اسی طرح رشتہ اور نسبت کے اعتبار سے بھی بڑے ہوتے ہیں، جیسے والدین، استاد اور شیخ ومرشد وغیرہ۔ اور دوسرے وہ جو عمر ومرتبہ کے لحاظ سے خورد اور چھوٹے ہوتے ہیں جیسے اولاد اور شاگرد وغیرہ۔ اور تیسرا طبقہ وہ ہے جو تقریباً ہم عمر، ہم سن، ہم مرتبہ اور مصروفیات ومشغولیات کے لحاظ سے اس کارخانہ عالم میں ہمسفر ہوتے ہیں، یہی طبقہ باہم ایک دوسرے کا معاصر ہوتا ہے اور ان میں باہم معاصرت کا رشتہ ہوتا ہے۔ لیکن یہی معاصرت بہت دفعہ تحاسد وتباغض اور منافرت کا سبب بن جاتی ہے جس کے نتیجہ میں بڑے بڑے اہل فضل وکمال معاصرانہ چشمک کے زہر آلود تیر کے نشانہ بن گئے ہیں۔ اور بعض اوقات اہل علم وتحقیق کے ہاتھوں سے بھی عدل وانصاف کا دامن چھوٹ گیا ہے —— اس سے اندازہ کرنا چاہئے کہ اگر کسی شخصیت سے خود اس کے معاصرین اور ان میں بھی پہلے طبقہ کے لوگ نہ صرف ادب و احترام کا بلکہ استفادہ واستفاضہ کا تعلق قائم کریں تو یقیناً یہ اس شخصیت کے فضل وکمال، ورع وتقویٰ اور للہیت وبے نفسی کی زبردست شہادت ہے۔ اور چونکہ یہ استفادہ روحانی اور راہ سلوک ومعرفت کی وادیوں میں طلبِ رہبری کے تعلق سے ہوتا ہے اسلئے اس سے اس شخصیت کی ارشادی وتربیتی علو شان کا بھی اظہار بخوبی ہوتا ہے۔

حضرت مفتی سعید احمد لکھنویؒ تاریخ رشد وہدایت میں یہ کوئی نادر یا نایاب واقعہ تو نہیں ہے لیکن کمیاب اور بہت کمیاب ضرور ہے کہ کسی نامور اور کامل استاد نے اپنے ہی

شاگرد کے حلقہ ارادت وعقیدت میں داخل ہو کر راہ معرفت کی وادیاں طے کرنے کا فیصلہ کیا ہو اور پھر اس پر پورے آداب طریق کو ملحوظ رکھتے ہوئے عمل درآمد بھی کیا ہو۔

ہمارے حضرت مسیح الامتؒ کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اپنے زمانہ کے جامع المعقول والمنقول محقق عالم اور ماہر مدرس، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے نامور شاگرد، مسند فقہ وافتاء کی زینت ورونق اور معروف مفسر قرآن حضرت مولانا فتح محمد تائب لکھنویؒ کے فرزند ذیشان حضرت مولانا مفتی سعید احمد لکھنویؒ جن کے تفقہ پر حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ اعتماد فرماتے تھے اور جن سے حضرت مسیح الامتؒ نے ابتداء سے جلالین شریف اور ملا حسن تک کی تعلیم حاصل کی تھی اور حضرت ان کے مخصوص شاگردوں میں تھے اور خود حضرت مفتی سعید صاحبؒ نے حضرت مسیح الامتؒ کو بچپن سے جوانی تک ہر طرح دیکھا بھالا اور پرکھا تھا —— اور جس کے ساتھ اس طرح کا تعلق عرصہ دراز تک رہا ہو اس کی طرف رجوع کرنا جانبین کے فضل وکمال اور تواضع وانکسار کی دلیل ہے کیونکہ یہ نفس پر شاق اور ایک امر دشوار ہے —— ایک وقت وہ آیا کہ حضرت مفتی سعید احمد صاحب لکھنویؒ نے اپنے انہیں شاگرد سے رجوع فرمایا اور بیعت ہوئے۔ اب ایک طرف تو شاگردی اور استادی کا رشتہ اور دوسری طرف بیعت وارشاد کا تعلق، اور دونوں کی اپنی اپنی نزاکتیں اور مستقل حقوق۔ لیکن مرشد کامل ومحقق اور مسترشد مخلص وصادق اور استاد ماہر وعارف اور شاگرد سعید ونیکبخت دونوں ہی نے یہ دونوں ہی حقوق وآداب اس طرح نبھائے کہ چشم فلک اور دانا وبینا نگاہوں نے دیکھا کہ جب شریعت پر اعتدال کے ساتھ عمل کا قصد ہوتا ہے تو پل صراط جیسا کٹھن راستہ بھی کس طرح کامیابی سے طے ہو جاتا ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے مرشد کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کی بلکہ اپنے مرشد وشیخ اور شاگرد ہی کے اوپر جان ہی دیدی اور جلال آباد ہی مدفون

ہوئے۔اور حضرت مسیح الامتؒ نے استاد کے حقوق کی ادائیگی ہی نہیں بلکہ آداب کی اعلیٰ قدروں کا بھی اسطرح لحاظ رکھا کہ جو اپنی نظیر آپ ہے۔ایک موقعہ پر جب حضرت مفتی صاحبؒ کی اہلیہ محترمہ جلال آباد تشریف لائی ہوئی تھیں تو حضرت جلال آبادیؒ نے ان کی دعوت کی واپسی میں جب وہ پالکی میں بیٹھ گئیں کہاروں کے ساتھ خود بھی کندھا لگا کر پالکی کو اٹھایا اور چلنے لگے جب حضرت استانی صاحبہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے باصرار منع کیا،اس وقت حضرت کے متوسلین اور معتقدین بھی موجود تھے مگر آپ نے استاد محترم کی حق ادائیگی کا اپنے مقام و مرتبہ عالی کے اعتبار سے یہ موقع غنیمت جانا اور اس کو اپنی سعادت سمجھ کر ایسا نمونہ پیش فرما دیا جو اس زمانہ میں نادر ہے۔

استاد محترم کی اسی غایت ادب کا ایک رخ یہ بھی تھا کہ حضرت والاؒ کو متوسلین خطوط لکھتے تو جیسا کہ دستور ہے خوب خوب القاب و آداب لکھتے حضرت ان القاب و آداب کو پسند نہ فرماتے اور از راہ تواضع وانکسار نفس ان کو قلم زد فرما دیتے لیکن اگر کوئی شخص انہیں القاب میں ''مسیح الامت'' بھی لکھ دیتا تو اسکو قلم زد نہ فرماتے اسلئے کہ یہ استاد گرامی مرتبت کا دیا ہوا لقب تھا۔اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ:۔

''میرے استاد حضرت مفتی سعید احمد صاحب کے مدرسہ تکمیل العلوم کانپور میں جلسہ تھا،اس میں شرکت کی مجھے بھی دعوت دی گئی تھی،چنانچہ اس جلسہ میں شرکت ہوئی تھی،وعظ بھی میرا تھا،اس جلسہ کے اشتہار میں میرے نام کے ساتھ حضرت مفتی صاحب نے ''مسیح الامت'' لکھا تھا۔یہ میرے استاد کا دیا ہوا لقب ہے،شاگردوں یا مریدوں اور عوام کا دیا ہوا نہیں ہے۔اگر شاگردوں کا دیا ہوا ہوتا تو میں اس کو کاٹ دیتا،مگر چونکہ یہ

میرے استاد کا دیا ہوا ہے اس کو میں کیسے کاٹ دوں، کیسے منع کردوں" (حیات مسیح الامتؒ ص ۱۰۴)

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ حضرت مولانا مدنیؒ کی شخصیت کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے، حضرت جلال آبادی نے دارالعلوم دیو بند میں حضرت مدنیؒ سے بخاری شریف پڑھی تھی۔ حضرتؒ موقع بموقع حضرت مدنیؒ سے ملاقات کے لئے تشریف لے جایا کرتے اور باوجودیکہ حضرت ان کے شاگرد تھے لیکن جب حضرت مدنیؒ آپ کو دیکھتے تو اکراماً کھڑے ہوجاتے۔ ایک مرتبہ موضع بھیسانی میں —— جو جلال آباد سے چار میل کے فاصلہ پر ہے —— حضرت مدنیؒ جلسہ میں تشریف لائے لوگوں نے بیعت کی درخواست کی تو انکار فرمادیا اور جب لوگوں نے زیادہ اصرار کیا اور بعض حضرات نے سفارش بھی کی تو حضرت مدنیؒ نے سختی سے انکار فرمادیا اور فرمایا کہ "میں تو کہہ چکا ہوں کہ میں بیعت نہیں کروں گا، یہاں مولانا مسیح اللہ صاحب موجود ہیں ان کے ہوتے ہوئے میں بیعت نہیں کروں گا"۔

جلال آباد کے مدرسہ مفتاح العلوم کے جلسہ میں حضرت مدنیؒ تشریف لانے لگے تو کسی شخص نے کہا کہ وہ (یعنی حضرت مسیح الامت) تو خلاف ہیں، آپ وہاں کیوں جارہے ہیں (یہ اس وجہ سے کہا کہ حضرت مدنیؒ کانگریس کے حامی تھے اور اسوقت کی سیاسی تحریکات میں شریک، اور حضرت مسیح الامتؒ اپنے شیخ حضرت حکیم الامتؒ کے طریقہ پر تحریکات سے الگ تھے) لیکن حضرت مدنیؒ روانہ ہونے لگے تو انھوں نے پھر روکا اور کہا کہ آپ کہاں تشریف لیجارہے ہیں۔ اس پر حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ "میں وہاں ضرور جاؤں گا، وہاں مولانا مسیح اللہ صاحب ہیں۔ اسلام تو یہ کہتا ہے کہ دشمنوں کو بھی اپناؤ نہ کہ اپنوں کو بھی دشمن بناؤ، میں ضرور جاؤں گا" چنانچہ آپ جلسہ میں تشریف لائے۔ آپ جب مدرسہ

کے جلسہ میں تشریف لاتے تو آپ کا بیان بھی ہوتا اور آپ سندوں پر دستخط بھی فرماتے۔ اس طرح حضرت مسیح الامتؒ کی طرف سے ادب واحترام اور بزرگداشت اور حضرت مدنیؒ کی طرف سے اکرام اور اظہارِ تعلق ومحبت کا سلسلہ برابر قائم رہا۔

علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ حضرۃ العلامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین، شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کے شاگرد رشید اور اکابر علمائے دیوبند کے استاد تھے، وہ معقولات کے امام اور اس کے ساتھ ہی جلیل القدر محدث بھی تھے۔ حضرۃ العلامہ کے حصول نسبت کے جذبہ کا یہ عالم تھا کہ آخر میں اپنے ہی شاگرد حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے عظیم المرتبت خلیفہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی سے بیعت ہوئے اور خلعت خلافت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی وفات کے بعد حضرۃ العلامہؒ نے اپنے دوسرے شاگرد حضرت مسیح الامتؒ کو ایک بار دعوت دی، حضرت تشریف لے گئے، مہمان خانہ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند وغیرہ اکابر علماء بھی تشریف رکھتے تھے، جب کھانے وغیرہ سے فراغت ہوگئی تو حضرۃ العلامہؒ نے حضرت مسیح الامتؒ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ مجھے ان سے تنہائی میں کچھ بات کرنی ہے، سب حضرات اٹھ گئے، حضرت والاؒ کا بیان ہے کہ علامہؒ سلوک وتصوف کے مسائل پوچھنے لگے، میں (غایت تواضع اور استاد محترم کے ادب ولحاظ کی وجہ سے) شرما گیا، لیکن حضرۃ العلامہ برابر پوچھتے ہی رہے، میں شرمندگی کی وجہ سے خاموش رہا تو فرمایا کہ نہیں نہیں، بتلایئے میں نے عرض کیا، بہت اچھا، حکم کی تعمیل، اس پر کچھ عرض کیا۔ (حیات مسیح الامتؒ ص ۲۶۵)

حضرۃ العلامہؒ کا مسائل سلوک کے سلسلہ میں حضرت مسیح الامتؒ سے تحقیق فرمانا جہاں حضرت کی تحقیق وبصیرت پر اعتماد کا ثبوت ہے وہیں آپ کے ساتھ غایت درجہ

تعلق اور انس ومحبت کی بھی دلیل ہے۔اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت والاؒ کے ایک خاص الخاص استاد حضرت مفتی سعید احمد لکھنویؒ ـــــ وہ بھی شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی کے شاگرد تھے ـــــ تو باقاعدہ حضرت سے بیعت ہی ہو گئے تھے اور جلال آباد ہی کی سرزمین میں ان کا انتقال ہوا اور وہیں مدرسہ مفتاح العلوم کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔رحمهم الله تعالی رحمةً واسعةً.

علامہ سید سلیمان ندویؒ حضرۃ العلامہ سید سلیمان ندویؒ برصغیر ہندو پاک ہی کے نہیں بلکہ عالم اسلام کے چوٹی کے علماء میں تھے، ان کے شاگردوں میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ جیسی شخصیات شامل ہیں، وہ "سیرت النبیؐ" کے مصنف اور ایک مستقل دبستان ادب وتاریخ کے ترجمان تھے، حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ سے بیعت ہوئے اور خلعت خلافت سے سرفراز ہوئے۔کچھ زمانہ تک حضرت سید صاحبؒ کا قیام بھوپال میں رہا اسی زمانہ میں کسی موقع پر حضرت جلال ابادیؒ بھوپال تشریف لے گئے تھے اور وہاں آپ کی ملاقات اپنے پیر بھائی حضرت سید سلیمان ندویؒ سے ہوئی، اس ملاقات میں حضرت سید صاحب نے آپ سے متعدد مسائل سلوک پر گفتگو فرمائی اور آپکے جوابات سے مطمئن اور مسرور ہوئے۔وہاں کی مختلف مجالس میں آپ کا ساتھ رہا۔ظاہر ہے کہ یہ تعلق تھانہ بھون سے رہا ہوگا اور اس تعلق کی وجہ سے دونوں ہی حضرات میں یگانگت اور موانست کا ارتباط وتعلق قائم تھا۔

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ حضرت تھانویؒ کے ممتاز ومخصوص خلفاء میں تھے، اللہ نے ان کی ذات سے خدمت دین کا بڑا زبردست کام لیا ہے، وہ جہاں تشریف لے جاتے دینی فضاء قائم ہو جاتی۔عمر کے آخری حصہ میں آپ کا زیادہ قیام بمبئی میں رہنے لگا تھا جسکی وجہ سے اہل بمبئی کو آپ سے بہت فیض پہونچا۔جس زمانہ میں حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ کا قیام بمبئی میں تھا، حضرت

مسیح الامتؒ کا کسی طویل سفر کے سلسلہ میں بمبئی جانا ہوا تو آپ حضرت شاہ صاحبؒ کی قیام گاہ پر ملاقات کیلئے تشریف لے گئے، اس ملاقات کے سلسلہ میں آپ نے ایک صاحب کو تحریر فرمایا کہ:۔

"......پھر تھوڑی دیر کے بعد میں مولانا (وصی اللہ صاحبؒ) سے رخصت ہو کر کار پر چلا آیا۔ ابھی بیٹھا ہی تھا کہ دیکھا پیچھے پیچھے حضرت مولانا کے بڑے داماد جناب قاری محمد مبین صاحب چلے آرہے ہیں۔ انھوں نے ایک رقم پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت والا نے یہ ہدیہ جناب کو مرحمت فرمایا ہے، بندہ نے یہ کہتے ہوئے لے لیا کہ بہتر ہے، حضرت کا تبرک ہے" (حیات مصلح الامتؒ ص۲۹۰ از حالات ص۱۷۰ جلد۱)

ایک اور ملاقات کے متعلق حضرت جلال آبادی تحریر فرماتے ہیں:۔

"............ دوسرے دن خود مولانا (وصی اللہ صاحبؒ) نے ایک صاحب کو بندہ کے پاس بھیجا، انھوں نے کہا کہ حضرت والا نے سلام فرمایا ہے اور یہ ہدیہ جناب کی خدمت میں بھیجا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ آپ کے آنے کے بعد فوراً ہی اسے بھیجا تھا مگر آپ کی کار روانہ ہو چکی تھی۔ بہر حال بندہ نے یہ خیال کر کے اس دفعہ بھی قبول کر لیا کہ یہ ناکارہ کے لئے خوش نصیبی ہے" (حیات مصلح الامتؒ ص۲۹۱)

اس سے ایک شیخ کے دو خلفاء کے درمیان جس محبت و اخوت، مودت و یگانگت اور باہم ربط و ارتباط کا پتہ چلتا ہے وہ آج کے اس نفسی نفسی کے دور میں کس قدر سبق آموز

اور قابل تقلید ہے!!

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی شیخ الحدیث مظاہر علومؒ کی ذات محتاج تعارف نہیں، وہ عظیم المرتبت محدث، مصنف، شارح حدیث اور شیخ وقت تھے۔ حضرت شیخ الحدیث جب بھی دہلی تشریف لیجاتے تو جلال آباد راستہ میں پڑتا اور حضرت مسیح الامتؒ سے ملاقات کرتے ہوئے جاتے، اسی طرح جب سفر حج میں تشریف لے جاتے یا حج سے واپسی ہوتی تب بھی جلال آباد تشریف لے جاتے۔

حضرت والاؒ نے ایک موقع پر بیان فرمایا کہ:۔

> "(حضرت شیخ الحدیث) ایک مرتبہ بیمار تھے، تشریف نہ لا سکے، اطلاع فرمائی کہ میں بیمار ہوں اسلئے نہ آسکا۔ بس میں ملاقات کے لئے چلا گیا تھا، میرے جانے کے بعد تنہائی کرالی، سب کو فرمادیا کہ ہٹ جاؤ، پردہ کیلئے کپڑا کھینچ دیا گیا اور بیٹھنے لگے، میں نے کہا کہ آپ لیٹے رہیں، آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا کہ مولوی صاحبان کو تصوف کی طرف توجہ نہیں، خانقاہیں خالی ہو چکیں۔ میں نے کہا حضرت، توجہ ہونے لگی ہے، کچھ آنے لگے ہیں۔ کچھ اور تصوف کی باتیں ہوتی رہیں، پھر میں جلال آباد آگیا" (حیات مسیح الامتؒ ص ۲۶۴)

یہ حضرات اکابر کے باہمی خلق و مروت اور محبت و مودت نیز تواضع و انکسار کے اطوار تھے۔

حضرت مولانا محمد اللہ صاحب معروف بہ حافظ جی حضورؒ حضرت مولانا محمد

اللہ صاحب معروف بہ حافظ جی حضورؒ بنگلہ دیش کے اکابر علماء و مشائخ میں ممتاز اور منفرد مقام و مرتبہ کی شخصیت کے مالک تھے، وہ علم وفضل اور تقوی و مشیخت کے ساتھ ملک میں سیاسی اقتدار اور رسوخ بھی رکھتے تھے، ان کی شخصیت بہت فعال، سرگرم اور بارسوخ تھی، وہ حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کے خلفائے متقدمین میں سے تھے بلکہ انھوں نے خانقاہ تھانہ بھون میں تعلیم بھی حاصل کی تھی اور حضرت تھانویؒ کے زیر سایہ طالب علمی کا سفر طے فرمایا تھا۔ گذشتہ اوراق میں آپکی نظر سے گذر چکا ہے کہ باوجود ان تمام فضائل وکمالات کے انھوں نے حضرت مسیح الامت نوراللہ مرقدہ کے ہاتھ پر خود بھی بیعت کی اور اپنے صاحبزادگان کو بھی بیعت کرایا۔ خوش قسمتی سے ہمیں حافظ جی حضورؒ کے چند مکتوبات مع جوابات حضرت مسیح الامتؒ دستیاب ہوگئے ہیں۔ ہم یہاں وہ مکتوبات درج کرتے ہیں کہ ان سے بعض اہم ملی مسائل کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور حضرت مجدد مولانا تھانویؒ کے مسلک اور طریق پر روشنی بھی پڑتی ہے، اور یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ ان اکابر کے درمیان استشارہ واستصلاح اور افاضہ و استفاضہ کا کیسا مخلصانہ اور پاکیزہ طریقہ کار تھا۔ اب آپ براہ راست مکتوبات ملاحظہ فرمائیں:۔ (''م'' سے مکتوب اور ''ت'' سے تحقیق یعنی حضرت کا جواب مراد ہے)

پہلا مکتوب: تاریخ جواب از مسیح الامتؒ ۲۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۷ھ۔ الجمعہ۔

م۔ ''از کمترین خلائق احقر محمد اللہ عفی عنہ مہتمم الجامعۃ القرآنیہ العربیہ، لال باغ، ڈاکا، بنگلہ دیش۔

بخدمت مرشدی و مولائی مسیح الامت حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ صاحب ادام اظلالہم علیّ و علی رؤوس جمیع المسترشدین۔ آمین ثم آمین۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

غالبًا حضرت والاؒ کو یاد ہو کہ چند سال پہلے حاضری حرمین

شریفین کے موقع پر منیٰ میں مع اپنے دولڑکے حافظ حمید اللہ اور حافظ عطاء اللہ سلمہما اور خود بھی شرف بیعت سے ہم تینوں کو حضرت والا نے سرفراز فرمایا تھا۔ الحمد للّٰہ فا علی اللّٰہ درجاتکم الی غیر مایتناھی و افاض علینا من فیوضکم و برکاتکم۔ ایک سال پہلے حافظ عطاء اللہ سلمہ کو خدمت میں بھیجدیا تھا۔

ت۔ یہ سب یاد ہے۔

م۔ اور حضرت تبدیلی کی بشارت دیا تھا مگر افسوس الآن کما کان ہوگیا۔ اور میں خود بھی باوجود حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے سایہ میں طالب علمی کے زمانہ ہی سے رہا، اور حضرت قدس سرہ نے غایت شفقت سے مجاز بیعت سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔

ت۔ بس اسی سلسلہ کی خدمت میں مشغولی ہو۔ اور سکوت۔

(حافظ جی حضورؒ کے کاتب نے درمیان کا ایک صفحہ خالی چھوڑ دیا تھا، حضرت مسیح الامتؒ نے اس پر اصلاح فرماتے ہوئے تحریر فرمایا کہ)

آگے کا مضمون ادھر اگلے صفحہ پر لکھنے والے صاحب (آنجناب کے محرر صاحب) درمیانی خالی صفحہ پر ہی لکھدیتے تو دوسرا کاغذ بچ کر پھر کام آجاتا۔ لہذا اب اضاعت مال ہو گیا۔

م۔ مگر افسوس احقر ہنوز روز اول، بلکہ فتن زمانہ سے متاثر ہو کر پریشان حال ہے اور حسن خاتمہ کی فکر دامنگیر ہے۔

ت۔ آپ جیسے حضرات کا کام تحصیل اقتدار حکومت کے لئے الیکشن میں پڑنے کا نہیں۔ احقر نے تو اس سے قبل ہی ایک عریضہ میں اشارہ سکوت کا کیا تھا، شاید وہ عریضہ نہ پہنچا ہو۔

م۔ اگرچہ ضعف پیری سے اس وقت چلنا پھرنا بلکہ اٹھنا بیٹھنا بھی بدون سہارا مشکل، تاہم دل میں تڑپ ہے کہ کسی طرح گرتے پڑتے اپنے تینوں لڑکے کو ساتھ لیکر حضرت کی زیارت نصیب ہو جائے تا کہ تینوں لڑکے کو، خاص احباب کو حضرت کے حوالہ کردوں اور حضرت کے نیک نظر سے میرے بعد میرے متعلق دینی کاموں کو سنبھال لیں۔ اگر حاضری کے اجازت اور حاضری کے توفیق ہو تو کاموں کی تفصیل اور رکاوٹیں پیش کر کے مشورہ اور حضرت سے دعاء دلی حاصل کرنے کی امیدوار ہوں۔ حاضری کی اجازت اور وقت کے اطلاع فرما کر سرفراز فرمانے کی درخواست پر عریضہ ختم کرتا ہوں۔ فقط والسلام۔

ت۔ یہ عمر اور یہ زمانہ، وقت سفر کا اور اتنے طویل سفر کا نہیں۔ آنجناب سفر نہ فرمائیں۔ لڑکوں سے کہیں کہ مکاتبت کا اہتمام فرمائیں۔ بس کافی ہے۔ اس کے علاوہ بندہ کا سفر افریقہ کا

عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ ہے‘‘ (ضیاء السالک ص ۵۵۔۵۶ جلد ۱)

حضرت حافظ جی حضورؒ کا ایک اور خط ذرہ زیادہ مفصل ہے اس میں انھوں نے اپنا مقصود وضاحت کے ساتھ لکھا ہے، اس پر ۱۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ کی تاریخ پڑی ہوئی ہے۔ اب اس مکتوب کو ملاحظہ فرمائیں:۔

م۔ ’’از احقر محمد اللہ عفی عنہ۔ الحمد للہ احقر کا عریضہ کا جواب مع ہدایات وتنبیہات مربیانہ موصول ہو کر ممنون وشاکر ہوا۔ فجزاکم اللہ تعالیٰ۔ حضرت والا کا وہ تحریر کہ جس میں حضرت نے مجھے تحریک خلافت میں شرکت کے متعلق سکوت کا اشارہ فرمایا تھا وہ خط مجھ کو نہیں ملا۔ ابتدائے شرکت سے پہلے حضرت والا سے مشورہ چاہنے پر حضرت کا یہاں بنگال کے حالات سے لاعلمی کیوجہ سے مشورہ سے عذر فرمادیا تھا۔ یہ بات مخفی نہیں کہ اکابر نے دور برطانیہ کے شروع ہی سے سب سے پہلے حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء نے جہاد سنانی اور جہاد لسانی سے احیاء دین کر کے جام شہادت سے سرفراز ہوئے اور ہمارے سلسلہ کے سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ اور ان کے رفقاء قدس سرہم نے جہاد لسانی کر کے ظاہری ناکامی کے بعد جہاد لسانی، تعلیم وتبلیغ کے ذریعہ احیائے دین کرتے رہے

حضرت مولانا دیو بندی اور ان کے رفقاء کے اسارت مالٹا کے بعد تحریک خلافت اسی جہاد لسانی کا ایک خاص ہیئت سے بھارت قبضہ برطانیہ سے ایک گونہ آزاد ہوا۔ فلله الحمد والمنة۔

پھر بزرگوں کی اصل مقصد کے مدنظر ہمارے حکیم الامتؒ قدس سرہ کے توجہات اور رہنمائی پر عمل کر کے مسٹر جناح وغیرہ کے کوشش سے اس وعدہ پر پاکستان کا وجود ہوا کہ پاکستان میں خالص اسلامی حکومت قرآنی جاری ہوگا۔ مگر افسوس چالیس پچاس سال گذر گیا ایفائے عہد کا نام ونشان بھی نہیں بلکہ برطانیہ کے دور سے بھی زیادہ بد دینی کا کاروبار روز افزوں ہے۔ والی الله المشتکی۔

اس ملک بنگال میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے سلسلہ کے اکابرین اسی تحریک خلافت کے نام سے ایفائے عہد کی کوشش کر کے اپنا فریضہ ادا کر کے دنیا سے رخصت ہوئے۔ قریب تھا کہ یہ سلسلہ کوشش بند ہو جاتا اس اثناء میں کچھ علماء دردمندان دین میرے پاس جمع ہوئے اور بعد مشورہ طے ہوا کہ اب بھی تحریک خلافت کے نام سے یہ سلسلہ کوشش جاری رکھنا ضروری ہے ورنہ عدم نکیر علی المنکر وعید ملعونیت کلام مجید میں موجود ہیں (سورۂ مائدہ)۔

تعجب ہے اس اثناء میں بعض اہل شوریٰ مولوی

حکومت کے طرفدار ہوکراس اہل شوریٰ کے طے شدہ بات پر عمل سے روگردانی کرنا شروع کیا، میں نے اس کا پرواہ نہیں کیا مگر جب کوئی آگے بڑھنے والا قابل آدمی تیار نہیں ہوا، اخیر میں مجبوراً باصرار احقر ہی باوجود نالائقی کے اس پیر خستہ ناتواں کو اس قربانی کے فریضہ کو ادا کرنے کی بنام خدا تیار ہونا پڑا، چونکہ بد دینی کا اصل مرکز حکومت ہے، اسلئے میں نے صدارت انتخاب میں کھڑا ہوکر مومنین کو کسی بددین کی تائید کرنے سے توبہ کی دعوت دی اور خیال کیا کہ اگر تائبین کی کثرت ہو جائے تو آج کل کے دستور سے کامیاب ہوکر علماء دیندار وغیرہم اہل حل وعقد کے مشورہ سے کسی قابل کو مرکز کے لئے منتخب کر کے ایفائے عہد کی کوشش کروں گا۔ الحمدللہ حسب طاقت کوشش کیا اور عنداللہ کامیاب، گو ظاہراً ناکامیاب ہوں اور اس ناکامی کے سبب بھی اپنا ہی لوگ بظاہر ہیں ۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن ہرچہ کرد آں آشنا کرد

حضرت والاؒ کا سکوت و یکسوئی کا حکم میرے سر آنکھوں پر ہے ۔ حضرت ماہ شعبان کی ابتدائی حصہ میں حاضری کی اجازت سے مجھ کو اور میرے سب رفقاء کو سرفراز بھی فرمادیں، اس درخواست کی منظوری اور دعاء کی

درخواست پر اپنا عریضہ ختم کرتا ہوں۔ انشاء اللہ تکلیف نہ ہو گی، مطمئن رہیں۔ اور حضرت کے رسالہ ''شوریٰ اور اہتمام'' اور وعظ ''اسلام اور امن عام'' کے مطالعہ سے فائدہ ہوا۔ والسلام۔ احقر محمد اللہ عفی عنہٗ'' (ضیاء السالک ص ۵۸۔۶۰)

اس مکتوب کا جواب حضرت مسیح الامتؒ کی طرف سے کیا گیا معلوم نہیں، لیکن حافظ جی حضورؒ کا ایک تیسرا مکتوب مع جواب دستیاب ہے، اس کا جواب مفصل ہے اور اسمیں اس مکتوب کے مضمون کا بھی جواب ہے۔ یہ مکتوب حضرت مسیح الامتؒ کے صاحبزادہ گرامی حضرت مولانا صفی اللہ صاحب کے نام ہے، وجہ خود مضمون مکتوب سے ظاہر ہے مگر جواب حضرت مسیح الامتؒ کے قلم سے ہے۔ مکتوب مع جواب درج ذیل ہے:۔

''بخدمت جناب حضرت مولانا محمد صفی اللہ صاحب زید مجدہم۔
مہتمم مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد ضلع مظفرنگر، یوپی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض ہے کہ حضرت مرشدنا مسیح الامتؒ دام ظلہم اگر افریقہ تشریف لے گئے ہوں تو کب تک واپسی کا امید ہے، اطلاع دینے سے ممنون ہوں گا۔ احقر کے نام سے مذکورہ بالا پتہ پر اطلاعاً ایک کارڈ لکھ دینا کافی ہوگا۔ اگر حضرت سفر میں چلے گئے ہوں تو میرے عریضہ حضرت کے پاس پہنچانے کی کیا صورت ہوگا؟

میرا چند رفقاء کے ساتھ تھانہ بھون اور جلال آباد پہنچنا ضروری ہے۔ اوائل شعبان میں بتوفیقہ تعالیٰ حاضری کے کوشش کروں گا۔

''یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید''

فقط والسلام

احقر محمد اللہ عفی عنہ (''عرف حافظ جی حضورؒ)

جواب:۔

''مکرم ومحترم بندہ دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

یہاں سابق والانامہ کے جواب میں تشریف آوری کے متعلق لکھ دیا تھا وہی جواب اب بھی ہے کہ طویل سفر، طویل خرچ، عمر بھی ماشاء اللہ تعالیٰ طویل، خواہ مخواہ پریشانی سفر باایں ضعف، اسلئے براہ کرم سفر نہ فرمائیں۔ رہا معاملہ تحریک خلافتِ آن محترم، اس کے متعلق اپنے حضرت والا حکیم الامت مجدد الملت کا ملفوظ طویل شاید نظر سے نہ گزرا ہو۔ اس میں آنجناب کے فرمودہ کا جواب ہے جو دوسرے خط میں آپ نے لکھا ہے اس ملفوظ کو ملاحظہ فرمالیا جاوے، اگر تحریک خلافت کے متعلق مشورہ کے لئے تشریف لانا ہو تب بھی تشریف نہ لاویں۔ اس کے لئے وہ ملفوظ ہی کافی ہے۔

حضرت والا تھانویؒ کا وہ ملفوظ ملفوظات کے جس

حصہ میں ہے اس حصہ کا نام ہے ''الافاضات الیومیہ'' حصہ

سوم ملفوظ نمبر دو سو اکتالیس (۲۴۱) تاریخ ۱۶/ ذی الحجہ

۱۳۵۰ھ مجلس خاص بوقت صبح یوم شنبہ (ملقب بتدبیر

الفلاح) احقر محمد مسیح اللہ''

۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۷ھ الجمعہ ۲۳/ جنوری ۱۹۸۷ء

(ضیاء السالک ص ۶۰۔ ۶۲)

چونکہ اس مضمون میں آج کل علماء کو بہت خلط ہو رہا ہے اور بوجہ جوش وغیرت دینی وحمیت ملی اکثر صحیح فیصلہ اور نتیجہ تک پہونچنے میں ناکامی ہوتی ہے اس لئے مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کا وہ مضمون ''تدبیر الفلاح'' جسکا حوالہ حضرت نے دیا ہے پورا من وعن نقل کردیا جائے، گو وہ ہماری اس کتاب کے لحاظ سے طویل ہے تاہم نفع دینی وملی کے لحاظ سے اہم واقدم ہے اسلئے اس طوالت کو گوارا کرکے مکمل مضمون ذیل میں درج کیا جاتا ہے، ان شاء اللہ اس سے بہت سی گرہیں کھل جائیں گی اور اشتباہات دور ہو جائیں گے۔ اب مضمون ملاحظہ فرمائیں:۔

ملفوظ حضرت تھانویؒ ملقب بتدبیر الفلاح

ایک نو وارد متمول صاحب کلکتہ سے دیوبند اور دیوبند سے ایک مولوی صاحب کو ہمراہ لیکر تھانہ بھون حاضر ہوئے۔ مولوی صاحب موصوف نے ان صاحب کی غیبت میں حضرت والا (مولانا تھانویؒ) سے پیشتر

ملاقات کی اور عرض کیا کہ یہ بہت بڑے شخص ہیں باعتبار تموّل کے۔کلکتہ میں مسلمانوں کے اندر انکی ایک ممتاز ہستی ہے، حضرت والا سے بعض ضروری باتوں کے متعلق بغرض مشورہ کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں، اگر حضرت والا اجازت فرمائیں اور کوئی وقت گفتگو کا متعین فرمادیں تو میں ان سے کہدوں۔حضرت والا نے فرمایا کہ ان سے تو جب گفتگو ہوگی انکو مشورہ دیا ہی جائیگا مگر ان سے پہلے بغرض خیر خواہی آپ کو مشورہ دیتا ہوں، وہ یہ کہ آپ کو ان کے ہمراہ آنے کی کون ضرورت تھی؟ جب کہ کلکتہ سے دیوبند تک خود آ گئے تھانہ بھون آنا کون مشکل تھا۔میں اہل علم کے لئے ایسی باتوں کو پسند نہیں کرتا، یہ اہل دنیا خصوص اہل مال اہل دین اور اہل علم کو نظر تحقیر سے دیکھتے ہیں، اسلئے اہل علم کو ہرگز ان کی چاپلوسی نہیں کرنی چاہئے، منھ بھی نہ لگانا چاہئے۔اب آپ کی ہمراہی کے سبب مجھ کو ان کی بعض مراعاتیں کرنی پڑیں گی۔آپ ہمراہ نہ ہوتے تو جو مصلحت وقت اور ضرورت سمجھتا وہ ان کے ساتھ برتاؤ کرتا، آئندہ ایسی بات کا آپ کو خیال رہنا چاہئے میں جو آپ کو مشورہ دے رہا ہوں اس میں بڑی مصلحت اور حکمت ہے۔عرض کیا کہ میں بہت اچھی طرح سمجھ چکا ہوں، انشاءاللہ تعالیٰ آئندہ کبھی ایسا نہ ہوگا۔اور اس میری

کم فہمی اور غلطی کو حضرت والا معاف فرمائیں۔ فرمایا کہ خدا نہ کرے کہ آپ کم فہم ہوں۔ نہ میرا یہ مطلب ہے کہ بے فکری اس کا سبب ہے۔ اگر کسی کام کرنے سے قبل اس میں فکر اور غور کرلیا جائے تو صدور غلطیوں کا تو پھر بھی ممکن ہے۔ مگر شاذ و نادر جو النادر کالمعدوم کا مصداق ہوگا۔ اور بدوں فکر اور غور کے بکثرت صدور ہوتا ہے۔ یہ فرما کر فرمایا کہ ان صاحب کو اسی وقت بلالیا جائے۔ تا کہ معلوم ہو جائے کہ وہ کیا بات کہنا چاہتے ہیں، میں ان کو اسی وقت فارغ کردوں گا تا کہ انکا بھی کوئی حرج نہ ہو اور میں بھی یکسو ہو جاؤں بعد فراغ ان کو قیام کے متعلق اختیار ہوگا۔ چاہے واپس جائیں یا رہیں۔ میری وجہ سے نہ ان کا حرج ہو اور نہ کلفت ہو، غرضیکہ ان صاحب کو مجلس میں بلالیا گیا۔ بعد سلام و مصافحہ کے ان صاحب نے عرض کیا کہ میں کلکتہ سے دیوبند ہوتا ہوا حضرت والا کی خدمت میں چند ضروری باتیں بطور مشورہ عرض کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں، اگر اجازت فرمائی جائے تو عرض کروں، فرمایا سر آنکھوں پر شوق سے فرمایئے انشاء اللہ تعالیٰ سن کر جو ذہن میں آئے گا میں بھی بے تکلف عرض کردوں گا۔ آپ فرمائیں انھوں نے کہا کہ:۔

(۱) مدرسہ دیوبند میں بقدر ضرورت تھوڑی سی انگریزی

ہونی چاہئے۔

(۲) میرا خیال ہے کہ میں چند طلباء عربی کو کلکتہ لے جا کر انگریزی کی اعلیٰ تعلیم دلواؤں تا کہ دوسرے ممالک میں جا کر تبلیغ کر سکیں۔

(۳) مسلمانوں کو تجارت کی سخت ضرورت ہے ان کو اس کی طرف رغبت دلائی جائے۔

(۴) مسلمان دوسری قوموں سے خرید و فروخت اور لین دین چھوڑ دیں اس کی تحریک علماء کو کرنا چاہئے۔ یہ ہیں وہ باتیں جو مجھ کو حضرت والا سے عرض کرنی تھیں۔ اب جو حضرت والا کا مشورہ ہو اس پر عمل کر لیا جاوے۔

حضرت والا کا جواب:۔

" آپ کے خیالات نیک نیتی پر مبنی ہیں۔ آپ نے مسلمانوں کی تکلیف کا احساس کیا آپکے دل میں ان کی طرف سے درد ہے جس کی مجھکو بھی مسرت ہوئی اس لئے کہ اہل تمول مسلمانوں کو قطعاً اس طرف التفات نہیں کہ غریب مسلمانوں کی خبر گیری کریں، میرے ذہن میں آپکی باتیں سنکر جو مفید اور کارآمد مشورہ آیا ہے۔ وہ میں بے تکلف عرض کرتا ہوں امید ہے کہ خالی الذہن ہو کر آپ بغور سنیں گے اور جہاں جس پر شبہ ہو میری تقریر کے بعد اس کو ظاہر فرمائیں گے۔ میں پھر اس کے مطابق عرض کرونگا۔ تقریر

کے درمیان میں بولنے سے الجھن پیدا ہوگی۔

پہلے اور دوسرے سوال کا جواب: آپ کا یہ فرمانا کہ مدرسہ دیوبند میں بقدر ضرورت تھوڑی سی انگریزی ہونی چاہئے اور طلباء عربی کو دوسری جگہ پر لے جاکر انگریزی کی تعلیم اس نیت سے دلوائی جائے کہ وہ دوسرے ممالک میں جاکر تبلیغ کرسکیں، اسکے متعلق یہ عرض ہے کہ یہ طریق مفید ثابت نہ ہوگا، بلکہ مضر ہوگا۔ مدرسہ میں انگریزی داخل ہونے سے خلط مبحث ہوجائے گا۔ اب جو کام مدرسہ میں ہورہا ہے یہ بھی نہ ہوگا۔ مدرسہ ایک معجون مرکب ہوجائے گا۔ اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ مدرسہ کو تو اپنی اصلی حالت پر رہنے دیجئے جو کام ہورہا ہے ہونے دیجئے، اور انگریزی کے متعلق ایک درسگاہ الگ تیار کرادیجئے اس کا نظم ونسق ان ہی حضرات کے ہاتھ میں رہے جو عربی کا نظم ونسق فرمارہے ہیں، اور صورت اسکی یہ ہو کہ عربی کے فارغ التحصیل طلبہ انگریزی درسگاہ میں تعلیم پائیں اور جب تک طلبہ فارغ التحصیل نہ ہوجائیں ان کو انگریزی تعلیم پانے کی اجازت نہ ہو، ہاں فراغت کے بعد کوئی حرج نہیں اس لئے کہ قبل فراغ اندیشہ ہے اس طرف کے جذبات کے غلبہ کا اور بعد فراغ یہ اندیشہ نہ رہے گا۔ فراغ کے قبل اجازت نہ ہوگی، مصلحت یہ ہے کہ اکثر نقد غالب آجاتا ہے ادھار پر، اور اس صورت مجوزہ میں مدرسہ کا کوئی حرج نہ ہوگا۔ ایک یہ

بات بھی ضروری ہے کہ کتابیں ختم کرنے کے بعد جب تک
دو چار مرتبہ نہ پڑھالے علم محفوظ نہیں رہ سکتا۔ سو فارغین
گھنٹوں کے حساب سے دونوں کام کرسکتے ہیں۔ یعنی فارغ
التحصیل طلبہ اس صورت میں عربی بھی پڑھا سکتے ہیں اور
انگریزی بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اور دوسری جگہ پہنچ کر فارغ
التحصیل طلبہ کا بھی تعلیم انگریزی پانا مضرت سے خالی نہیں،
ان کا یہ رنگ رہ ہی نہیں سکتا، اور نہ اس کام کے بن سکتے ہیں
جو آپ کی غرض ہے، اس کا بھی صحیح طریق یہی ہے کہ اپنے
انہی قدیم اساتذہ کی نگرانی میں تعلیم پائیں تاکہ انکے جذبات
پر برا اثر نہ پڑے، یہاں سے الگ ہو کر ان جذبات کا محفوظ
رہنا مشکل ہے جس کا نتیجہ بجائے ہدایت کے گمراہی ہوگا۔
اور انگریزی کو خود مدرسہ میں داخل کردینے سے عوام کے اوپر
بھی برا اثر ہوگا وہ شروع ہی سے اپنے بچوں کو تعلیم انگریزی
کیلئے بھیجنا شروع کردیں گے، انکے پاس اس سمجھنے کا کوئی
معیار ہی نہیں کہ اس کو مدرسہ دینیہ ہی کی شاخ بنا کر رکھنا چاہئے
اور مدرسہ دینیہ ہی کے خدام اس انگریزی شاخ کے نگران رہیں۔
اور میری مجوزہ صورت میں ہر مصلحت محفوظ رہ سکتی ہے اور جیسے
مبلغ آپ چاہتے ہیں ویسے تیار ہو سکتے ہیں اسلئے کہ جذبات
وہی دین کے رہیں گے۔ غرض کہ مدرسہ دینیہ کے ماتحت
انگریزی درسگاہ کو رکھنا چاہئے تاکہ انگریزی خانہ عربی خانہ

سے زیادہ مقصود نہ ہو جائے، پھر اس اہتمام اور نگرانی کے بعد اگر کوئی بگڑے تو بگڑے ہم تو ذمہ دار نہ ہوں گے اور اس کے خلاف صورت میں ہم ذمہ دار ہوں گے، یہ ہے فرق دونوں صورتوں میں۔

اور میں اس سے آگے توسع کر کے کہتا ہوں اور آپ کے درد کی قدر کرتا ہوں، اور اس کے لئے میں یہاں تک تیار ہوں کہ مدرسہ دیوبند کو اسی موجودہ حالت پر رکھتے ہوئے اور جو کام وہاں پر ہو رہا ہے اس کا تحفظ کرتے ہوئے مشورہ دیتا ہوں، آپ انگریزی تعلیم کے متعلق یہاں پر تھانہ بھون میں انتظام کر دیجئے میں ہر کام اپنی نگرانی میں رکھوں گا اور مدرسین کا انتخاب وغیرہ اپنی رائے سے کروں گا، طلباء کی نگرانی اور انکے متعلق اصول و قواعد میں خود منضبط کروں گا۔ یہ سب سے بہتر اور آسان صورت ہے جو میں نے بیان کی، یہاں پر نہایت سہولت سے مکان کا بھی طلباء کی سکونت اور خورد و نوش کا بھی انتظام ہو جائے گا، جدید تعمیر کے انتظام کی فوری ضرورت نہ ہو گی۔ اہل علم میں سے بعض ایسے لوگ میری نظر میں ہیں جو اس کا انتظام نہایت خوش اسلوبی سے کر سکتے ہیں اور انجام دے سکتے ہیں۔ اور اس طریق کار میں کسی گڑبڑ کا بھی اندیشہ نہیں۔ غرض جملہ امور متعلقہ تعلیم و نگرانی کا کافی انتظام ہو جائے گا۔ آپ کے ذمہ محض مالی اعانت کا

باررہے گا، اس کا انتظام آپ کیجئے، یہ ہمارے ذمہ نہیں، پھر دیکھئے انشاء اللہ تعالیٰ کیسے مبلغ پیدا ہوتے ہیں۔ اس مشورہ کے سن لینے کے بعد اگر آپ کے ذہن میں کوئی مفید مشورہ اس کے علاوہ ہو وہ فرمائیے۔

عرض کیا کہ اس جز کے متعلق تو عرض کرنے کی کوئی گنجائش ہی حضرت نے نہیں رکھی نہایت جامع اور مختصر مشورہ میں سب ہی کچھ بیان فرمادیا اور میں نے جو رائے دی تھی اس میں واقعی خلط مبحث کا اندیشہ تھا جو سابقہ تعلیم عربی میں بھی گڑبڑ کر دیتا اور طلبہ کا باہر جا کر تعلیم پانا بھی اس خطرہ سے خالی نہ ہوگا جو حضرت والا نے بیان فرمایا، بس یہی مفید مشورہ ہے جو حضرت والاؒ نے فرمایا میں انشاء اللہ تعالیٰ اس کا انتظام کروں گا۔ فرمایا کہ اب آپ انتظام فرمائیں یا نہ فرمائیں مجھ کو انتظار نہ ہوگا، اسلئے کہ جو چیز میرے اختیار سے خارج ہے اس کا میں کیوں انتظار کروں اور کیوں فکر کروں؟ آپ جانیں، آپ نے مشورہ لیا، مسلمانوں کی فلاح و بہبود کو جی میرا بھی چاہتا ہے میں نے طریق کار بیان کر دیا۔

(تیسرے اور چوتھے سوال کا جواب) اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ اس کے لئے ایک کام کرنیوالی جماعت کی ضرورت ہے جو محرک ہو اور عمل کرا سکے اس میں

مسائل شرعیہ اور حدود کا تحفظ کرتے ہوئے تحریک کرنا چاہئے
ایسا نہ ہو جیسا کہ زمانہ تحریک خلافت میں ہڑبونگ مچا تھا کہ
حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے کو تیار ہو گئے تھے۔ ایسا
کرنے کی بے برکتی بھی دیکھ لی، مفتیوں نے فتوی دیا کہ
ولایتی کپڑا پہننا حرام ہے اب وہی خود اس کو استعمال کر
رہے ہیں، کل تو حرام تھا آج حلال ہو گیا، کیا لغو حرکت ہے
ایسی گڑبڑ ہرگز منزل مقصود تک نہیں پہنچا سکتی۔ اب رہا کہ
علماء اس کی تحریک کریں یہ بھی غلط اصول پر مبنی ہے، صحیح
طریق یہ ہے کہ ایک جماعت ہو مسلمانوں کی جو اندر خانہ
مسلمانوں کو ترغیب دے اور تحریک کرے جتنی قوموں نے
ان معاملات میں ترقی کی ہے انھوں نے اس کی یہی
صورت اختیار کی کامیابی ہوئی، وعظوں اور پمفلٹ اور
اشتہاروں سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ میں ایک مقام پر مدعو کیا
گیا تھا وہاں پر مجھ سے قبل وعظ فرمائش کی گئی کہ ہندوؤں
کے بائیکاٹ کے متعلق کچھ بیان کیا جاوے میرا ہمیشہ بیان
کے متعلق یہ معمول رہا اور ہے کہ فرمائش پر بیان نہیں کرتا،
بلکہ ضرورت کو محسوس کر کے وقت پر جو اللہ نے دل میں ڈالا
بیان کر دیا، اور وہی اکثر مفید ثابت ہوا۔ میں نے صاف
انکار کر دیا کہ میں یہ بیان نہ کروں گا۔ تمہارے نزدیک یہ
بیان مفید اور محمود ہوگا مگر میں اس طرز کو مضر سمجھتا ہوں ایسے

طریق سے بیان کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ تو اعلان کر کے سو جاتے ہیں اور دوسرے لوگ جاگ جاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہوتا ہواتا کچھ بھی نہیں اور عمل نہ کرنے کے سبب اوپر سے ذات گلوگیر ہو جاتی ہے، دوسری قومیں نظر تحقیر سے دیکھنے لگتی ہیں۔ اس کی مفید صورت تو یہ ہے کہ ہم اپنے طریق سے دو کانیں کھلوائیں اس میں نہ فتوے کی ضرورت نہ اعلان کی ضرورت، یہ نیا طرز نکالا ہے کہ فتویٰ ہو اعلان ہو سو یہ طرز نہایت مضر اور خطرناک ہے البتہ حدود شرعیہ کی حفاظت کی ہر حال میں ضرورت ہے۔

غرض کام اس طریق سے ہونا چاہئے کہ جس میں شریعت کے حدود بھی محفوظ رہیں اور کام بھی ہو جائے، ایسی صورت نہ اختیار کرنی چاہئے جیسا کہ زمانہ خلافت میں کیا گیا تھا کہ میاں کام کرنے کا وقت ہے مسائل کا وقت نہیں، لعنت ہے ایسے کام پر جو شریعت مقدسہ کے حدود سے تجاوز کر کے کیا جائے اللہ جس کام سے راضی نہ ہو وہ کام مسلمان کا نہیں، ہم جو مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں وہ مسلمان ہونے کیوجہ سے ہیں جب اسلام اور شریعت کا تحفظ نہ رہا یا نہ کیا تو کیسی ہمدردی اور خیر خواہی اور کیسا درد؟ یوں تو فرعون نے ترقی کی، شداد نے ترقی کی، نمرود نے ترقی کی، قارون نے ترقی کی، آخران کی ترقی بھی تو ترقی ہی تھی پھر قابل ملامت اور

مذموم کیوں ہوئی؟ اسلئے ہی کہ وہ حدود سے تجاوز کر کے ترقی کی گئی تھی۔ جس کو اکبر الہ آبادی نے ایک شعر میں کہا ہے ۔

نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوۃ ہے نہ حج ہے
تو خوشی پھر اس کی کیا ہے کوئی جنٹ کوئی جج ہے

یہ جو آج کل لیڈروں اور ان کے ہم خیال مولویوں نے مسلمانوں کی فلاح اور بہبود کے متعلق طرز اختیار کیا ہے کہ ان کی ہر بات کا اشتہار اور اخبارات میں اعلان کرایا جاتا ہے، یہ طرز نہایت ہی غیر مفید ہے۔ شور و غل تو تمام دنیا میں اور عمل ندارد، اور سب سے بڑی بات قابل ذکر بلکہ قابل شکایت یہ ہے کہ یہ لوگ دوسروں سے تو اسلام کی عزت کے خواہاں ہیں اور خود اسلام اور احکام اسلام کو پائمال کرتے ہیں، ایک زمانہ میں نمازوں کے وقت میں جلسے ہوتے رہے کچھ پروانہیں، رمضان المبارک میں عام شاہراہوں پر میزوں پر کھانے چنے گئے اور کرسیوں پر بیٹھ کر کھائے گئے۔ یہ حرکات کہاں تک جائز ہیں؟ نمازوں کے لئے مسجدوں میں نہ آنا، گھروں پر جانمازیں بچھی ہیں، یہ متکبروں کی ایک پہچان ہے کہ وہ مسجد میں آنا اور غرباء کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا کسر شان سمجھتے ہیں، اور پھر مسلمانوں کی باگ ان کے ہاتھ میں ہے ان کی کشتی کے ناخدا بنے ہوئے ہیں۔ شرم نہیں

آتی۔ اگر مسجد میں آئیں گے بھی تو جمعہ کے روز، وہ بھی پیدل چل کر نہیں جب دیکھو فٹن میں دھرے ہیں۔ اور دل میں فتن بھرے ہیں۔ بندۂ خدا مسجدوں میں آؤ غریب مسلمانوں کی ہر حالت کو دیکھو جو کام کرنے کے مفید طریقے ہیں ان میں سے ایک بھی نہیں۔ سب زبانی جمع خرچ، جب چاہو جس چیز کی چاہو اسکیم پوچھ لو جب چاہو اعلان کرالو۔ بس اسی کے مرد ہیں ایک شخص نے کہا کہ اگر سب مسلمانوں سے ایک ایک پیسہ لیا جائے تو لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں روپیہ جمع ہو جائے پھر اس کو قومی کاموں میں صرف کیا جائے دوسرے نے جواب دیا کہ اگر سورۂ بقرہ ایک منٹ میں سات مرتبہ پڑھ لو تو ہفت اقلیم کے بادشاہ ہو جاؤ۔ بس مسلمانوں سے یہ تو کاغذی حساب پوچھ لو، کرنے کرانے کے نام صفر۔ ایک بنئے کی حکایت یاد آئی کہ کنبہ کو لیکر سفر میں چلے راستہ میں ایک دریا آ گیا آپ نے پانی کا حساب لگایا، کہیں تو ٹخنوں تک، کہیں گھٹنوں تک، کہیں ناف تک، کہیں سینے تک، کہیں گلے تک کہیں سر سے اوپر، آپ نے کاغذ پر اوسط لگایا تو گھٹنوں تک اوسط نکالا، گاڑی ڈالدی اب لگے ڈوبنے تو بنیا کہتا ہے کہ حساب جوں کا توں اور کنبہ ڈوبا کیوں؟ بھائی وہ عملی حساب نہ تھا کاغذی حساب تھا اس کا یہ نتیجہ ہوا۔ یہ ہی حالت ان

باتیں بنانے والوں کی ہے، میاں صاحب عملی صورت میں تو اگر تھوڑے سے مسلمان بھی کام کرنے والے ہوں تو چندروز میں کچھ سے کچھ ہو جائے، گاؤں کے اندر دس ہوں قصبہ کے اندر پچاس ہوں، شہر کے اندر سو ہوں، مگر مخلص کہ جان تک اڑادیں پھر دیکھو کیا ہوتا ہے سب باتوں کا انتظام بسہولت ہوسکتا ہے مگر جو کام کرنے کے ہیں انکی طرف تو کبھی التفات بھی نہیں ہوتا، اور یہ بائیکاٹ وغیرہ ان سے کیا کام چلتا ہے اگر انبیاء علیہم السلام نرے بائیکاٹ سے کام لیتے تو ہرگز دین کی اشاعت نہ ہوتی، کام تو کام کے طریقہ سے اور ہر موقع پر اس کے مناسب عمل سے ہوتا ہے۔

دیکھ لیجئے جب تک قوت جمع نہ ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے صبر اور حلم سے کام لیا۔ جہاد کی بھی اجازت نہ ہوئی جب قوت جمع ہوگئی جہاد بھی فرض ہو گیا، اور تلوار سے کام لیا گیا۔ پھر اتنا بڑا کام کہ اظہر من الشمس ہے یہ سب برکت مناسب طریقہ پر عمل کرنے کی تھی۔ اس مناسب عمل پر یاد آیا کہ ایک صاحب پنجاب سے آئے تھے انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ اس تحریک خلافت میں کیوں نہیں شریک ہوئے میں نے کہا کہ ایسے عظیم الشان مقاصد کے لئے ضرورت ہے قوت کی اور قوت

موقوف ہے اتفاق پر، اور اس کے دو درجے ہیں ایک حدوث ایک بقاء۔ سو اول تو اس وقت تک حدوث بھی نہیں ہوا، لیکن اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو بقاء کا کوئی سامان نہیں، کہنے لگے بقاء کیسے ہو؟ میں نے کہا اس کے لئے ضرورت ہے امیر المونین کی کہ وہ اپنے قہر سے اتفاق کو باقی رکھ سکتا ہے کیوں کہ خروج عن الجماعۃ پر سزا دے سکتا ہے، اور یہاں کوئی امیر المونین نہیں۔ کہنے لگے ہم آپ کو امیر بناتے ہیں۔ میں نے کہا میں بننے کو تیار ہوں مگر اسکے کچھ شرائط ہیں۔ ایک یہ کہ تمام مشاہیر علماء اور لیڈروں کے دستخط میرے امیر تسلیم کر لینے پر کرا کر لاؤ اگر ایک نے بھی اختلاف کیا تو میں امیر نہیں بنتا۔ اس کے بعد اگر پھر کوئی کسی قسم کی گڑبڑ کرے گا، اس کو درست کر دیا جائے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں شخصی سلطان بنوں گا جمہوری نہ بنوں گا۔ دوسروں کی رائے کا منتظر نہ رہوں گا۔ تیسرے یہ کہ ہندوستان کے سب مسلمان اپنا سرمایہ چاہے وہ کسی قسم کا ہو نقد، زیورات، جائیداد، مکانات، باغات سب میرے نام ہبہ کر دیں میں بھیک مانگنے والا امیر نہ بنوں گا کہ ضرورت تو ہے اس وقت اب چندہ کرتے پھرو۔ اتنے چندہ ہو وہاں سب کام درہم برہم، اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس ہبہ کے بعد جس کی جس

طرح پر گذر رہی ہے اس سے بھی اچھی طرح پر گذر کا انتظام کردوں گا تکلیف کسی کو کسی قسم کی نہ ہونے دوں گا مجھ سے اس کا اقرار نامہ لکھوالیا جائے۔ جب یہ سب ہو جائے گا اس کے ضروری سامان مہیا کردوں گا۔ اور سب سے پہلے جو امیر المونین ہو کر حکم دوں گا وہ یہ ہوگا کہ دس برس تک سب تحریک اور شوروغل بند۔ ان دس سال میں مسلمانوں کی اصلاح کی کوشش کی جائے گی۔ جب یہ قابل اطمینان ہو جائیں گے تب مناسب حکم دوں گا۔ باقی جب تک قوت نہ ہو کفار سے بھی نہایت لطف اور حسن سے کام لینا چاہئے۔ اور اگر یہ شرائط پورے نہیں ہو سکے اور محض کاغذی امیر المونین بناتے ہو تو آج امیر المونین اور کل اسیر الکافرین۔ کہنے لگے یہ تو بہت مشکل کام ہے، میں نے کہا بس تو کامیابی بھی مشکل ہے، بس یہ سن کر رہ گئے بیچارے۔ تو محض زبانی جمع خرچ سے کیا ہوتا ہے یہ جمع خرچ اور حساب تو ایسا ہی ہوگا جیسا کہ بنئے کی حکایت سے بیان کر چکا ہوں۔ کاغذی حساب تھا عملی نہ تھا اس کا نتیجہ تو یہی ہونا ہے کہ حساب جوں کا توں اور کنبہ ڈوبا کیوں؟ لوگوں کے ان خیالات کی اس سے زیادہ وقعت نہیں جیسے شیخ چلی کے گھڑے کے گر کر پھوٹ جانے پر سارا گھر بار ہی برباد

ہو گیا تھا۔ جو کام کرنے کے ہیں وہ کرو، جیسا کہ میں نے بیان کیا کہ بدوں باشوکت امیر اور سردار کے کام چلنا نہایت دشوار بلکہ محال ہے۔ اور سب سے بڑی ضرورت تو اس کی یہ ہے کہ بدون امیر کے حدود شریعت کا کون تحفظ کرائے گا۔ اور عدم تحفظ حدود شرعیہ پر اگر کامیابی ہو بھی گئی تو یہ خود ایک مسلمان کے لئے نہایت زبردست ناکامی ہے۔

بعضے کہتے ہیں کہ یہ حجروں میں رہنے اور بیٹھنے کا وقت نہیں میدان میں آنے کا وقت ہے۔ اگر طریقہ سے کام ہو تو میدان مین آنا بھی کوئی مشکل کام نہیں مگر بے طریقہ کام کرنے سے حجرہ بھی ہاتھ سے جاوے گا اور میدان بھی، نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔

پھر ان نو وارد صاحب کی طرف مخاطب ہو کر حضرت والا نے فرمایا کہ جو میں نے عرض کیا آپ کی سمجھ میں آیا؟ عرض کیا کہ جو حضرت فرمار ہے ہیں بغور سن رہا ہوں اور سمجھ رہا ہوں، مگر یہ کام بھی حضرت ہی کے کرنے کا ہے، فرمایا مجھے انکار کب ہے میں تو مسلمانوں کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔ مگر جماعت بنانا آپ کا کام ہے ایسی جماعت آپ پیدا کریں جو دل سے اور خلوص نیت سے لوگوں کو عملی صورت پر آمادہ کرے احکام اہم سے پوچھئے، مشورہ لیجئے، جو طریقہ ہے کام کرنے کا اس طرح کیجئے۔ بہر حال صورت یہ ہے کہ آپ ایسی جماعت پیدا کریں

اور ہم سے مشورہ لیں، یہ ہے طریقہ کام کرنے کا اور یہ طریقہ آسان بھی ہے اس پر عمل کیجئے انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد کامیابی ہوگی۔

ایک بات یہ ضروری ہے کہ عمل کرنے کی صورت میں کسی پر جبر نہ کیا جاوے جیسے کہ آج کل بعضوں نے وتیرہ اختیار کیا ہے کہ جو شخص انکے ساتھ شرکت نہ کرے اس کو تکلیفیں پہنچاتے ہیں۔ جبر سے قلوب میں بددلی ہوتی ہے جو کام خوشی سے ہوتا ہے اس میں مداومت ہوتی ہے، آپ اس مجموعی طریق کو عملی جامہ پہنائیں، یہ سب صورتیں تجربہ کی بناء پر میں نے بیان کی ہیں، میری تو دل سے تمنا ہے کہ دین کے ساتھ مسلمانوں کی دنیا کی بھی فلاح ہو مگر طریقہ کے ساتھ یوں ہی اڑنگ بڑنگ کرنے سے کام نہیں چلا کرتا، نہ اس میں برکت ہوتی ہے، میرا تجربہ ہے کہ آج کل مسلمانوں کا کام جوش کے ماتحت ہوتا ہے، اسی لئے اس میں استقلال نہیں ہوتا اگر ہوش کے ماتحت ہو تو دنیا کی تمام قومیں بیٹھی دیکھا کریں۔

ایک یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ جو شخص جس کام کا اہل ہے وہی کام اس سے لیا جائے، اس میں گڑبڑ نہ کی جاوے اس کے خلاف کرنا اصول کے خلاف کرنا ہے جو بظاہر سبب ہوتا ہے عدم کامیابی کا یعنی جو کام لیڈروں کا ہے وہ کریں جو کام علماء کا ہے وہ کریں۔ پھر عوام میں بھی دو طبقے ہیں، ایک اہل

مال ایک اہل جان، اہل مال کا جو کام ہے وہ کریں اہل جان کا جو کام ہے وہ کریں، تقسیم عمل سے بڑی سہولتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔علماء سے دوسرے کام کی توقع ایسی ہے جیسے کوئی شخص حکیم محمود خاں کے پاس جا کر ٹوٹے ہوئے جوتہ کے سینے کی ترکیب ان سے پوچھے۔وہ کہیں گے کہ دہلیز پر باہر چمار بیٹھا ہے یہ کام اس کے سپرد کرو ہمارا یہ کام نہیں، حکیم صاحب سے کوئی کہے کہ طبی کانفرنس میں جوتے گانٹھنے کے منافع بیان کرو، یہ سخت توہین ہوگی حکیم محمود خان کی اور فن طب کی بھی۔ایسے ہی یہاں سمجھ لو علماء سے مسائل پوچھو، دنیا کے حصول کی تدابیر انہیں کیا معلوم؟ خوب سمجھ لیجئے۔

پھر ایک اور بات بھی قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ دنیا کی ترقی اور اس کے حصول کے بھی تو کچھ شرائط اور حدود ہوں گے یہ تو نہیں کہ اس کے لئے جو جی میں آیا کر لیا جو جی میں آیا کہہ دیا۔ جب دنیا کی ترقی کی بھی ایک حد ہے تو اس سے آگے بڑھنا وبال جان بلکہ مضر ایمان ہوگا۔ میں نے لکھنؤ میں ایک وعظ میں بیان کیا تھا، اس وعظ میں نو تعلیم یافتہ طبقہ کے لوگ زیادہ تھے بڑے بڑے بیرسٹر و وکلاء کا مجمع تھا میں نے کہا تھا کہ ترقی ترقی گاتے پھرتے ہو آخر اس کے کچھ حدود بھی ہیں؟ اگر ہر ترقی مطلوب ہے تو انسان کے بدن پر کبھی ورم آجاتا ہے جس سے اس کے جسم میں ترقی ہو جاتی ہے تو پھر اس کے ازالہ کی

تدابیر طبیب یا ڈاکٹروں سے کیوں پوچھتے ہو اور اس کو مذموم کیوں سمجھتے ہو؟ اگر حدود سے گزر کر ترقی کی جاوے تو وہ ایسی ہوگی جیسے فرعون نے ترقی کی تھی تو ایسی ترقی سے ایک مسلمان ایمان والے کو کیا فائدہ؟ ایسی ترقی مسلمانوں کی ترقی کہلانے کے قابل کب ہوگی؟ یقیناً کفار کی ترقی کہلائے گی اور اس کے حصول کی فکر بھی بے ضرورت ہی ہوگی۔ اسلئے کہ کفار کی ترقی تو ہو ہی رہی ہے پھر مسلمانوں کے لئے ایسی ترقی میں کونسی خوبی ہوگی؟ ان کی خوبی تو اسی ترقی میں ہے کہ حدود کا تحفظ ہو اور پھر ترقی ہو، یہ ہے خوبی کی بات، اور ایسی ترقی غیر ممکن نہیں محال نہیں سلف کے کارنامے تمہارے سامنے ہیں کہ شرق سے غرب تک اور جنوب سے شمال تک اعلاء کلمۃ الحق کر گئے ان کی کامیابی اور ترقی میں جو بڑی بات ہے وہ یہ ہے کہ حدود کا تحفظ رکھا اور اس کے ماتحت کامیابی اور ترقی کی۔ نکاح کا نتیجہ جب ہی برآمد ہوسکتا ہے کہ میاں بھی صحیح المزاج ہو اور بیوی میں بھی کوئی نقص نہ ہو تب ہی اولاد پیدا ہوگی۔ اسی طرح اگر علماء بھی متدین، اہل تقوی و اہل فتوی ہوں، اور عوام بھی ان کے مطیع و فرماں بردار ہوں اس صورت میں انشاء اللہ تعالیٰ نتیجہ بہتر سے بہتر برآمد ہوگا۔ غرض کام کے انجام دینے کے لئے ایک مخلص جماعت چاہیئے جس کا شب و روز یہ ہی کام ہو پھر اس جماعت میں دو قسم کے لوگوں کی ضرورت ہے، ایک وہ

لوگ جو دنیا کی وجاہت رکھتے ہوں، دوسرے جو دین کی وجاہت رکھتے ہوں۔ اگر دنیا کے متعلق کوئی شبہ ہوتو پہلا طبقہ جواب دے گا، اور اگر دین کے متعلق کوئی شبہ ہوتو دوسرا طبقہ جواب دے گا۔

رہا میری شرکت کے متعلق، سو یہ عرض ہے کہ غیب کی خبر نہ مجھ کو نہ آپ کو، اسلئے پہلے سے کیسے جازم فیصلہ کرلوں، بس معلقاً اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ اگر شریعت کے موافق طریق کار ہو میں شریک ہوں مجھ کو انکار نہیں، اصرار نہیں، ضد نہیں۔ جو بات تھی میں نے صاف صاف ظاہر کردی تا کہ کسی قسم کی آپ کو الجھن نہ ہو دھوکہ نہ ہو۔ نہایت احسن طریق سے کام شروع کیا جائے اور اگر اس میں کوئی مخالفت کرے اس کے ساتھ نرمی سے کام لیا جائے، جبر اور تشدد کو پاس نہ آنے دیا جائے انشاء اللہ تعالیٰ رفتہ رفتہ سب شریک ہو جائیں گے۔ سب سے اول ضرورت خلوص کی ہے پھر فلوس والے خود بخود آ شریک ہوں گے۔ آپ دیکھیں کہ شیعوں کا مذہب نہایت لچر ہے مگر ظاہراً ان کے نرم ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ اس طرف مائل ہیں۔ نرمی وہ چیز ہے کہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلویؒ نے وعظ میں دیکھا کہ ایک شخص ٹخنے سے نیچے پاجامہ پہنے ہوئے ہے آپ نے ختم وعظ پر فرمایا کہ میاں ذرا تم ٹھہرے رہنا تم سے کچھ کام ہے، سب لوگ چلے گئے وہ

شخص ٹھہرا رہا تنہائی میں اس سے کہا ذرا دیکھنا میرا وہم ہے یا سچ مچ کچھ میں ہی غلطی پر ہوں، میرا پاجامہ ٹخنے سے نیچے ہو جاتا ہے۔ چونکہ اس پر ایسی ایسی وعید ہے اس لئے دیکھ کر بتلادو تاکہ زیادہ احتیاط کروں اور یہ کہہ کر کھڑے ہو گئے، بھائی اچھی طرح دیکھ لو، اس شخص نے نہایت مجوبانہ لہجہ میں عرض کیا کہ حضرت خدا نہ کرے آپ کا تو کیوں ہوتا۔ البتہ میرا ہی پاجامہ ٹخنے سے نیچے ہے میں توبہ کرتا ہوں۔ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک خان صاحب مولانا کے بڑے دوست تھے مگر لباس ان کا خلاف شریعت تھا اور وہ جمعہ کے روز مولانا ہی کے پاس آ کر غسل کرتے کپڑے بدلتے اور جمعہ پڑھتے اور انداز سے یہ معلوم تھا کہ پکے آدمی ہیں کہنے سے نہ مانیں گے۔ مولانا نے ایک جمعہ کو ان سے فرمایا کہ میاں، آج دو جوڑے لیتے آیئے ہم بھی آج تمہاری وضع کا لباس پہنیں گے۔ وہ صاحب بیحد متاثر ہوئے اور عرض کیا کہ خدا نہ کرے آپ مجھ خبیث کی وضع پر رہیں آپ ہی مجھ کو ایک جوڑا دیجئے میں اس کو پہنوں گا، اور ہمیشہ کے لئے اس لباس سے توبہ کر لی۔ حق تعالیٰ نے نرمی میں خاصہ رکھا ہے جذب کا، پس آپ ان اصول پر کام شروع کریں اگر شریعت کے موافق تحریک نافذ ہو گی میں دل و جان سے شریک ہوں۔

پھر فرمایا کہ تجارت کے متعلق ایک اور بات کام کی یاد آئی، وہ یہ کہ امراء کو یہ رائے دی جائے کہ گراں قیمت کی چیزیں خرید کر غرباء کو سستی دیں تا کہ تجارت میں مسلمان دوسری قوموں کا مقابلہ کرسکیں۔ یہ دوسری قومیں مسلمانوں کو اپنی چالوں اور تدابیر سے تجارت میں چلنے نہیں دیتیں، اور اس کی چندروز ضرورت ہوگی، پھر کام چل نکلنے پر کچھ ضرورت نہ ہوگی، وجہ یہ کہ لوگ بھی اصول تجارت سے واقف ہو جائیں گے۔ اور ان تدابیر سے یہ مقصود نہیں کہ سب مسلمان اہل ثروت ہوں، امیر ہوں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان کی حوائج ضرور یہ چلتی رہیں اور کم از کم ہم دوسری قوموں سے مستغنی ہو جائیں۔ یہ ہیں چند باتیں جو تجربات کی بناء پر میں نے آپ کے سامنے بیان کردیں۔ مجھ کو مسلمانوں کی طرف سے جو زیادہ قلق ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ ان کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے ایک مریض کسی طبیب کے پاس جائے مگر وہ طبیب خود ہی بیمار ہو وہ کیا خاک علاج کرے گا؟ تو حضرت ہمارے طبیب ہی بیمار ہیں کیا علاج کریں گے۔ رہنما ہی غلط راستہ پر ہیں کیا رہبری کریں گے۔ الا ماشاء اللہ۔ (الافاضات الیومیہ۔ جلد۲ص ۸،۱۶۔ مطبوعہ ادارہ فکر اسلامی۔ دیوبند)

حضرت حکیم الامتؒ کا یہ ملفوظ جس کی طرف مسیح الامتؒ نے حافظ جی حضورؒ کو بروقت اور برمحل متوجہ فرمایا موجودہ زمانہ کے دانشوران ملت اور خصوصاً علمائے کرام کے لئے

لمحہ فکریہ پیش کرتا ہے کیونکہ اس سے صحیح اور نتیجہ خیز طریق کار کی رہنمائی ہوتی ہے کہ کامیابی تو اسی وقت ہوتی ہے جب کام اصول صحیحہ کے مطابق کیا جائے ورنہ نرے جوش سے کچھ نہیں ہوتا۔

ان اساطین امت اور اکابر علماء ومشائخ کے علاوہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم ہردوئی خلیفہ حضرت تھانویؒ، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب امیر جماعت تبلیغ، حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ امیر جماعت تبلیغ، حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ وغیرہم اور دیگر معاصر علماء ومشائخ کی تشریف آوری کا بھی سلسلہ رہا کرتا تھا۔

باب ۴

تالیفات وتصانیف

تالیفات وتصانیف

حضرت مسیح الامت نور اللہ مرقدہ کا ذوق ومزاج خالص عالمانہ، مدرسانہ اور محققانہ تھا اسلئے باوجود اس کے کہ تدریس واہتمام مدرسہ کے ساتھ خدمت اصلاح وتزکیہ کی مصروفیت ہمہ وقت رہتی اور اہل ارادت وتعلق کے خطوط ومکتوبات کا —— جو قریب و بعید اور دور دراز حتی کہ یورپ اور امریکہ تک سے مختلف استعداد اور مزاج کے لوگوں کے مختلف طرح کے مضامین پر مشتمل ہوا کرتے تھے —— ایک انبار روزانہ آیا کرتا تھا اور ان تمام خطوط کے جوابات خود اپنے ہاتھ سے پابندی اور التزام کے ساتھ تحریر فرمایا کرتے تھے، حسب ضرورت مختلف موضوعات پر تصانیف کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا، چنانچہ حدیث و فقہ، تصوف وسلوک اور مسائل حاضرہ پر آپکے قلم سے متعدد کتابیں وجود میں آئیں، ان میں سے بعض کتابوں کے ترجمے عربی، انگریزی، ہندی اور گجراتی زبانوں میں بھی ہوئے۔

آپ کے مواعظ، ملفوظات اور مکتوبات کے بھی کچھ حصے شائع ہو چکے ہیں اور بہت سا ذخیرہ غیر مطبوعہ شکل میں مختلف حضرات کے پاس موجود ہے۔ ضرورت ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ اٹھے اور ان ذخیروں کو حاصل کر کے مرتب اور مدون کر دے تو علم ومعرفت، سلوک وطریقت اور نصائح وہدایات کا ایک قیمتی خزانہ منصۂ شہود پر آجائے جو بہت سے بندگان خدا کے لئے ہدایت اور اصلاح کا ذریعہ بنے گا۔

ذیل کی سطور میں حضرت والاؒ کی تالیفات کا مختصر اً تعارف پیش کیا جاتا ہے اس سے ان کی اہمیت، ضرورت اور افادیت کا اندازہ کرنا آسان ہوگا۔ اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ مختلف النوع موضوعات پر یہ تصانیف ضرورت کے مطابق اور ضرورت کے وقت لکھی گئی ہیں۔

شریعت وتصوف: اس کتاب کے دو حصے ہیں اور موضوع نام سے ظاہر ہے، حصہ اول میں یہ ثابت کیا ہے کہ تصوف شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ شریعت ہی کا ایک جز ہے، پھر تصوف کی ضرورت واہمیت اور اس کے مقام ومرتبہ پر روشنی ڈالی ہے۔ بیعت کی ضرورت، شیخ کی ضرورت اور شیخ کامل کی پہچان بتائی ہے، اس کے بعد مجاہدہ کی حقیقت، اس کے اقسام، اخلاق حمیدہ اور اخلاق رذیلہ پر بہت سہل اور آسان زبان وتعبیر میں گفتگو فرمائی ہے، اخلاق حمیدہ کی تعریف اور اس کے حصول کا طریقہ اسی طرح اخلاق رذیلہ کی تعریف اور اس کا علاج بتلایا ہے۔ ایک نقشہ امور تصوف سے متعلق مسمی ''بہ شجرۃ المراد'' ایک صفحہ پر تحریر فرمایا ہے جو بہت بیش قیمت اور مفید ہے، اس نقشہ سے مکمل تصوف بیک وقت سامنے آجاتا ہے اور یہ بھی اسی سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس راہ میں کیا مقصود ہے اور کیا غیر مقصود ہے؟ غرض یہ نقشہ آب زر سے لکھنے اور سینہ میں رکھنے کے قابل ہے۔ اور بالکل آخر میں سالک کیلئے کچھ معمولات اور نصائح ہیں۔ یہ حصہ اول اس لائق ہے کہ خاص وعام سب اس کا مطالعہ کریں اور بار بار کریں۔ حصہ دوم میں لطائف ستہ، ذکر اور اقسام ذکر، اشغال ومراقبات، قبض وبسط، تنزلات ستہ، وحدۃ الوجود، کشف والہام، اولیائے کرام کے اقسام، روح کا بیان، سلاسل طرق وغیرہ مضامین اور اصطلاحات تصوف کی وضاحت اپنے مخصوص سہل انداز تعبیر میں تحریر فرمائی ہے۔ اس کی زبان بہ نسبت حصہ اول کے عالمانہ ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اسکے مضامین ہی غامض ہیں تاہم حضرتؒ نے ان مضامین عالیہ غامضہ کو سہل تر بنا کر قریب الفہم کر دیا ہے۔ اب جس کو ذرہ بھی فن کا ذوق ہو اس کو سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے گی۔ حضرتؒ نے اس کتاب میں تصوف کا عطر کشید کر کے رکھدیا ہے۔ حضرت والاؒ اپنے اہل تعلق اور اصحاب سلسلہ کو اس کے مطالعہ کی نہایت اہتمام کے ساتھ تاکید فرماتے تھے۔

۲ **تعلیمات اسلام:** یہ کتاب پانچ حصوں میں ہے اور سوال وجواب کے پیرایہ میں لکھی گئی ہے۔ زبان آسان، تعبیر سہل اور دلچسپ ہے، مکاتب اور مدارس اسلامیہ کے نصاب میں شامل ہو جائے تو مختصر وقت میں بچوں کو اسلامی تعلیمات سے آسانی کے ساتھ روشناسی حاصل ہو جائے۔ بڑی عمر کے لوگوں اور پڑھے لکھے حضرات کیلئے بھی یہ کتاب مفید اور معلومات افزا ہے۔ اسکے حصۂ اول میں توحید و رسالت، آسمانی کتابوں، معجزات، قیامت، آخرت، جزا و سزا، اور تقدیر وغیرہ عقائد اسلامی کو عقلی دلائل سے دلچسپ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اور حصۂ دوم عبادات یعنی نماز و روزہ، زکوۃ و صدقہ فطر، قربانی، حج، جمعہ وعیدین وغیرہ کے احکام اور مسائل پر مشتمل ہے۔ حصۂ سوم میں معاملات، معاشرت، اخلاقیات، وسیاست وغیرہ سے متعلق احکام اور مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ حصۂ چہارم میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ، خلافت، چہل حدیث اور اعمال مسنونہ کا ذکر ہے۔ اور حصۂ پنجم گناہوں اور بدعات کے بیان نیز اسلامی مہینوں کے احکام وفضائل، مسنون دعاؤں اور اغلاط العوام کی وضاحتوں پر مشتمل ہے۔ الغرض یہ کتاب احکام اسلام اور تعلیمات دین پر نہایت جامع، اختصار کے ساتھ مفصل اور پر مغز کتاب ہے۔ اس کے مطالعہ سے دین اسلام کی مکمل تصویر سامنے آجاتی ہے۔ شائع ہو کر مقبول عام وخاص ہو چکی ہے۔

۳ **رسالہ تقلید و اجتہاد:** یہ ایک متوسط حجم کا رسالہ ہے، اس میں خود بقول حضرت مصنف نور اللہ مرقدہ:۔

”تقلید کا ثبوت اور اس کے دلائل، اجتہاد و قیاس کا بیان، جدت پسند طبقے کے خیالات فاسدہ اور اشکالات واہیہ کے جوابات، ان کے اجتہادات و اعتقادات کے نمونے،

مستشرقین اور ان کے متبعین کے نظریات کی یکسانیت کو مختصر

طور پر ذکر کیا گیا ہے''۔

حق یہ ہے کہ یہ کتاب ہر طرح ''بقیمت بہتر و بقامت کہتر'' کی صحیح مصداق اور بہترین مثال ہے۔ کوئی ذرہ بھی منصف مزاج ہو اور غیر جانبداری کے ساتھ اس رسالہ کا مطالعہ کرے تو انشاء اللہ یہ اس کے لئے دوائے شافی ثابت ہوگا۔ علماء اور طلبہ کے لئے بھی اس کا مطالعہ بیحد مفید ہے اور بہت سی ذہنی گرہوں اور الجھنوں کی کشائش کا سامان اس میں موجود ہے۔

۴ **فقہ قدیم کی تدوین جدید کے مفاسد:** مسلم پرسنل لاء بورڈ کی زیر نگرانی امارت شرعیہ نے فقہ کی جدید تدوین کا کام شروع کیا جس میں انھوں نے بعض اہم مسائل میں عدول عن المسلک اختیار کیا اور اس کی بنیاد سہولت پسندی پر رکھی۔ اسکا ابتدائی حصہ مختلف اہل علم اور اصحاب افتاء کی خدمت میں بھیج کر ان سے ان کی رائے معلوم کی گئی، یہی ابتدائی حصہ حضرت مسیح الامتؒ کی خدمت میں بھی بھیجا گیا، آپ نے اپنی خاص نگرانی میں اس پر تحقیق و تنقید کا کام اپنے تین معتمد تلامذہ مفتی نصیر احمد صاحب مفتی مفتاح العلوم جلال آباد، مولانا عقیل الرحمٰن صاحب استاد مفتاح العلوم جلال آباد اور مفتی رشید احمد مفتی دارالعلوم عبدیہ ہتین میوات و مرتب حیات مسیح الامتؒ کے سپرد فرمایا، ان حضرات نے بڑی محنت اور جانفشانی سے حضرت کے زیر نگرانی و سرپرستی مسائل کی تحقیق کی اور اس پر تبصرہ تحریر فرمایا، خصوصاً عدول عن المسلک پر مفصل اور مدلل تحریر فرمایا کہ اس کی گنجائش صرف اسی وقت ہے جب کہ '' ضرورت شدیدہ واقعہ دائمہ'' پیش آجائے۔ اسی طرح مہر، نفقہ، کفائت، رضاعت اور حرمت مصاہرت وغیرہ مسائل میں جہاں جہاں تدوین جدید میں ترمیم کی گئی تھی اس کی خامیوں کی نشاندہی فرمائی اور اس پر مرتب ہونے والے مفاسد اور

خطرات سے آگاہ فرمایا۔ اس کے بعد تبصرہ کے مسودہ کو دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے مفتیان کرام کے سامنے پیش کیا گیا، ان حضرات نے بھی جب اس کی تصدیق وتوثیق اور تائید کردی تب اس کو امارت شرعیہ بہار بھیجا گیا۔ لیکن حضرت مولانا جلال آبادیؒ کی اس کاوش اور جدوجہد کی رسید ہی وہاں سے موصول نہ ہوئی بلکہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے تیرہویں اجلاس بمبئی منعقدہ اکتوبر ۱۹۹۹ء میں جو حضرت کے اس جواب کے ارسال فرمانے کے بعد منعقد ہوا ''تدوین فقہ اسلامی'' کی طباعت واشاعت کا فیصلہ بھی کر دیا گیا۔ حضرت مسیح الامتؒ کی حیات میں تو جواب کی ایک نقل مدرسہ مفتاح العلوم کے دفتر میں محفوظ کردی گئی تھی اور اس کی اشاعت ذہن میں نہ تھی لیکن جب مسلم پرسنل لاء بورڈ کی طرف سے اس ''تدوین جدید'' کی اشاعت کا فیصلہ کردیا گیا اور اس تبصرہ کا کوئی نوٹس نہیں لیا گیا تو دیانۃً ضروری معلوم ہوا کہ اس کی اشاعت کردی جائے، چنانچہ مفتی عبدالقدوس رومی مفتی شہر آگرہ کی —— جو مسلم پرسنل لاء بورڈ کے رکن بھی تھے اور انہی وجوہات کے بناء پر وہ اس کی رکنیت سے مستعفی ہوگئے —— کوشش اور مقدمہ کے ساتھ یہ رسالہ ''فقہ قدیم کی تدوین جدید کے مفاسد'' کے نام سے ''مجلس صیانۃ المسلمین'' محلہ مفتی سہارنپور نے شائع کردیا۔

۵ **اہتمام وشوریٰ:** کچھ عرصہ سے مدارس اسلامیہ کے حلقہ میں یہ امر زیر بحث ہے کہ مجلس شوریٰ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اس کے فیصلے کثرت رائے کی بناء پر نافذ العمل اور امیر یا ناظم کے لئے واجب التعمیل ہیں یا امیر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کثرت رائے کی بناء پر نہیں بلکہ دلائل کی قوت اور مصالح کی افادیت کی بناء پر اپنی صوابدید سے ایک جانب کو ترجیح دے سکتا ہے گو وہ اقلیت ہی کی رائے ہو۔ حضرتؒ نے اس رسالہ میں واضح فرمایا ہے کہ شوریٰ کے بعد امیر کی صوابدید کے مطابق یہ فیصلہ نافذ العمل ہوتا ہے۔

نیز امور مشورہ طلب کی تفصیل، اطاعت امیر کا حکم، اس کی حکمتیں اور امیر نیز اہل شوریٰ کے اوصاف بھی بیان فرمائے ہیں۔

۶ **شوریٰ ہیئت حاکمہ نہیں ہے:** اس رسالہ کا پورا نام 'شوریٰ ہیئت حاکمہ نہیں ہے: علمائے دیوبند کی واضح تحریرات'' ہے۔ رسالہ ''اہتمام شوریٰ'' کی اشاعت کے بعد یہ رسالہ تالیف کیا گیا جس میں اکابر علمائے دیوبند کی تحریروں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اکابر علمائے دیوبند مروجہ جمہوری نظام کے نہ قائل تھے اور نہ اس پر عامل تھے بلکہ ان کے نزدیک شرعی اصول کے مطابق مشورہ کے بعد فیصلہ امیر کی صوابدید پر ہوتا تھا اور اسی پر ان حضرات کا ہمیشہ عمل رہا ہے۔ یہ امر ان تحریروں سے روز روشن کی طرح واضح ہے جو اس رسالہ میں جمع کردی گئی ہیں۔

۷ **امیر اور مجلس شوریٰ کی شرعی حیثیت:** رسالہ ''اہتمام وشوریٰ'' کی اشاعت کے بعد کچھ حضرات نے اس پر اشکالات کئے اور بعض لوگوں نے اس کا جواب لکھا اور اپنے گمان کے مطابق یہی خیال کیا کہ ہم نے اپنا دعوی مدلل اور مبرہن کردیا۔ لیکن راقم الحروف نے اس جواب کو دیکھا تو سینکڑوں صفحات پر پھیلی ہوئی اس کتاب میں سوا خلط مبحث کے کچھ نظر نہ آیا، کہیں حوالوں کی بھرمار اور انشاء پردازی کے کمال سے اثبات مدعا ہوا کرتا ہے؟ اثبات مدعا کے لئے تو دلیل کا دعوی پر انطباق ضروری ہے۔ حضرتؒ نے انہیں اشکالات کے مفصل جوابات تحریر کرائے ہیں، یہ کتاب تقریباً چھ سو صفحات پر مشتمل ہے اور غیر مطبوعہ ہے۔ اس کا مسودہ مفتی رشید احمد صاحب میواتی مرتب ''حیات مسیح الامتؒ'' کے پاس موجود ہے۔ خدا کرے زیور طبع سے آراستہ ہو جائے تاکہ مسئلہ مبحوث عنہا کے متعلق مزید تنقیحات اہل علم کے سامنے آجائیں اور موجب بصیرت ثابت ہوں۔

۸ **رسالہ اسٹرائک:** بعض مواقع ایسے بھی آئے کہ صحبت ناجنس اور اغوائے نفس

وشیطان کے سبب طلبہ کی ایک جماعت نے بعض مدارس اسلامیہ میں اسٹرائک کردی اور اپنے مطالبات منوانے پر زور آزمائی کرنے لگے۔ ظاہر ہے کہ طلبہ کے اندر اور خصوصاً علم دین کے طالبین کے اندر یہ جذبہ پیدا ہونا اور پھر اس پر عمل پیرا بھی ہو جانا کتنی خطرناک بات ہے جو بعینہ اس کا مصداق ہے کہ ع

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

حضرت مسیح الامتؒ اس صورت حال سے بہت فکر مند ہوئے اور سبب مرض کی تشخیص فرما کر اس کا مداوا تقریراً و تحریراً بیان فرمایا۔ اسی موقع پر یہ رسالہ "اسٹرائک" بھی تحریر فرمایا گیا جس میں علم دین کے فضائل، علم کی تعریف، تحصیل علم کے شرائط و آداب، موانع علم، اساتذہ اور اہل انتظام کے حقوق و آداب اور طلبہ علم دین کے مقام و مرتبہ کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا۔ پھر اسٹرائک کی حقیقت اور اسکے مفاسد، نقصانات اور خطرات سے آگاہ فرمایا۔ یہ سب کچھ انتہائی مشفقانہ، مربیانہ اور دلسوزی و ہمدردی کے انداز اور لب ولہجہ میں ہے، اسلئے اس کے مطالعہ سے علم و آگہی حاصل ہونے کے ساتھ دل پر اثر بھی ہوتا ہے۔ ضرورت ہے کہ یہ اور اس طرح کے مضامین مدارس میں نہ صرف طلبہ کو بلکہ گاہے ماہے اساتذہ کے مجمع میں بھی سنانے کا اہتمام کیا جائے تا کہ مدارس دینیہ کے قیام اور اساتذہ کرام و طلبہ عزیز کے ان مدارس میں تعلیم و تعلم میں مشغولی کا اصل مقصد ان کے سامنے تازہ ہوتا رہے اور اس طرح قلب و نظر کی اصلاح اور تزکیہ نفوس کی طرف توجہ مبذول ہوتی رہے۔ درحقیقت ہمارے اکابر و اسلاف کا طریق کار یہی تھا کہ وہ کتاب کی تدریس کے ساتھ اصلاح و تربیت پر بھی پوری نظر رکھا کرتے تھے ورنہ صرف کتابی تعلیم سے مدارس دینیہ کے قیام کا مقصد نہیں حاصل ہوسکتا۔

۹ ملفوظات اسٹرائک: اسٹرائک ہی کے موضوع پر حضرتؒ کی دو مجلسیں جن

میں اسٹرائک کی قباحت اور اس کے گناہ و معصیت ہونے کو مدلل طریق پر مشفقانہ انداز میں بیان فرمایا ہے۔ اس کے مطالعہ سے طلبہ کے اندر اشتعال کے بجائے غور و فکر کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔

۱۰ **الحج:** اس رسالہ میں حج کے فضائل، اس کے احکام و مسائل، حج کا طریقہ، مقامات متبرکہ مقدسہ کا تعارف اور حرمین شریفین کے فضائل کو مختصر، جامع اور محققانہ انداز میں تحریر فرمایا ہے۔ حضرتؒ نے تمہید میں خود لکھا ہے کہ اس میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ نہ زیادہ تفصیل ہو کہ جس کا محفوظ رکھنا مشکل ہو اور نہ اس قدر ایجاز و اختصار ہو کہ کثیر الوقوع جزئیات بھی ذکر نہ ہوں۔ رسالہ حجاج کرام کے لئے خاص طور سے بہت مفید اور قابل مطالعہ ہے۔

۱۱ **رسالہ فضیلت علم:** اس میں علم اور علماء کی فضیلت کو کتاب و سنت کی روشنی میں بیان فرمایا ہے اور علم کی غرض و غایت او مقصد کی توضیح فرمائی ہے، پھر عالم بے عمل کے لئے قرآن و حدیث میں جو وعیدیں آئی ہیں ان کو تحریر فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ مقتدائے دین کے اندر کن اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔ یہ سب کچھ اپنے مخصوص انداز تفہیم اور مشفقانہ و مربیانہ طرز میں تحریر فرمایا ہے جس میں دلسوزی بھی ہے اور دردمندی بھی، عالمانہ تحقیقی شان بھی ہے اور اسلوب و لہجہ میں متانت و وقار بھی۔

۱۲ **وعظ فضیلت علم:** یہ آپ کا ایک وعظ ہے جس میں حدیث شریف ''من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ حتی یرجع'' کی توضیح و تشریح فرمائی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ فضیلت کے اعتبار سے طالب علم بھی مجاہد فی سبیل اللہ کے حکم میں ہے۔ اس کے علاوہ علم دین کی فضیلت اور اس کی ضرورت و اہمیت کو جامع اور مؤثر انداز میں بیان فرمایا ہے۔

۱۳ **رفع الاشتباہ عن تعلیم النساء :** اس میں زنانہ اسکولوں کا حکم، عورتوں کی تعلیم کے بارے میں مختلف حضرات کے خیالات اور ان کے جوابات کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ عورتوں کی تعلیم کا طریقہ کیا ہونا چاہئے؟ یہ رسالہ ”فضیلت علم“ کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

۱۴ **اصول تبلیغ :** یہ درحقیقت حضرتؒ کے دو مواعظ کا مجموعہ ہے (۱) التبلیغ الحقیقی (۲) احکام التبلیغ پہلا وعظ آیت قرآنی ”ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة“ پر ہے۔ اس میں تبلیغ ودعوت کی اہمیت وضرورت اور اسکی فضیلت بیان فرمائی ہے، پھر تبلیغ کے اقسام اور ہر قسم کے حدود وشرائط کو دلائل کے ساتھ اور نہایت تحقیق سے بیان فرمایا ہے۔ اور دوسرا وعظ آیت کریمہ ”کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله“ پر ہے۔ اس میں خیر امت کے خطاب کی وجہ، تبلیغ ودعوت کے آداب وشرائط، امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر قدرت کی تفصیل وتوضیح اور امر بالمعروف کے فضائل اور اسکے ترک پر وعید کو وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ نیز مجلس دعوۃ الحق کے قواعد وضوابط، تبلیغ عام کے شرائط وآداب نیز تبلیغ کے متعلق دیگر ضروری مضامین کو بہت ہی تحقیق کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

۱۵ **پیغمبر ﷺ کا پیغام برائے مدارس اسلام:** اس رسالہ میں تفقہ فی الدین، رفق وشفقت اساتذۂ عظام بتلامذۂ کرام، مبلغین کیلئے علماء سے رجوع کرتے رہنے کی ضرورت، مبلغین کیلئے پانچ شرائط اور دین کے شعبے وغیرہ مضامین بیان فرمائے گئے ہیں، مدارس کے منتظمین، اساتذہ اور طلبہ ومبلغین کے لئے اس رسالہ کا مطالعہ بصیرت افروز اور چشم کشا ثابت ہوگا۔ اس میں حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ مبلغ کو تبلیغ کا کام انجام دینے کے لئے پانچ شرائط کا جامع ہونا ضروری ہے، جو یہ ہیں:۔

(۱) اخلاص (۲) علم صحیح شرعی (۳) حلم یعنی تحمل اور برد باری (۴) رفق یعنی نرمی سے پیش آنا (۵) احکام شریعت پر خود عمل پیرا ہونا۔

۱۶ **ذکر الٰہی:** یہ حضرتؒ کا وعظ ہے جو آیت کریمہ ''ولاتکونوا کالذین نسوا اللہ فانساھم انفسھم اولئک ھم الفاسقون'' کی توضیح وتشریح پر مشتمل ہے۔ ذکر کی فضیلت وضرورت اور فوائد نیز اہل ذکر کے واقعات اور حکایات کو مؤثر پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔ اور ذکر سے غفلت اور معصیت ونافرمانی کے نقصانات نہایت دلسوزی کے ساتھ بیان فرمائے ہیں، ضمناً بہت سے علمی فوائد اور نکات بھی آگئے ہیں۔

۱۷ **ذکر النبیؐ:** یہ عجیب وغریب مضامین پر مشتمل وعظ ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل وکمال، حسن وجمال اور عطاء ونوال کے اوصاف مبارکہ کو بہت ہی محبت آمیز، دلچسپ اور علمی انداز میں بیان فرمایا ہے اور امت کے اوپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق ــــ محبت وعظمت اور طاعت ــــ کو ثابت فرمایا ہے۔

۱۸ **اسلام اور امن عام:** حدیث شریف ''اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَ یَدِہٖ'' پر ایک مفصل اور مبسوط وعظ ہے، ثابت فرمایا ہے کہ اسلامی تعلیمات ہی امن عام اور امن عالم کی ضامن ہیں۔ الفاظ حدیث کے پیش نظر مسلمان کی تعریف، اسلام کی حقیقت اور زبان وہاتھ سے مختلف قسم کی ایذاء رسانیوں کی تفصیل بیان فرما کر حقوق العباد کی ادائیگی کے اہتمام کی طرف متوجہ فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ دنیا میں قیام امن کے رہنما اصول کیا ہیں؟

۱۹ **التوحید الحقیقی:** یہ بھی وعظ ہے جو حدیث پاک ''بنی الاسلام علی خمس الحدیث'' کے مضامین کی تشریح وتفصیل پر مشتمل ہے۔ اسلام کے بنیادی ارکان، اسلام اور ایمان کی حقیقت، عقائد کی اہمیت، کلمہ طیبہ کی برکات، خواص اور فضائل کو

عبرت آموز واقعات کی شہادتوں کے ساتھ مؤثر اور دلچسپ انداز میں واضح فرمایا ہے۔ توحید کے موضوع پر یہ وعظ بیحد مؤثر اور ایمان کو تازگی بخشنے والا ہے، دل اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے لگتا ہے اور ایک طرح کی کیفیت اور سرشاری سے بہرہ اندوز ہو جاتا ہے۔

۲۰ **خطاب مسیح الامتؒ:** اس کا پورا نام یہ ہے "خطاب مسیح الامتؒ بموقع اجتماع سالانہ ہشتم مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان، جامعہ اشرفیہ لاہور" حضرتؒ مجلس صیانۃ المسلمین کی دعوت پر ۱۶/۱۷ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو سالانہ اجتماع میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ اہل مجلس کی درخواست پر اجتماع کے تینوں دنوں میں عصر کے بعد اہل مجلس کو خطاب فرمایا تھا اور ایک مجلس اس اجتماع سے پہلے کسی اور موقع پر ہوئی تھی اس طرح یہ آپ کے چار خطابات کا مجموعہ ہے۔ ان خطابات میں عجیب و غریب الہامی مضامین بیان ہوئے ہیں جو اہل علم، طالبین اصلاح اور سالکین راہ طریقت کے لئے اکسیر ہیں۔

۲۱ **حیوۃ السالک:** یہ آپ کے اصلاحی مکاتیب کا مجموعہ ہے اس کو مولانا محفوظ علی صاحب نے جمع کیا اور ترتیب دی، سالکین کیلئے رشد و ہدایت کا سامان ہے۔

۲۲ **ضیاء السالک:** یہ بھی حضرت مسیح الامتؒ کے اصلاحی مکتوبات کا مجموعہ ہے اس کی دو جلدیں ہیں، ان میں کئی اہم شخصیات کے مکتوبات کے جوابات حضرت مسیح الامت کے قلم مسیحا رقم سے عنایت فرمائے گئے ہیں۔ مفتی عبد الستار استاد مفتاح العلوم جلال آباد نے اس کے جمع و ترتیب کا فریضہ انجام دیا ہے۔

۲۳ **مواعظ قسط اوّل:** اس میں تین وعظ ہیں (۱) خوف الٰہی (۲) تعلق الٰہی (۳) خشیت الٰہی۔ پہلا وعظ آیت کریمہ "واما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوى فان الجنة هي الماوى" کی روشنی میں ہے، اس میں اللہ تعالیٰ سے خوف کی ضرورت و اہمیت اور اس کے حاصل کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے اور یہ واضح

فرمایا گیا ہے کہ خوف الٰہی ہی خواہشات نفس کے لئے رکاوٹ ہے، پھر اتباع خواہشات کے نقصانات اور طاعت وفرماں برداری احکام کے فوائد ومنافع نیز اس پر جنت کی بشارت اور طالب جنت کی قسمیں وغیرہ دلنشیں اور عارفانہ پیرایہ بیان میں ارشاد فرمایا ہے۔

اور دوسرا وعظ آیت کریمہ" بلیٰ من اسلم وجهه لله وهو محسن فله اجره عند ربه ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون" کی تشریح وتفصیل پر مشتمل ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق کا کیا مطلب ہے اور اس کی کیا اہمیت ہے، خشوع قلب کسے کہتے ہیں؟ دین کی ضرورت اور اس کے لئے مدارس قائم کرنے کی فرضیت نیز معاشرہ کی خرابیوں کی جڑ اور دنیا کی حقیقت کو واضح فرمایا ہے اور بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت سب سے اہم اور ضروری چیز ہے۔

تیسرا وعظ سورۂ توبہ کی آیت "فالله احق ان تخشوه" کے معانی وحقائق کی تفصیلات کے بیان پر مشتمل ہے اس میں خشیت کے درجات کی تفصیل بیان فرمائی ہے اور اس کی ضرورت وتحصیل کا احساس بڑی دلسوزی اور دردمندی کے ساتھ دلایا ہے، بزرگوں اور علماء کے واقعات وحکایات سے مقاصد ومضامین کی توضیح فرماتے ہوئے قیمتی نصائح وہدایات فرمائی ہیں۔

۲۴ **مواعظ قسط دوم:** اس میں بھی تین وعظ ہیں۔ (۱) حفظ الخسران لاهل الايقان (۲) الأثار فی توحيد الاخيار (کلمۂ طیبہ کے تقاضے) (۳) اخلاص۔

پہلا وعظ سورۂ عصر کے حقائق ومعارف کی توضیح وتشریح پر مشتمل ہے، انسانی زندگی کی قدر وقیمت، ایمان اور عمل صالح کی اہمیت اور تواصی بالحق وتواصی بالصبر کی تفصیلات کو اپنے خاص علمی اسلوب میں سہل اور آسان انداز میں واضح فرمایا ہے۔

دوسرا وعظ حدیث شریف "من قال لا اله الا الله فدخل الجنة" کے

موضوع پر ہے۔ بہ طور تمہید توکل اور تواضع کے مضامین بیان فرمائے ہیں، اس کے بعد حدیث شریف کی دلنشیں اور محققانہ تشریح فرمائی ہے۔

تیسرا وعظ سورۂ بینہ کی آیت "وما امروا الا لیعبدو االلہ مخلصین لہ الدین" کی روشنی میں ہے، اس میں اخلاص کی حقیقت اور اس کے حاصل کرنے اور اس سے آراستہ ہونے کے طریقہ کو مفصل بیان فرمایا ہے۔

۴۵ **ملفوظات (حصہ اول و دوم)**: یہ حضرت مسیح الامتؒ کے وہ افادات و ارشادات ہیں جو آپ موقع بہ موقع واردین وصادرین اور حاضرین سے بہ طور نصح وہدایت فرماتے رہتے تھے، آپ کی خدمت میں جو بھی حاضر ہوتا آپ اس کو کچھ نہ کچھ ضرور قیمتی نصائح اور ہدایات سے نوازتے اور حسب موقع اصلاح حال کی طرف متوجہ فرماتے۔

۴۶ **مواعظ مسیح الامتؒ**: جامع مسجد جلال آباد میں آپ کے مواعظ جمعہ کے روز ہوا کرتے تھے یہ انہیں مواعظ کا مجموعہ ہے مسودہ بہ شکل مبیضہ غیر مطبوعہ موجود ہے۔

۴۷ **فضل الباری فی درس البخاری**: یہ حضرتؒ کے درس بخاری شریف کی تقریر ہے، جسکو حضرت کے شاگرد اور مدرسہ مفتاح العلوم کے استاد مفتی نصیر احمد صاحب نے ضبط کیا تھا، اور حضرت مسیح الامت قدس سرہ کو دوبارہ سنا کر اس کو مرتب کیا، اس کا ایک حصہ افتتاح بخاری اور دوسرا حصہ ختم بخاری کا مستقل حیثیت رکھتے ہیں اور شائع ہو چکے ہیں اس کے علاوہ دو اجزاء اور شائع ہو کر اہل علم اور اصحاب ذوق سے خراج عقیدت حاصل کر چکے ہیں۔ حضرتؒ کے درس کا رنگ عجیب ہوتا تھا علمی اور تحقیقی لحاظ سے بھی اور اصلاحی ترتیبی وافادی اعتبار سے بھی، آپ کی عادت شریفہ تھی کہ حدیث پاک میں جتنے مباحث ہو سکتے تھے پہلے ان کو شمار فرما دیتے اس کے بعد ہر ہر مبحث پر مفصل گفتگو فرماتے اور

درمیان میں اصلاح اور تزکیہ نفس کی طرف بھی متوجہ فرماتے رہتے کہ قرآن وحدیث کی تعلیم کا اصل مقصد وغرض تو یہی ہے اس طرح آپ کا درس علمی تحقیقات، محدثانہ وفقیہانہ تدقیقات کے ساتھ مربیانہ، مصلحانہ اور مرشدانہ تنبیہات وہدایات کا جامع ہوتا۔

۲۸ **جہاد اور اصلاح نفس:** یہ دراصل ایک ملفوظ ہے جس میں جہاد اور اصلاح نفس کے لئے شیخ کی ضرورت، شیخ کے ساتھ محبت وعقیدت کی برکت اور صدق نیت وغیرہ کی اہمیت کو بیان فرمایا ہے۔

۲۹ **ایوان طریقت:** اس میں بیعت کی ضرورت، سلوک کی حقیقت، شیخ کامل کی پہچان، اخلاق حمیدہ ورذیلہ کا بیان اور سالکین راہ طریقت کے لئے نصائح وہدایات اور اسی طرح کے اہم اور ضروری مضامین کو تحقیق کے ساتھ مختصر اور سہل انداز میں مرتب فرمایا ہے۔

۳۰ **مکتوبات ثلاثہ:** یہ تین مفصل مکتوبات کا مجموعہ ہے جن کو حضرت نے بعض ان اہل علم کو تحریر فرمایا تھا جن کا حضرتؒ کے ساتھ اصلاحی تعلق تھا۔ پہلے مکتوب میں نفس کے اقسام —— امارہ، لوامہ، اور مطمئنہ —— کی صفات اور آثار کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ اور دوسرے مکتوب میں بیعت کی حقیقت اور تحقق نسبت کے شرائط کی وضاحت فرمائی ہے۔ تیسرا مکتوب تبلیغی جماعت میں جانے کی شرائط کی تفصیل وتوضیح پر مشتمل ہے۔

۳۱ **مجالس مسیح الامت:** حضرتؒ کی مجلس ہر جمعہ کو اور رمضان المبارک میں روزانہ کئی کئی گھنٹے مسلسل ہوا کرتی تھی جس میں علوم ومعارف اور حقائق ودقائق کا بحر بیکراں موجیں مارتا تھا اور صاف معلوم ہوتا تھا کہ ان افاضات وافادات کا منبع اور سرچشمہ کہیں اور ہے۔ یہ انہی مجالس کی ترتیب وتدوین ہے اس کی سترہ قسطیں شائع ہوکر مقبول ہو چکی ہیں، ہر قسط میں متعدد مجالس ہیں۔

۳۲ **رسالہ الجمعہ:** (گاؤں میں جمعہ کا حکم) اس رسالہ میں کتب فقہاء سے ''مصر جامع'' کی تحقیق کر کے ثابت کیا ہے کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے۔ اور اس زمانہ میں جو بلا تحقیق مداہنت اختیار کر لیا گیا ہے اس پر متنبہ فرمایا ہے۔

۳۳ **اکابر کا فتویٰ دربارۂ جمعہ:** گاؤں میں جمعہ کے سلسلہ میں اکابر علمائے دیوبند کا کیا نقطۂ نظر تھا؟ اکابر ہی کی تحریروں سے ثابت کیا گیا ہے۔

۳۴ **مکتوب گرامی بہ جواب وائس چانسلر علیگڑھ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ:** یہ **سید حامد صاحب** وائس چانسلر علیگڑھ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے اس **مکتوب کا** مفصل و محقق **جواب ہے** جو انھوں نے مدارس دینیہ اسلامیہ میں سائنس کی تعلیم کے سلسلہ میں حضرت کو **لکھا تھا،** یہ جواب ایک مقالہ کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ یہاں **اس مکتوب** کو حرف بحرف درج کر دیں۔ اس سے ایسے بہت سے اذہان کی اصلاح کی توقع ہے جو موجودہ زمانہ میں وقتاً فوقتاً اس طرح کی آوازوں کے اٹھتے رہنے سے مرعوب و متاثر ہو جاتے ہیں، حضرت والا کے اس جواب سے اصل مسئلہ کی حقیقت منقح ہو جاتی ہے اور اس سلسلہ میں جو خلط مبحث ہو رہا ہے اس کی اچھی وضاحت ہو جاتی ہے۔ آپ پہلے سید حامد صاحب کا خط پڑھیں پھر اس کے بعد حضرتؒ کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

سید حامد صاحب وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کا مکتوب:۔

''محترمی و مکرمی جناب مولانا محمد مسیح اللہ صاحب زید مجدکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہندوستانی مسلمان علوم جدید خصوصاً سائنسی علوم میں بہ مقابلہ دوسری قوموں کے کافی پیچھے ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس سفر میں یہ گرد کارواں بھی

نہیں تو مبالغہ نہ ہوگا۔

کتنی حیرت کی بات ہے کہ وہ ملت جس نے لگ بھگ ساڑھے تین سو سال تک دنیائے علم ودانش کی امامت کی ہواور جس نے جابر بن حیان، خوارزمی، رازی، ابوالوفاء، بوعلی سینا اور ابوالہیثم جیسے اپنے دور کے علوم جدیدہ کے ماہرین پیدا کئے آج یہ قوم مقتدیوں کی صف میں بھی نہیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ مسلمان یہ کیوں بھول بیٹھے کہ خدا کی کتاب کا علم علم دین ہے تو خدا کی کائنات کا علم سائنس ہے؟ تاریخی اتار چڑھاؤ کا یہ ایک ایسا معمہ ہے جس کا حل پالینا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، حالات کا تقاضا ہے کہ معمہ میں الجھ کر وقت نہ برباد کیا جائے بلکہ ایسے اقدامات کئے جائیں جن سے سائنسی علوم کی بابت ہندوستانی مسلمانوں کا جمود جلد از جلد ٹوٹ جائے۔

یہ بات اب کھل کر سامنے آچکی ہے کہ نت نئے سائنسی انکشافات کے بطن سے پیدا ہونے والے معاشی، تعلیمی، سماجی انقلاب کے اس دور میں صرف وہی گروہ عالمی برادری میں ایک باعزت مقام کا خواب دیکھ سکتا ہے جو سائنسی علوم سے آراستہ ہواور جسے تکنالوجی پر عبور حاصل ہو، اس کے علاوہ " الحکمۃ ضالۃ المؤمن "(حکمت مومن کا متاع گمشدہ ہے) کے انقلاب آفریں قول کی روشنی میں دنیائے علم ودانش میں منصب امامت کی بازیابی ہم پر واجبات میں

سے ہے۔ یہ جان کر یقیناً آپ کو خوشی ہوگی کہ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی میں گذشتہ سال مرکز فروغ سائنس (سینٹر فار پرموشن آف سائنس) کا قیام عمل میں آیا ہے۔ جس کا بنیادی مقصد ہندوستانی مسلمانوں میں سائنسی تعلیم کا فروغ ہے۔ یہ مرکز مسلمانوں کو سائنسی علوم کی اہمیت کا احساس دلانے کے ساتھ ساتھ سائنسی مضامین میں کچھ تربیتی پروگرام کا انتظام بھی کرے گا۔ گو یہ ایک نوعیت کے اعتبار سے ایک مشکل کام ہے پھر بھی ہمیں یقین ہے کہ اگر آپ کا بھرپور تعاون ہمیں حاصل رہا تو انشاء اللہ اس کام کو بخوبی انجام دیا جا سکے گا۔ اس خط کے ساتھ ہم آپ کی خدمت میں ایک سوالنامہ بھیج رہے ہیں جس کے ذریعہ ہم آپ کی درسگاہ کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں اور یہ بھی جاننا چاہتے ہیں کہ سائنس کی تعلیم کے بارے میں آپ کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ ہمیں یقین ہے کہ آپ اس سوالنامہ کو اپنی اولین فرصت میں پُر کر کے منسلکہ لفافہ میں واپس بھیج دیں گے، ہم یہ بھی امید رکھتے ہیں کہ آپ ہمارے اس پروگرام کے بارے میں اپنے قیمتی مشورہ سے ہمیں نوازیں گے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

نیاز کیش

سید حامد ۷؍۱۹۸۷ء مطابق ۷؍۱۴۰۷ھ "

جواب از مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ صاحب جلال آبادی نور اللہ مرقدہ

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی

آنجناب کی جانب سے فروغ سائنس سے متعلق سوالنامہ موصول ہوا، جواباً عرض ہے کہ جس طرح معاشیات، اقتصادیات وعمرانیات وتمدنیات وغیرہ بہت سے علوم وفنون انسانیت کے خادم ہیں اور آج کے اس دور میں کاروان حیات انسانی ان کے بغیر نہیں چل سکتا اسی طرح فن سائنس بھی ہے۔ خادم انسانیت ہونے کی حیثیت سے اس فن کو بھی حاصل کیا جائے اور اس سے انسانیت کی فلاح و بہبود، راحت وآسائش کا کام لیا جائے، شرعاً بالکل اجازت ہے۔ ہاں البتہ اگر سائنس کے ذریعہ انسانیت کی ہلاکت کے سامان پیدا کئے جائیں یا سائنسی ترقی کے بل بوتے پر ہر طاقتور دوسرے کمزور پر ظلم کرے اور اس کے حقوق کو پامال کرے تو شریعت سائنس کے ہر غلط استعمال کو ہرگز جائز نہ رکھے گی اسلئے سائنسی ترقیات کی جانب توجہ مبذول کرنے سے پہلے ایسے افراد کا تیار کرنا ضروری ہے جو ایمان وعمل صالح کی دولت لازوال سے مالا مال ہوں اور خوف خداوندی ان پر ہر آن اور ہر لحظہ طاری ہوتا کہ وہ خدا ترس ہو کر رحمۃ للعالمین ﷺ کا نمونہ بن کر عالم انسانیت کے لئے بجائے نقصان رساں ہونے کے راحت رساں

ہوں جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ سالہ مکی زندگی میں حضرات صحابہ کرام کو بنایا تھا۔ اور ایسے افراد کی تیاری کا مرکز یہ دینی درسگاہیں ہیں جن کو مدارس عربیہ کہا جاتا ہے ان دینی درسگاہوں میں داخل ہو کر جب باخلاص نیت طلب صادق کے ساتھ علوم دینیہ کو حاصل کیا جاتا ہے تو ضرور اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے "انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء" (پارہ ۲۲ رکوع ۱۵) یا تربیت گاہ باطنی جس کو خانقاہ کہا جاتا ہے اس میں اخلاص اور طلب کے ساتھ قیام ہو جس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے "یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللّٰہ وکونوا مع الصادقین" پارہ ۱۱ رکوع ۴۔ (اے ایمان والو اللہ تعالی سے ڈرو، اور سچوں کے ساتھ رہو۔ بیان القرآن)

الحاصل جب اہل سائنس ان مذکوہ اوصاف سے متصف ہوں گے تو وہ عالم انسانیت کے لئے سراسر راحت رساں ہوں گے نہ کہ ضرر رساں جیسا کہ آج کے دور میں مشاہدہ ہو رہا ہے۔

(۲)

پس تقسیم کار کے مسلم اصول کے مطابق مدارس دینیہ کا موضوع افراد سازی ہے نہ کہ صرف سامان سازی۔ یہ علمی ادارے دین اسلام کے ان علوم کی بقاء وتحفظ کی خدمت انجام دے رہی ہیں جس دین کے لئے "ان الدین عند اللّٰہ الاسلام" (پارہ ۳ رکوع ۱۰) کا اعلان خداوندی ہے۔ نیز ارشاد

فرمایا گیا ہے'' الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا ''(پ۶ رکوع ۵) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے'' نحن قوم اعزنا الله با لاسلام ''۔پس ان مدارس دینیہ کیلئے ضروری ہے کہ یہ اپنے موضوع سے نہ ہٹیں اور دین کی جو خدمت انجام دے رہے ہیں یکسوئی کے ساتھ اس میں مشغول ومنہمک رہیں کیو نکہ بیک وقت عادۃً یہ ناممکن ہے کہ ایک طالب علم دین کا بھی پوری طرح علم حاصل کرے اور سائنس میں بھی کمال حاصل کرے۔پس دونوں قسم کے علوم وفنون کو جمع کرنا'' طلب الکل فوت الکل '' کا مصداق ہو جائے گا۔

(۳)

البتہ جو مسلم طلبہ عصری علوم کی درس گاہوں میں تعلیم پاتے ہیں ان کو مخصوص طور پر سائنسی علوم میں مہارت حاصل کرائی جائے اور وہ بھی آج کے دور میں نئی نئی ایجادات کے موجد بنیں۔ اس کیلئے'' مرکز فروغ سائنس'' کا قیام ایک مستحسن اقدام ہے۔

(۴)

تقسیم کار کا اصول ہر جگہ کار فرما ہے۔ چنانچہ اگر کسی مرکزی درسگاہ میں'' مرکز فروغ علم دین'' قائم کیا جائے اور عصری علوم کے پڑھنے والے ان طلبہ کو جو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم ہیں یہ دعوت دی جائے کہ وہ اس مرکز میں آکر علوم دینیہ فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ میں کمال حاصل کریں

اوراس کے بعدان علوم کواپنے اپنے مقامات پرعصری علوم کی درسگاہوں میں جا کر جاری کریں تو عملاً اس کے لئے آپ حضرات بھی تیار نہ ہوں گے جیسا کہ اب تک کے عمل سے ظاہر ہے۔اس لئے عربی مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ اگر فراغت کے بعد" مرکز فروغ سائنس" میں داخل ہوکر سائنس کا علم حاصل کرتے ہیں تو اس کے متعلق عرض ہے کہ یہ تسلیم ہے کہ ماحول (سوسائٹی) کا اثر ایک طبعی امر ہے، دوسرے یہ بھی تسلیم ہے کہ تابع پر متبوع کا اثر ہوتا ہے۔پس جب یہ عربی طلبہ جن پر پہلے دینی ماحول کا اثر تھا دوسرے ماحول میں داخل ہوکران پر اس ماحول کا اثر غالب ہوجائے گا جیسا کہ مشاہدہ ہے، چنانچہ بعض وہ طلبہ جو طبیہ کالجوں میں داخل ہوجاتے ہیں وہ وہاں کے ماحول سے متاثر ہوجاتے ہیں اوران کی وضع قطع بدل جاتی ہے حتی کہ نماز میں بھی تساہل وتغافل آجاتا ہے۔بعینہ اسی طرح جو انگریزی طلبہ تبلیغی جماعت میں آجاتے ہیں یامدارس عربیہ دینیہ میں داخل ہوجاتے ہیں وہ دینی ماحول سے متاثر ہوکر دیندار بن جاتے ہیں،لہٰذا عربی طلبہ کا داخلہ سائنس میں خلاف موضوع ہےاورانگریزی طلبہ کاداخلہ موافق وضع اسلامی ہے۔

(۵)

یہ خیال کہ مسلمانوں کو دنیاوی امامت کا منصب محض مادی ترقیات کی بناء پرملا تھا،اور آج بھی وہ باعزت مقام اسی

مادی ترقی کے ساتھ مل سکتا ہے۔اس کے متعلق عرض ہے کہ ہر مسلمان کا بحیثیت مسلمان ہونے کے یہ پختہ عقیدہ ہے کہ مسلمانوں کی دین اور دنیا کی امامت کا منصب ملنا ایمان اور عمل صالح بطاعت کاملہ باحکام ظاہرہ وباطنہ پر موقوف ہے نہ کہ محض مادی ترقیات پر، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے" انتم الاعلون ان کنتم مومنین "(پارہ ۴ رکوع ۵) دوسری جگہ فرمایا" ان الدین عند الله الاسلام "اسی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے "نحن قوم اعزنا الله بالاسلام "کے ایمان افروز جملہ میں ارشاد فرمایا ہے۔چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو جو فتح ونصرت، سربلندی وامامت اہل مکہ اور روم اور فارس والوں پر ملی وہ مادی ساز وسامان کی بناء پر نہیں ملی جیسا کہ روایات سے ثابت ہے۔چونکہ مادی ساز وسامان کے اعتبار سے تو مسلمان ان لوگوں سے بہت پیچھے تھے بلکہ یہ تمام فتح ونصرت وعدۂ خداوندی کے مطابق ایمان اور عمل صالح کی برکت سے حاصل ہوئی اور آج بھی یہ قانون خداوندی اپنی جگہ اٹل ہے اور انشاء اللہ قیامت تک اٹل رہے گا۔چنانچہ جب مسلمانوں میں ایمان اور عمل صالح کی مایہ کمزور ہوگئی تو دین کی برکت سے جو دنیا ملی تھی وہ بھی ہاتھ سے جاتی رہی جیسا کہ سمرقند وبخارا وخوارزم اور اندلس، اسپین اور خود ہندوستان کی تاریخ اسکی شاہد ہے۔

(۶)

اور ایک مسلمان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ کوئی قوم یا ملک خدانخواستہ اگر ایمان اور عمل صالح کی مایہ سے تہی دست ہے تو دنیا میں خواہ وہ کتنی ہی مادی ترقیات حاصل کرے اور تمام دنیا والے مادی ترقیات میں اسے اپنا امام بھی تسلیم کرلیں تب بھی وہ انجام کار خائب و خاسر ہے، چنانچہ نمرودی، شدادی، قارونی طاغوتی طاقتوں کا انجام کسی پر مخفی نہیں۔ قرآن پاک جس کی خود شہادت دے رہا ہے اور ان کے لئے ''خسر الدنیا والآخرۃ'' کا ببانگ دہل اعلان کررہا ہے۔

(۷)

بخلاف اس قوم یا ملک کے جو اپنے فطری ماحول کیوجہ سے مادی ترقیات کے اعتبار سے پسماندہ شمار کئے جاتے ہیں مگر ایمان اور عمل صالح کی دولت لازوال ان کو حاصل ہے تو بے شک وہ ''مفلحین'' ہیں۔ اور دنیوی فوز و فلاح بھی ان کے لئے نقد حال ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی اس پر شاہد ہے اور انہیں کے لئے استخلاف فی الارض کا وعدۂ خداوندی ہے۔ ''وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم'' (پارہ ۱۸ رکوع ۱۳)

(۸)

پس جب یہ مسلم ہے کہ حیات انسانی کا اصل مقصد اپنے خالق و مالک کی عبادت و طاعت کاملہ ہے۔ چنانچہ ہر ایک شعبہ زندگی میں خواہ وہ معاملات ہوں یا معاشرات ہوں، اخلاقیات ہوں، خواہ سیاسیات ہوں یا تمدنیات۔ ان سب میں احکام خداوندی کی پابندی لازم ہے اور اسی کو" وما خلقت الجن الانس الا لیعبدون "(پارہ ۲۷ رکوع ۳) میں صراحۃً ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کیسے کی جائے اس کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ تو یہ دین کے صحیح علم پر موقوف ہے اور علم دین پوری طرح مدارس عربیہ دینیہ میں حاصل ہوتا ہے، پس مدارس عربیہ دینیہ کیلئے تو یہی لازم ہے کہ وہ اپنے موضوع کے اعتبار سے علوم دینیہ کی تعلیم و تدریس میں مشغول و منہمک رہیں تا کہ علم دین کا یہ سلسلہ جاری رہے جس پر تمام دین کی بقاء ہے۔ البتہ سائنس پڑھنے والے طلبہ کے لئے یہ خیر خواہانہ مشورہ ہے کہ جب وہ اپنے فن میں مہارت حاصل کر چکیں تو علم دین حاصل کرنے کے لئے مدارس عربیہ کی جانب رجوع کریں تا کہ دین اور دنیا دونوں کے اعتبار سے ان کو سرخ روئی حاصل ہو اور" اولئک ھم المفلحون "کا سچا مصداق بن کر سعادت دارین کے ساتھ فائز المرام ہوں۔

ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار۔

(۹)

ان تمام گذارشات کے ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ استعمال مادیت سے انکار نہیں اور کیونکر انکار ہوسکتا ہے؟ جبکہ جمع مادیات کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "واعدو لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم" (پارہ ۱۰ رکوع ۴) اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "خذوا حذركم" (پارہ ۵ رکوع ۷) یہ بطور کلی ہے اور ارشاد فرمایا "يا ايها الذين آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا" (پارہ ۴ رکوع ۱۱) پس جس زمانہ میں جن مادی آلات کی ضرورت ہوگی ان کو حاصل کرنا ضروری بلکہ لازم زندگی ہوگا بحکم "واعدوا لهم ما استطعتم" اور آج کے دور میں آلات جدیدہ کا علم سائنس کے حصول پر ہی موقوف ہے پس سائنس کے حصول سے کیونکر انکار کیا جاسکتا ہے؟ لیکن حصول علم سائنس ہی کافی نہیں بلکہ جمع حصول اسباب مادیات بھی ہو اور یہ جمع اسباب آلات مادیات موقوف ہے مرکز پر۔

لہٰذا مسلمانوں کی ترقی کے لئے اگر علم سائنس ضروری ہے تو تقوی (اللہ تبارک وتعالیٰ کی مرضیات پر چلنا) اس سے بھی زیادہ اہم اور ضروری ہے اور باری تعالیٰ کی مرضیات پر چلنا اور کما حقہ اوامر ونواہی کو انجام دینا موقوف ہے مرکز پر (مسلمانوں کا ایک پلیٹ فارم ہو) یعنی مستحکم ترقی کا مدار اور علت مرکز ہی ہے

اسلئے کہ جب مسلمانوں کا اپنا مرکز ہوگا تو اس سے سکون وسکینہ اور طبیعتوں میں جماؤ اور استقامت اور اللہ اور اللہ کے رسول کے اور اپنے دشمن پر رعب وہیبت قائم ہوگا بدلیل ''ترهبون به عدو الله و عدوکم''۔

بہرحال حصول ترقی کیلئے اصل علت مرکز ہے اسلئے کہ مرکز ہی کے قیام پر مسلمانوں کی ترقی موقوف ہے مگر اسکے لئے تقوی اولین شرط ہے، اس پر دلیل تیرہ سالہ مکی زندگی تقویٰ والی زندگی ہے کہ مکہ میں تقویٰ کی عملی مشق کرائی گئی اور دس سالہ مدنی زندگی مرکز والی زندگی ہے کہ مسلمانوں کا اپنا مرکز مدینہ میں آکر قائم ہوا۔

پس صحیح مستحکم باعزاز بارعب باہیبت زندگی وترقی کا مدار صرف اور صرف دو ہی چیزیں ہیں۔ تقویٰ اور مرکز۔ اللهم كلَّ الخير لكل مسلم و مسلمة۔

والسلام

احقر محمد مسیح اللہ عفی عنہ

۲۲ محرم ۱۴۰۸ھ۔ (ضیاء السالک جلد ۱ ص ۲۸۹۔۲۹۸)

یہاں پر اتنا عرض کیے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ اس زمانہ میں یہ عام شکایت ہوگئی ہے کہ اہل علم بھی اکثر خطوط ومراسلات کا جواب نہیں دیا کرتے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص کوئی علمی رہنمائی چاہتا ہے تو اس کے جواب سے بھی صرف نظر کیا جاتا ہے، یہ وبا عام ہو چلی ہے، ہمارے اکابر کا یہ طرز نہیں تھا، وہ اہمیت کی چیز کو اہمیت دیتے اور اپنے امکان کی حد تک رہبری سے دریغ نہ فرماتے تھے۔ حضرت مسیح الامتؒ نے باوجود اپنی پیرانہ سالی، ضعف اور کثرت مصروفیات کے جواب دیا اور تفصیلی جواب دیا اور مسئلہ کی حقیقت کی وضاحت فرمادی اب آگے تسلیم ہو یا انکار، یہ دوسرے کا کام ہے ہمیں اپنا کام تو انجام ہی دینا چاہئے۔

باب ۵

نصائح و ہدایات

نصائح وہدایات

حضرتؒ کا سینہ حکمت و معرفت اور علوم و اسرار کا گنجینہ تھا، اور آپ کی زبان مبارک سے مخاطبین کے عقول وافہام کے مطابق ہمیشہ اس کا اظہار ہوتا رہتا تھا، ہر آنے جانے والے کو اس کے عقل وفہم کے مطابق آپ ضرور کچھ نہ کچھ نصیحت فرماتے۔ آپ کے یہ ناصحانہ جملے اور مرشدانہ ارشادات بہت جامع مانع اور اکثر اوقات تو ضرب المثل قسم کے ہوتے، بعض متوسلین نے آپ کے اس طرح کے کچھ کلمات کو ''اقوال زریں'' کے طور پر جمع کیا ہے۔ اسی طرح طلبہ، علماء، اہل مدارس، تبلیغی جماعت کے حضرات اور دیگر طبقات کے لوگوں کو آپ نے حسب طلب اور حسب موقع جو نصیحتیں اور ہدایات فرمائی ہیں وہ ایک مومن کے نور فراست کا آئینہ دار اور ایک عالم محقق اور شیخ کامل کے تجربات و مشاہدات کا خلاصہ ہیں۔ حضرت مسیح الامتؒ راہ سلوک وتصوف کے مرشد کامل اور شیخ وقت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ اور کامیاب استاد و مدرس اور ایک بڑے بین الاقوامی شہرت کے مالک ادارہ اور مدرسہ کے مہتمم اور ذمہ دار بھی تھے۔ آپ کو جس طرح قسم قسم کے مریدین و مسترشدین ـــــ جن میں ان پڑھ، عامی بھی تھے اور عالم وفاضل، مفتی ومصنف، ڈاکٹر و پروفیسر، حکام بالا اور اصحاب اقتدار بھی ـــــ سے واسطہ پڑتا رہتا تھا اسی طرح مختلف المزاج مدرسین وملازمین، طلبہ اور ان کے سرپرستوں نیز مدرسہ کے تعلق سے دیگر اہل معاملہ سے بھی سابقہ پڑتا رہتا تھا، اور اس کے علاوہ دوسرے وہ افراد واشخاص، اعزہ و احباب بھی جن سے سفر وحضر اور خاص طور سے دور دراز کے ملکی وغیر ملکی اسفار میں واسطہ پڑتا۔ اس پس منظر میں ان نصائح وافادات کی قدر و قیمت بہت بڑھ جاتی ہے اور اسی واسطے ہم نے اس کے لئے مستقل ایک باب مخصوص کیا ہے۔

اہل علم کو نصیحتیں

۱ فرمایا کہ سرسری علم کافی نہیں بلکہ گہرائی اور عمق کے ساتھ تحصیل علم ہونا چاہئے، صرف وسعت علم پر اکتفاء نہیں، بلکہ وسعت نظری کے ساتھ عمق نظری اور گہرائی بھی ضروری ہے۔

۲ فرمایا کہ مدرسہ میں جو کچھ تعلیم حاصل کی ہے اس کی تکمیل وانطباق خانقاہ میں ہے، اس سے دونوں کی ضرورت معلوم ہوگئی۔

۳ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے" احبوا العربية لثلاثة لانی عربی والقرآن عربی و كلام أهل الجنة عربی "عربی کو تین وجہ سے محبوب رکھو، ایک تو اسلئے کہ میں عربی ہوں، دوسرے قرآن عربی ہے، تیسرے اہل جنت کی زبان عربی ہے اس سے عربی کی فضیلت دیگر تمام زبانوں پر کس درجہ ثابت ہے۔ نیز اس زبان عربی میں علوم شریعت کا تبحر وتعمق، اصولاً وفروعاً، مفصل ومدلل بیان فرمایا گیا ہے جو کہ ہم پر عربی زبان کی حفاظت کے فریضہ کو عائد کرتا ہے اور اس کی حفاظت کا ذریعہ مدارس عربیہ ہیں۔

۴ اردو میں دینی علوم کا خزانہ، تصوف اور اخلاق کا بے تعداد ذخیرہ ہے جس کو علمائے مشائخ نے صدیوں کی مشقت اور اہتمام کے ساتھ جمع فرمایا ہے، اسلاف کی روایات کا مخزن ہے، انبیاء علیہم السلام کے اخلاق، صحابہ کرام کے حالات، اولیائے عظام کی عبادات اور مجاہدات وریاضات اور ان کی حکایات، نیز حقائق ومعارف کا گنجینہ ہے۔ رذائل نفسانیہ، اخلاق فاضلہ روحانیہ پر اطلاع اردو زبان میں مدون ومحفوظ ہیں۔ یہ خصوصاً اردو زبان کی فضیلت کو ثابت اور حفاظت کو ہم پر واجب کرتی ہیں، اس کا ضائع ہونا دین کے بہت سے اجزاء کا ضائع ہونا ہے، خاص کر عام مسلمانوں کے لئے تو علم دین کا دوسرا ذریعہ ہی نہ رہے گا۔ اس کو ضائع ہوتے دیکھنا اور انسداد نہ کرنا کیا شرعاً جائز ہوگا؟ صاحبو! اردو زبان کی

حفاظت دین کی حفاظت ہے۔ پس حسب استطاعت اس کی حفاظت واجب اور طاعت ہے باوجود قدرت اس میں غفلت کرنا معصیت اور موجب مؤاخذۂ آخرت ہوگا۔

۵ علم علم کے لئے نہیں عمل کے لئے مطلوب ہے۔ محض مسائل اور اصطلاحات کا تلفظ اور رٹنا اور علم خالی از خشیت کو مقصود سمجھنا اور اسی کو بار بار دہراتے رہنا جب تک ''علم را بر دل زنی یارے بود'' کا حال نہ ہو غیر مقصود کو مقصود بنانا ہے۔

۶ کسی درسگاہ کی بھلائی اور ترقی میں اس کے طرز تعلیم اور نگرانی کو بڑا دخل ہے۔

۷ بعض اہل علم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ بحمدہ تعالیٰ مدارس کی تعمیر کی طرف بھی بعض اہل خیر حضرات متوجہ ہوتے رہتے ہیں اور ظاہری تعمیر اچھی سے اچھی کرانے کا جذبہ رکھتے ہیں اور کراتے رہتے ہیں مگر تعلیم کی طرف سے بالعموم کوتاہی اور غفلت ہے اور تربیت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا الا ماشاء اللہ۔ اور اب کہنے سننے کا زمانہ ہے نہیں، اور تربیت طلبہ کے اندر کیسے آوے جبکہ خود استاد ہی تربیت یافتہ نہیں ہیں۔ استاد کا اثر طلبہ پر ہوتا ہے۔

۸ فرمایا کہ حضرت والاؒ (مولانا تھانویؒ) فرمایا کرتے تھے کہ مفتی کو اخبار دیکھنا چاہئے تا کہ وہ حالات زمانہ سے واقف رہے، ہر طرح کی خبریں معاملات اور معاشرت وغیرہ کی اس کے سامنے آتی رہیں۔

۹ دار الافتاء کے طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ اخلاص ہو، حب جاہ، حب مال طبیعت میں بالکل نہ ہو۔ دوسرے کسی بھی استفتاء کا جواب محض کلیات سے نہ دیا جائے، مسئلہ میں پورے غور وفکر کے بعد کتب فقہ وفتاویٰ متداولہ کی طرف رجوع ہو، کسی ایک کتاب میں نہ ملے تو دوسری کتاب میں دیکھا جائے اس طرح متعدد کتب فتاویٰ کی طرف رجوع کیا جائے کہیں نہ کہیں جزئی مسئلہ انشاء اللہ مل جائے گا۔ دو چار کتابوں کو دیکھ کر یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ جزئیہ کہیں نہیں ہے۔ تیسرے جہاں تک قواعد

شرعیہ میں گنجائش ہو مفتی کو چاہئے کہ سہولت اور گنجائش پر فتوی دے۔ تسہیل سے کام لیا جائے، البتہ اپنے عمل کے لئے عزیمت کو اختیار کیا جائے۔ مفتی کو صاحب تقوی ہونا چاہئے، صاحب تقویٰ کے جواب پر لوگ مطمئن ہوتے ہیں اس لئے تقوی کو نہایت اہتمام کے ساتھ لازم پکڑنا چاہئے۔

۱۰ فرمایا کہ مقتدائیت کے لئے صبر لازم ہے، آپ اس کو مستقل مزاجی کہہ لیجئے، بردباری کہہ لیجئے، جو نام چاہے رکھ لیجئے۔ شریعت کی ایک اصطلاح ہے صبر۔ سب کچھ اس کے اندر ہے، اللہ تعالیٰ کسی کو دین کا مقتدا بنانے سے پہلے صابر بناتے ہیں۔

۱۱ ایک صاحب کو تحریر فرمایا تھا کہ مقتدا کو چاہئے کہ امراء سے بد خلقی نہ کرے اور نہ زیادہ اختلاط کرے اور نہ ان کو حتی الامکان مقصود بنائے بالخصوص دنیوی نفع حاصل کرنے کے لئے۔

۱۲ فرمایا کہ علم کا تقاضا حلم ہے نہ کہ آپس میں جھگڑنا، باہمی نزاع کرنا۔

۱۳ تعلیم مدارس سے لی تو تربیت خانقاہ سے لو، بڑے بڑے علماء درسیات کے بعد باہتمام شان تربیت خانقاہ میں مقیم ہوئے۔

۱۴ فرمایا محض سرسری علم کافی نہیں بلکہ تحقیقی علم ضروری ہے۔

۱۵ فرمایا اہل علم کو حق پرست ہونا چاہئے نہ کہ ردو قدح اور تنازع کا عامیانہ طریق اختیار کرنا۔

۱۶ فرمایا کہ ایک نکتہ سمجھنے کے لائق ہے، حدیث میں ''اطلبوا العلم'' فرمایا گیا ہے ''اطلبوا الکتب'' نہیں فرمایا ہے۔

۱۷ فرمایا کہ مدرسوں میں بھی مدرسوں جیسی زندگی نہیں تو کیا مدارس بند کردئے جائیں؟ ہرگز نہیں، اگر ایسا ہو گیا تو دہریت پھیل جائے گی۔

۱۸ فرمایا کہ پریشانیوں کا علاج یہ ہے کہ تجویز کو چھوڑ دیا جائے اور تفویض سے کام لیا جائے۔

۱۹ فرمایا کہ منطق کو خوب سمجھ کر پڑھو، اس سے افہام وتفہیم میں سہولت ہوتی ہے۔

۲۰ فرمایا کہ آج کل عقل کی بہت کمی ہے، ذہن کی بہت افراط ہے۔

۲۱ فرمایا کہ جو بات دلائل شرعیہ سے حق سمجھ لی گئی ہو اس پر مضبوطی سے قائم رہنا اور مخالفت کی پروانہ کرنا ضروری ہے۔

۲۲ فرمایا کہ مدرسہ کا تعلیمی وانتظامی مشغلہ بھی عین دین ہے۔

۲۳ فرمایا کہ طلب وعظ پر بیان بحبت ورحمت غالب رکھا جائے، عنوان بملاطفت، کلام بحلاوت، چہرہ پر بشاشت۔

۲۴ فرمایا کہ نظام مدرسہ بحد شرع، یہ بھی جہاد ہے اور جہاد سے فرار کیسا؟

۲۵ فرمایا کہ علمی مشغلہ سے بہتر کوئی شغل نہیں اور یہ عبادت بھی اعلیٰ ہے۔

۲۶ فرمایا کہ مطالعہ کتب اہل علم کا خاص وطیرہ رہا ہے، یہ ذوق علمی کا بھی تقاضہ ہے۔

۲۷ فرمایا کہ مخالفین کی طرف سے مخالفتوں کے پیش آنے پر بس سکوت، اپنے کار حق میں بخلوص مشغول، بس اپنے اسلاف کا طریق اپنائے رہیں۔

۲۸ فرمایا: افسوس ! آج علماء کو بھی اپنے مرتبہ کا پتہ نہیں، عالم اگر حرص وطمع کو چھوڑ دے تو اس کا مقام بہت بلند ہے۔

۲۹ فرمایا کہ تقویٰ وتواضع ایمان کا خلاصہ ہے۔

۳۰ فرمایا کہ اہتمام کے معنی ہیں فکر مند ہونا، فکر مند رہنا، اب آپ اسے چاہے ناظم کہدو چاہے مہتمم کہدو۔

۳۱ فرمایا اپنے اکابر کے حالات سے واقف ہونا چاہئے۔

۳۲ ایک دن بعد فجر بعض مخصوص اعزہ اور خدام کی موجودگی میں اپنے ضعف کا ذکر فرمانا شروع کیا، پھر فرمایا ''نوجوانی میں میری طبیعت میں ذرہ جھجک نہ تھی علماء سے مکالمہ ہوتا تھا دلائل کے ساتھ جواب دیتا تھا ذرہ جھجک نہ ہوتی تھی۔ رؤساء، امراء، نوابین کی مجلس میں جانا ہوتا تھا تو طبیعت بالکل نہ جھجکتی تھی۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ نواب مزمل اللہ خان نواب بھیکم پور کے یہاں امراء، رؤساء کا اجتماع تھا۔ رؤساء آتے اور سلام کر کے کرسی پر بیٹھ جاتے، میں بھی برادر نسبتی جناب مولانا پیارے میاں صاحب کے ساتھ پہنچا تو بھائی صاحب تو تمام امراء کی طرح سلام کر کے بیٹھ گئے لیکن میں نے آگے بڑھ کر نواب صاحب سے مصافحہ بھی کیا، طبیعت میں ذرہ جھجک نہ ہوئی۔ لیکن اب اس کے برخلاف حال یہ ہے کہ کوئی مجمع بھی آتا ہوا نظر آتا ہے تو طبیعت اولاً جھجک جاتی ہے، گو کام سب کا کرتا ہوں سب کی سنتا ہوں، سب سے فرداً فرداً نمٹتا ہوں لیکن اعصابی کمزوری کی وجہ سے طبیعت اول وہلہ میں متاثر ہو جاتی ہے۔

خدام دین کو بہت مضبوطی چاہئے پھر فرمایا ایک بات کہتا ہوں غور سے سنو، میری بات تو دوسری ہے جیسا کہ ابھی کہا کہ اعصاب کا ضعف ہے لیکن تم جوان ہو، اعصاب بھی مضبوط ہیں تم ایسی ویسی باتوں سے متاثر نہ ہونا۔ یاد رکھو، مخالفتیں تو ہوا ہی کرتی ہیں اور بعض وقت اپنوں کی طرف سے ہوتی ہیں۔

پختگی اور مضبوطی تم یہ دیکھ لو کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں یا لکھ رہے ہیں قرآن وحدیث اور تعامل صحابہ اور تعامل اکابر کی روشنی میں اس کا کیا درجہ ہے۔ جب تحقیق ہو جائے کہ حق وہی ہے جو تم پر واضح ہوا ہے تو انتہائی مضبوط رہو اور مخالفتوں کی پرواہ نہ کرو۔

حضرت گنگوہیؒ کی مضبوطی کی بعض حکایات حضرت مولانا گنگوہیؒ سے کسی نے کوے کے متعلق سوال کیا تھا کہ جائز ہے یا ناجائز؟ حضرت نے فقہ کی روشنی میں لکھ دیا

کہ جائز ہے کیونکہ ذی مخلب پرندوں میں سے نہیں ہے اور نہ نجاست اس کی غذا ہے۔ اس پر بعض لوگوں نے اس قدر شور برپا کیا کہ الامان و الحفیظ۔ کہنے لگے کہ کوا بھی کبھی کسی نے کھایا ہے؟ کوئی اسے کھاتا ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کا کھانے کو دل چاہ رہا ہوگا وغیرہ وغیرہ لیکن مولانا گنگوہیؒ نے جو کچھ لکھا تھا حق لکھا تھا، ان مخالفتوں اور اعتراضوں کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کی۔ بعض مسائل اختلافیہ میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک کچھ نرم تھا، اختلاف کو ختم کرنے کے لئے ایک رسالہ "ہفت مسئلہ" لکھا جس میں انتظام شریعت کے بالمقابل اصل مسئلہ میں کچھ لینت (نرمی) اختیار کی گئی تھی۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ آخر میں نابینا ہو گئے تھے۔ جب رسالہ مذکورہ گنگوہ پہنچا تو بعض خدام سے فرمایا کہ پڑھ کر سناؤ کیا لکھا ہے؟ چنانچہ سننا شروع کیا۔ سن کر فرمایا کہ اس کو میرے حمام میں جھونک دو۔ انتظام شریعت کی خاطر پیر کا رسالہ حمام میں جھنکوا دیا۔ لوگوں میں بہت شورش ہوئی کہ پیر کا رسالہ اور حمام میں جھونکوا دیا؟ مولانا گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ ہم تو صبر کئے بیٹھے ہوئے تھے، حاجی صاحب کے پاس بھی اطلاع پہنچی، حاجی صاحب کا خط مکہ مکرمہ سے آیا لکھا تھا کہ آپ نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا، آپ ہندوستان میں اسی کے مکلف تھے اور اسی موقع پر یا کسی دوسرے موقع پر یہ بھی تحریر فرمایا کہ مجھے آپ سے اللہ کے لئے محبت ہے جیسے اللہ کو بقاء و دوام ہے اسی طرح اللہ کے لئے جو محبت ہو اس کو بھی بقاء و دوام ہے۔

حضرت مجدد تھانویؒ کی مضبوطی کے بعض واقعات اسی طرح ہمارے حضرت والا مولانا تھانویؒ کے ایک مرید نے خواب میں دیکھا تھا کہ میں اس طرح کلمہ پڑھ رہا ہوں "لا الہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ" یہ خواب ان مرید نے حضرت والاؒ کو لکھا۔ حضرت والا نے جواب لکھا کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ تمہارے پیر متبع سنت ہیں۔

بس اس جواب کی وہ تشہیر کی گئی کہ الامان و الحفیظ ۔ بعض اپنوں کی جانب سے بھی اعتراضات کئے گئے ، مگر حضرت والاؒ پر ان اعتراضات کا کچھ اثر نہ ہوا کیونکہ جو لکھا تھا شریعت کی روشنی میں سمجھ کر لکھا تھا۔ پھر بعد میں ان معترضین نے معافی بھی چاہی۔

اسی طرح حضرت والاؒ کے ایک مرید تھے مولانا احمد حسن سنبھلی ان کا نام تھا، یہ سید بھی تھے ایک مولانا احمد حسن امروہوی گزرے ہیں یہ تو مولانا محمد قاسم صاحب کے مخصوص شاگردوں میں ہیں، میں جن کا ذکر کر رہا ہوں یہ دوسرے ہیں سنبھل کے رہنے والے حضرت والا کے شاگرد تھے پھر مرید ہو کر خلیفہ بھی ہوئے، میں نے اپنے بعض بڑوں سے سنا ہے کہ وعظ گوئی میں حضرت والاؒ کے ساتھ اس قدر اتحاد ہو گیا تھا کہ وعظ کہتے وقت بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت والا وعظ فرما رہے ہیں ۔ اعلاء السنن کی تالیف کا کام پہلے انہی کے سپرد ہوا تھا لیکن جب لیگ اور کانگریس کا اختلاف شروع ہوا تو یہ صاحب کانگریس میں شامل ہو گئے اور کانگریس کی حمایت میں خانقاہ میں رہتے ہوئے فتوی صادر کرنے لگے۔ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ آپ کی رائے شمولیت کانگریس کی ہے تو میں اس کو تو کچھ نہیں کہتا لیکن ایک ہی جگہ سے دو مختلف فتوے جاویں یہ بالکل مناسب نہیں، اس پر وہ صاحب خانقاہ سے تھانہ بھون ہی میں دوسری جگہ منتقل ہو گئے پھر وہاں بھی نہیں رہے اور اپنے وطن سنبھل چلے گئے، اعلاء السنن کے مسودات بھی ساتھ لے گئے، کہتے تھے کہ مجھے یہاں دیکر جانا جائز نہیں ۔ حضرت والاؒ نے مولانا شبیر علی صاحب اور مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلوی کو سنبھل بھیجا یہ دونوں بڑی حسن تدبیر کے ساتھ ان مسودات کو نکال کر لائے اس کے بعد ان کا یہ حال ہوا کہ علماء میں ان کو کوئی جانتا بھی نہ تھا۔

پھر ان کو افلاس نے آگھیرا، حضرت والاؒ کو جب اس کا علم ہوا تو دکھ ہوا اور شفقۃً لکھا کہ مجھے ایسا ایسا معلوم ہوا ہے، میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کو کچھ بھیجوں، اگر آپ اجازت دیں

تو منی آڈر کر دوں، حضرت والاؒ نے فرمایا کہ میں نے خط کے ذریعہ سے پہلے اس لئے معلوم کیا کہ منی آرڈر کر دوں اور وہ واپس کر دیں تو بیکار سبکی ہو۔ چنانچہ ان کا کوئی جواب ہی نہیں آیا۔

اس کانگریس اور لیگ کے اختلاف میں یہانتک ہوا کہ بعض کانگریسیوں نے بھنگیوں سے کہا کہ ان کے (حضرت والاؒ) کے یہاں کمانا چھوڑ دو۔ لیکن حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے بھنگیوں نے جواب دیا کہ آپ لوگوں کے گھر کا کمانا تو چھوٹ سکتا ہے ان کے گھر کا نہیں چھوٹ سکتا۔

الغرض مخالفت تو ایسے حالات میں ہر قسم کی ہوتی ہے اور اپنوں کی طرف سے ہوتی ہے لہذا میں تم کو کہتا ہوں، تم جوان ہو، اعصاب پٹھے مضبوط ہیں، اس کی ہرگز پرواہ نہ کرنا البتہ ایک بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ زبان اور قلم دونوں میں تہذیب کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے، خلاف تہذیب بات زبان سے اور قلم سے ہرگز بھی صادر نہ ہو۔

قرآن پاک میں حضرت شعیب علیہ السلام کے واقعہ میں ہے کہ ان کی قوم ناپ تول میں کمی کرتی تھی، حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو نصیحت فرماتے ہوئے آخر میں فرمایا:۔

یقوم اوفوا المکیال و	اے میری قوم، ناپ
المیزان بالقسط ولا	اور تول انصاف سے پورا
تبخسوا الناس اشیاء	پورا کیا کرو اور لوگوں کا
ھم ولا تعثوا فی	انکی چیزوں میں نقصان
الارض مفسدین	مت کیا کرو اور زمین
(پارہ ۱۲ رکوع ۸)	میں فساد کرتے ہوئے

حد سے مت نکلو۔

دیکھئے، حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم باوجودیکہ کافر تھی اور کافر، مسلمان کے ساتھ مخالفت میں بہت شدید ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود شعیب علیہ السلام ان کو خطاب کرتے ہوئے ''یقوم'' سے مخاطب فرما رہے ہیں یعنی اے میری قوم، اپنی طرف نسبت فرما رہے ہیں کلام میں یہی تہذیب ہے جس کو میں بیان کر رہا ہوں۔

یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ ناپ تول میں کمی کرنا فساد کا سبب کیوں ہے؟ تو وجہ اس کی یہ ہے کہ ناپ تول میں کمی کرنا دوسرے کی حق تلفی ہے اور یہ خلاف عدل ہے اور خلاف عدل کا فساد ہونا ظاہر ہے، اسی لئے آخر میں فرمایا ''ولا تعثوا فی الارض مفسدین'' یہیں سے یہ قاعدہ کلیہ بھی نکلتا ہے کہ زمین میں فساد برپا ہونے کا اصل سبب معصیت ہے کیونکہ حق تلفی معصیت ہے جس پر فساد کو مرتب کیا گیا ہے خوب سمجھ لو، یہ بیان تو ضمناً آ گیا۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ جو بات دلائل شرعیہ سے حق سمجھ لی گئی ہے اس پر مضبوطی اور مخالفت کی پرواہ نہ کرنا تو ضروری ہے، لیکن زبان وقلم سے تہذیب کو ہرگز نہ دے۔ ایک آیت اور یاد آئی، حق تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ کو تبلیغ فرمانے کا واقعہ نقل فرما رہے ہیں:۔

چنانچہ سولہویں پارہ میں اس کا تفصیلی بیان ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے کافر باپ کو بار بار ''یا ابت'' اے ابا جان ''یا ابت'' اے ابا جان سے خطاب فرما رہے ہیں تو یہ غایت ادب ہی کی وجہ سے ہے، اور راز اس میں یہ ہے کہ خلاف تہذیب کلام بھی خلاف عدل ہونے کے سبب معصیت میں داخل ہے اور فساد کا قریبی ذریعہ ہے اس لئے تہذیب اور شائستگی کو ہرگز نہ چھوڑنا چاہئے ورنہ فساد برپا ہونے کا گمان اغلب ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

ولا تستوی الحسنة ولا السیئة ادفع با لتی ھی احسن فاذا الذی بینک و بینه عداوة کانه ولی حمیم۔

نیکی اور بدی دونوں برابر نہیں ہوتی، آپ نیک برتاؤ سے بدی کو ٹالدیا کیجئے پھریکایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائیگا جیسے کوئی دلی دوست ہو۔

تو دیکھئے، یہاں حق تعالیٰ نے کتنی اونچی تہذیب کا حکم فرمایا ہے اسی کوخوبصورتی سے ٹال دینا کہتے ہیں۔ آگے فرماتے ہیں، لیکن یہ ہرایک کا کام نہیں بڑے سہاروالے، بڑے مستقل مزاج، بڑے حوصلہ والے کا کام ہے'' وما یلقھا الا الذین صبروا وما یلقھا الا ذو حظ عظیم ''اب تم خودسوچ لوکہ تم کوکیسا بننا چاہئے حوصلہ والایا بے حوصلہ؟ یہ تو قرآن پاک ہے اس میں اصولی تعلیم ہے، باقی فروعات ونتائج خودنکال لو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ہرعاقل یہی کہے گا کہ باحوصلہ بننا چاہئے۔ اور جہاں بدلہ لینے کی اجازت بھی دی ہے تو وہاں مثل اور برابری کی قید لگادی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے''جزاء سیئة سیئة مثلھا '' کہ برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے اگرکسی نے تم کو برا کہا تو اس کی اجازت ہے کہ اس کو اتنا ہی براتم کہدو جتنا اس نے کہا ہے لیکن اس کی اجازت نہیں کہ تم اس کے باپ کو بھی برا کہو، اگرایسا کروگے تو جائز نہیں کیونکہ اس نے تمہارے باپ کو کب برا کہا تھا۔ نیز برابر اور مساوی بدلہ لینے کی بھی صرف اس وقت اجازت ہے جب کہ وہ فعل معصیت نہ ہو اور اگر معصیت ہو تو بدلہ لینا بھی جائز نہیں خوب سمجھ لو، پھر بدلہ لینا بھی شرائط مذکورہ کے ساتھ

صرف جائز ہے واجب نہیں کیونکہ اس کے آگے ارشاد ہے:۔

فمن عفا و اصلح	پھر جو شخص معاف کرے
فاجره على الله.	اور اصلاح کرے تو اس کا
(پارہ ۲۵ رکوع ۴)	ثواب اللہ کے ذمہ ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گو انسان کے جذبات کی رعایت رکھتے ہوئے برابر سرابر اور حد جواز کے اندر بدلہ لینے کی اجازت دی گئی ہے مگر حق تعالیٰ پسند اسی کو فرماتے ہیں کہ معاف کر دیا جائے، دل صاف رکھا جائے، گو شروع میں معافی اور صفائی مشکل معلوم ہوتی ہے لیکن اگر کوشش کرے تو کامیابی ہو جاتی ہے۔

اسی سلسلہ میں ایک اور آیت یاد آ گئی حق تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

و لا تسبوا الذين	اور ان (بتوں) کو گالی
يدعون من دو ن الله	مت دو جن کی یہ لوگ اللہ
فيسبو الله عدوا بغير	کو چھوڑ کر عبادت کرتے
علم (پارہ ۷ رکوع ۱۹)	ہیں (کیونکہ) پھر وہ
	جہالت سے حد سے گذر
	کر اللہ کی شان میں
	گستاخی کریں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایسا طریقہ اختیار کرنا بھی صحیح نہیں ہے جس سے جھگڑا بڑھے اور مخالف کو تمہارے بڑوں کو برا بھلا کہنے کا موقع مل جائے "عدوا بغير علم" سے معلوم ہوتا ہے کہ مخالف میں حقانیت نہ ہو تو حد سے بڑھ کر جہالت پر اتر آتا ہے۔

الغرض جس بات کو خوب تحقیق کر کے دلائل شریعت سے حق جان لیا ہے اس پر

مضبوطی سے جمے رہو کسی کی مخالفت کی پرواہ نہ کرو، سنی ان سنی کر کے اپنے کام میں لگے رہو البتہ زبان وقلم کو قابو میں رکھو، زبان سے کوئی ناشائستہ بات نہ نکالو، نہ قلم سے کوئی ایسی بات لکھو جو تہذیب سے گری ہوئی ہو، دوسرے کی ایذارسانی کا سبب بنے کہ یہ معصیت ہے اور معصیت خلاف عدل ہے اور خلاف عدل فساد ہے تو ایسی بے تہذیبی کی باتیں عالم میں فساد کا سبب ہیں۔ آج تمام دینا میں جو کچھ فساد کا چرچا ہے اس کا منشاء سوائے معصیت کے اور کچھ نہیں ہے۔ چاہے انتہائی معصیت ہو یعنی کفر وشرک یا اس سے کم ہو یعنی ماموارت کو ترک کرنا اور منہیات کا ارتکاب کرنا۔ ان سے حد درجہ احتیاط لازم ہے۔

اسی کا تتمہ یہ ہے کہ بعض وقت صاف بات کہنے سے بھی فتنہ کا اندیشہ ہوتا ہے تو اگر صاف گوئی میں خواہ مخواہ فتنہ کا اندیشہ ہو اور دفع الوقتی میں کوئی شرعی حکم مختلط نہ ہوتا تو ایسے وقت حکمت کے ساتھ دفع الوقتی سے کام لینا چاہئے۔

شاہ عبد العزیز صاحبؒ کا واقعہ ہے کہ وعظ فرمارہے تھے، کسی نے پوچھا کہ ''صلوۃ معکوس'' کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ شاہ صاحبؒ نے جواب دیا کہ بعض بزرگوں کا معمول رہا ہے۔ ایک دوسرے صاحب نے کہا کہ یہ شخص یہ پوچھتا ہے کہ جائز ہے یا ناجائز؟ صاف صاف بتلایئے۔ فرمایا ساری عمر میں ایک بات صاف کہی تھی اس کی گالیاں اب تک کھا رہا ہوں کیا صاف کہلوا کر اور گالیاں کھلوانا چاہتے ہو؟ تو یہاں ''صلوۃ معکوس'' کوئی حقیقی نماز نہیں تھی اور اس کے متعلق سوال نہ کوئی شرعی محکم بات کا حکم دریافت کرنا تھا بلکہ بعض بزرگوں میں ''صلوۃ معکوس'' کا ریاضت نفس کے لئے ایک طریق رہا ہے اور طرق مجاہدہ اور ریاضت کا منصوص ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ مسکوت عنہ ہونا کافی ہے اسلئے شاہ صاحبؒ نے صاف جواب نہیں دیا کہ لوگوں کو اس باب میں دونوں طرف تشدد تھا تو خواہ مخواہ بلا ضرورت عوام کی گالیوں کا ہدف بننا کون سی عقلمندی ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایسی بات جو دین میں مقصود نہ ہو اور لوگوں میں اسے صاف بیان کرنے سے فتنہ پیدا ہوتا ہو تو بجائے صاف بیان کرنے کے دفع الوقتی کے ساتھ حکمت سے اس کو ٹال دینا چاہئے۔ اسی سلسلہ کی ایک آیت اور یاد آئی جو یہود سے مکالمہ اور گفتگو میں تعلیم ادب کے سلسلہ کی ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

و لا تجادلوا اهل الكتاب الا بالتي هي احسن الا الذين ظلموا منهم (پارہ ۲۱ رکوع ۱)	اور تم اہل کتاب کے ساتھ بجز مہذب طریق کے (اور کسی طریق سے) مباحثہ مت کرو، ہاں مگر ان میں جو زیادتی کریں (تو انکو تر کی بتر کی جواب دینے میں کوئی مضائقہ نہیں)
ایک جگہ ارشاد ہے:۔ فاصبر ان وعد الله حق ولا يستخفنك الذين لا يوقنون . (پارہ ۲۱ رکوع ۱)	سو آپ صبر کیجئے بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ بد یقین لوگ آپ کو بے برداشت نہ کرنے پاویں۔

مطلب یہ ہے کہ گو نفسانی انتقام فی نفسہ جائز ہے مگر صاحب تبلیغ کے لئے بالخصوص خطاب کے وقت کہ اسلام کی ابتدائی حالت تھی خلاف مصلحت ہے۔

اس سے بھی ماقبل کی آیت کے مضمون کی تائید ہوتی ہے کہ افضل، مہذب طریقہ کا بکام میں لانا ہی ہے۔ یہ آیت تو محض تائید میں بیان کی گئی، اصل بیان یہ ہو رہا ہے کہ اہل

کتاب سے بجز مہذب طریق کے مباحثہ مت کرو۔آگے مہذب طریقہ کا بیان فرماتے ہیں:۔

و قولوا آمنا با لذی انزل الینا و انزل الیکم و الھنا و الھکم واحد و نحن له مسلمون . (پارہ۲۱رکوع۱)	(کہ مثلاً) ان سے یوں کہو کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی اور ان کتابوں پر بھی (ایمان رکھتے ہیں) جو تم پر نازل ہوئیں اور (یہ تم بھی تسلیم کرتے ہو کہ) ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے اور (اس گفتگو کے ساتھ اپنا مسلمان ہونا تنبیہ کیلئے سنادو کہ) ہم تو اسکی اطاعت کرتے ہیں۔

اس مہذب طریقہ کا حاصل یہ ہے کہ ان کے سامنے ابتداءً ایسی باتیں بیان کرو جن کو وہ بھی تسلیم کرتے ہوں، ایسا طریق مت اختیار کرو کہ ان میں بھڑک پیدا ہو جائے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ایسی لینت (نرمی) نہ اختیار کرو کہ وہ اپنا طرفدار سمجھنے لگیں بلکہ عمدہ پیرایہ میں اپنا مقصود صاف ظاہر کر دو''و نحن له مسلمون'' کا یہی حاصل ہے۔

الغرض عقلاً ونقلاً ہر طرح سے یہ بیان کر دیا گیا کہ اپنے مسلک کو حق سمجھتے ہوئے کسی مخالف کی مخالفت کی ہرگز پرواہ نہ کرو۔البتہ زبان اور قلم کو قابو میں رکھو کہ خلاف تہذیب بات اس سے نہ نکلنے پائے۔ (مجالس مسیح الامتؒ قسط۲ صفحہ ۱۲۶۔۱۳۶)

سالکین کیلئے ہدایات ونصائح

۱ فرمایا کہ آج کل بزرگوں کی صحبت میں رہنا فرض عین ہے۔ یہ تجربہ سے معلوم ہوا کہ ایمان کی سلامتی کا ذریعہ اہل اللہ کی صحبت ہے۔

۲ فرمایا کہ جب تک عدم اختلاط نہیں ہوگا جو کہ اولین شرط ہے اصلاح نہیں ہوسکتی اسلئے کہ بلاوضو نماز کیسے ہوجائے گی۔

۳ فرمایا کہ دل شکنی کا وہاں تک لحاظ رکھو جہاں تک دین شکنی نہ ہو۔

۴ فرمایا کہ رونے کے معنی یہ نہیں کہ آنکھوں سے آنسو نکل آئیں بلکہ اصل معنی رونے کے یہ ہیں کہ دل پسیج گیا، شرم کے مارے ڈوب گیا، دل رونے لگا اس دل کو رونے کو ہی رونا کہتے ہیں۔

۵ فرمایا کہ مراقبہ کا طریق یہ ہے کہ سر ذرہ بائیں جانب قلب کی طرف جھکا رہے اور اللہ تعالیٰ کا دھیان جما رہے، ادھر ادھر نہ دیکھے، اگر کسی آنے والے کو بھی دیکھ رہا ہے تو پھر دھیان کہاں رہا؟

۶ اچانک بجلی چلی گئی، اس پر ارشاد فرمایا کہ دیکھو بجلی چلی گئی اس میں بھی سالکین کے لئے تعلیم ہے کہ احوال دو قسم کے ہین۔ اختیاری اور غیر اختیاری۔ اختیاری کو حاصل کرو، غیر اختیاری کے درپے نہ ہو، آئیں آئیں، نہ آئیں آئیں۔

۷ شیخ کے پاس صرف جسمانی حاضری کافی نہیں، جب تک کان لگے ہوئے نہ ہوں اور دل جھکا ہوا نہ ہو۔

۸ اکثر فرمایا کرتے کہ ماضی کا غم نہیں، حال کا اہتمام ہو، مستقبل کا فکر نہیں۔

۹ فرمایا کہ وہ کیا ولی ہوا جسکے اندر انتہائی درجہ کی انکساری، عاجزی اور کسر نفسی نہ ہو۔

۱۰ فرمایا کہ ریاضت کی حقیقت یہ ہے کہ طبعیات میں تقلیل کی جائے اور اصول کے طور پر ان کی چار قسمیں ہیں۔ تقلیل طعام، تقلیل منام، تقلیل کلام، اور تقلیل اختلاط مع الانام۔

۱۱ فرمایا کہ مراقبہ سے بھی مقصود تقویٰ ہے، بلا تقوی مراقبہ دھوکہ ہے، اپنے نفس کو بھی اور دوسروں کو بھی۔

۱۲ فرمایا کہ زبان کی اور نگاہ کی حفاظت رکھو، بدنگاہی نہ ہو، بدکلامی نہ ہو۔

۱۳ فرمایا کہ گھر کو بھی خانقاہ بنالو، بازار کو بھی خانقاہ بنالو، مدرسہ کو بھی خانقاہ بنالو، یعنی بلاضرورت کسی سے اختلاط نہ ہو، صرف ضرورت کے موقع پر کلام یا کام ہو۔

۱۴ فرمایا کہ اپنے آپ کو مقدس مت سمجھ بیٹھنا، اندیشہ لگا ہوا ہے، اگر کسی گنہگار پر حقارت کی نگاہ کی تو معلوم ہوا کہ تم نے اپنے آپ کو مقدس سمجھا۔

۱۵ فرمایا کہ عبادات، معاملات اور معاشرت میں احتساب نفس برابر کرتا رہے، بس ذکر کا مقصود حاصل ہو گیا۔

۱۶ فرماتے کہ نماز میں ذکر، مراقبہ اور شغل تینوں کی تعلیم ہے، اللہ اکبر سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ تک جو پڑھا جا رہا ہے ذکر ہے۔ یہ دھیان کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں مراقبہ ہے۔ اور نظر کو ہر رکن میں ایک خاص جگہ جمانا یہ شغل ہے۔

۱۷ فرمایا کہ مرید کے آفات میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے نفس میں اخوان طریقت پر حسد ہو۔

۱۸ فرماتے کہ طالبان دنیا سے دوری اختیار کریں کیونکہ ان کی صحبت وہ زہر ہے جس کا تجربہ ہو چکا ہے۔

۱۹ فرماتے کہ ضرورت کے وقت رخصت پر عمل کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ رخصت ایک نعمت ہے۔

۲۰ فرمایا کہ عزیز من ! ایسا ہرگز نہ ہو کہ گھبرا کر اور ملول ہو کر دعا کرنا چھوڑ دو۔

۲۱ فرمایا کہ نیت پر منجانب اللہ ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔

۲۲ فرمایا کہ صرف زبان چلتے رہنے کو ذکر نہیں کہتے، دل میں اس کی یاد، اس کا خیال، اس کا دھیان بلا کسی تفصیل کے یہ بھی ذکر ہے۔

۲۳ فرماتے کہ اصلاح میں دیر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ شیخ کی رائے کے سامنے اپنی رائے کو چلاتا ہے۔

۲۴ فرمایا کہ عزیز من ! ہمیں اپنی نیتوں کو سوچنا اور سنبھالنا چاہئے۔ بزرگوں کی طرف انتساب بھی مختلف مختلف نیتوں سے ہوتا ہے۔

۲۵ فرماتے کے خلاف تہذیب کلام خلاف عدل ہونے کے سبب معصیت میں داخل ہے اور فساد کا قریبی ذریعہ ہے۔

۲۶ عزت کی حفاظت کے ساتھ زندگی گزاریں، ذلت سے اپنے کو بچائیں۔

۲۷ معمولات کی تکثیر مطلوب نہیں، انجذاب مطلوب ہے۔

۲۸ وساوس کا علاج بے التفاتی ہے اور دفع کرنا بھی التفات ہی ہے۔

۲۹ فرماتے کہ ''فاذکرونی اذکرکم'' اہل محبت کا مراقبہ ہے۔

۳۰ خطرہ سا لگا رہنا عین ایمان کی دلیل ہے۔

۳۱ فرماتے کہ اوراد و معمولات سے زیادہ اخلاق باطنہ میں ملکہ کی طرف التفات اہتمام کے ساتھ ہو، جس کا طریق مجالست و مخاطبت و مکاتبت ہے جس کو جس میں سہولت ہو۔

۳۲ فرماتے کہ خوف و خشیت وہ مطلوب و محمود ہے جو طاعت کی طرف لیجائے آدمی مایوس ہو کر بیٹھ جائے یہ پسندیدہ نہیں ہے۔

۳۳ فرمایا کہ طریقت نام ان طریقوں کا ہے جو شریعت کے ذریعہ بندہ کو خالق سے جوڑدے۔

۳۴ فرماتے کہ اپنے اعزہ واقرباء سے ادب واحترام کا انتظار وتوقع کبر کی علامت ہے۔

۳۵ فرماتے کہ مسلمان بھائی کی دلجوئی ودلداری ہزاروں رکعت نفل سے افضل ہے۔

۳۶ فرماتے کہ زندہ دل مردہ نفس بن کر رہو۔

۳۷ ارشاد فرمایا کہ قلب اللہ کی زمین ہے۔ ''لا الہ الا اللہ'' تخم ہے۔ اس ایمانی بیج کی آبیاری اعمال صالحہ سے ہوگی۔

۳۸ فرماتے کہ اذکار ومعمولات بدرقہ ہیں، اصل چیز تقویٰ ہے۔

۳۹ ایک سالک کو تحریر فرمایا تھا کہ تکلیف اور رنج صرف تجویز پر ہوتا ہے اگر یہ نکل جائیں تو پھر انشاء اللہ تکلیف اور رنج میں بھی راحت ہی راحت ہے۔ ہر وقت دل اللہ کی طرف کھنچا ہوا رہے گا۔ پہلی چیز یہ ہے کہ کسی بھی شخص سے کسی بھی قسم کی کوئی امید نہ رکھی جائے۔ دوسری چیز ہے تجویز، تم نے دل میں یہ بات جما لی ہے کہ ایسا ہی ہونا چاہئے اور ایسا ہوا نہیں، نتیجہ اس کے خلاف آ گیا تو پریشانی ہوگی اسلئے ''توقع'' اور ''تجویز'' دونوں کو نکال دو۔ بس پھر انشاء اللہ کسی قسم کی پریشانی یا تکلیف نہیں، ہر حال میں راحت وسکون ہوگا۔

۴۰ اہل خانقاہ کو خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اب وہ زمانہ ہے کہ اگر کوئی شخص دین کی موٹی موٹی باتوں پر بھی عمل کرے، فرائض وواجبات کو ادا کرے اور گناہ صغیرہ وکبیرہ سے بچ جائے وہ ایسا ہی ولی ہے جیسا کہ متقدمین کے زمانہ میں ولی تھے۔ بس اپنے گھر رہو اور دین کی موٹی موٹی باتوں پر عمل کرتے رہو اور مکاتبت پر بس کرو، گھر بیٹھو آرام

کرو۔ میری گفتگو اس طالب صادق سے ہے جس کے اندر خوف خدا آ گیا ہو" واما من خاف مقام ربه و نهى النفس عن الهوى"۔

۴۱ فرمایا کہ گھوڑا جس طرح اپنے سایہ سے بدکتا ہے اسی طرح سالک بھی اپنے وساوس غیر اختیاریہ سے بدکنے لگے تو اس حیوان ناطق اور حیوان مطلق میں کیا فرق ہے؟

۴۲ ارشاد فرماتے کہ خانقاہ میں رہنے کے دو ادب ہیں۔ سکوت لسانی و سکون قلبی۔ خانقاہ میں قیام کے زمانہ میں مجلس کے وقت کے علاوہ دو کام۔ ذکر اور مطالعہ۔ خانقاہ سے وطن واپسی پر دو نصیحت، تواضع اور تقوی۔ نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مجھے غصہ پر بہت غصہ آتا ہے۔

۴۳ آپ کی خدمت میں جب کوئی شخص سر پر رومال یا تولیہ وغیرہ باندھ کر ملاقات کے لئے حاضر ہوتا تو اکثر فرمادیتے کہ بھائی مسلمانوں نے اپنی ٹوپی کو جوان کے سر کا تاج تھا اتار دیا اور غیروں کی نقل کرنے لگے اور فرماتے کہ میں اپنا ادب نہیں چاہتا، شریعت کا ادب چاہتا ہوں۔

۴۴ ارشاد فرماتے کہ وہ شخص ولی نہیں ہے جس کی برائی کرنے والے نہ ہوں۔

۴۵ ارشاد فرماتے کہ معاملات سب کے ساتھ صاف رکھنا چاہئے، باپ بیٹے، استاد و شاگرد، مرد و عورت کا کتنا ہی قریبی رشتہ ہو۔

۴۶ فرمایا کہ دوکاندار کے پاس سودے کیلئے جانا تو ضرورت میں داخل ہے اور سودا لیکر باتیں کرنا یہ اختلاط میں داخل ہے۔

۴۷ فرمایا کہ دوا سے زیادہ پرہیز کی ضرورت ہے اور صحبت بد سے بچنا پرہیز ہے۔

۴۸ فرمایا کہ رمضان شریف میں دو چیزوں کا اہتمام ہو، تقوی اور تلاوت۔

۴۹ فرماتے کہ دیکھو کسی غریب کو اس کی غریبی کی وجہ سے اور کسی گنہگار کو اس کے گناہ کی وجہ سے حقیر نہ سمجھنا۔

۵۰ فرمایا کہ وساوس مرض نہیں اور جب مرض نہیں تو علاج بھی نہیں۔

۵۱ وفات سے تقریباً ایک ماہ قبل ارشاد فرمایا کہ زبان کو حرکت دینے کی بھی ہمت نہیں، ضعف بیحد ہے، بہ تکلف بول رہا ہوں پھر بھی چند باتیں عرض کرتا ہوں۔ غور سے سنئے:۔

''تمام اعمال حسنہ استقامت کے ساتھ بالدوام مع حسن خلق و حسن کلام، نماز، روزہ، سنن، مستحبات کا التزام بلحاظ صحت و سہولت اہتمام کے ساتھ رہے۔ ذکر وتلاوت بقدر فرصت و سہولت جاری رہے۔ مطالعہ کا اہتمام رہے، یہ بہت ضروری ہے۔ حضرت والا (مولانا تھانویؒ) نوراللہ مرقدہ کی ''شریعت وطریقت'' اور امام غزالیؒ کی عربی کتاب کا ترجمہ ''تبلیغ دین'' زیر مطالعہ رہے۔ حضرت والا اس کتاب کو بڑے بڑے علماء کو مطالعہ کا تاکیدی حکم فرماتے تھے۔ نیز حضرت والا نوراللہ مرقدہ کی تفسیر ''بیان القرآن'' کا بھی مطالعہ رہے۔ تمام اعمال سیئہ سے حتی کی مشتبہات سے بھی اجتناب رہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے'' الحلال بین والحرام بین و بینهما مشتبهات '' (حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہات ہیں) لہٰذا ''فاستنزهوا عن المشتبهات'' (مشتبہ سے بچو) یہ ہے تقویٰ۔

اخلاق حمیدہ کا حصول برغبت اور اخلاق رذیلہ کا زوال بنفرت رہے۔ ان باتوں کا اثر یہ ہوگا کہ حسن کلام وحسن خلق

حاصل ہوگا اور ہوتا رہے گا۔ حسن کلام کی تعریف یہ ہے کہ الفاظ شستہ وشائستہ نرم آواز کے ساتھ ہوں۔ اور حسن خلق کی تعریف یہ ہے کہ حلم ہو جس کو ہماری زبان میں بردباری کہتے ہیں، جہاں کہیں کوئی بات خلاف طبیعت پیش آوے ناگوار ہو، اس کو کلام حسن سے ٹال دو، بردباری کے ساتھ، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے" واذا سمعوا اللغو اعرضوا عنه" جہاں کہیں ایسی بات پیش آئے اعراض کر جاؤ ٹال جاؤ، ایسی جگہ مت بیٹھو اور ایسا عمل مت کرو جو تہمت کا سبب بنے جیسا کہ حدیث شریف ہے" اتقوا مواضع التهم" تہمت سے بچنے کو نہیں فرمایا بلکہ ان جگہوں اور طریقوں سے بچنے کو فرمایا جو تہمت کا سبب بنیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ مرشدی ومولائی حضرت حکیم الامت مجدد الملت نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ دو لفظ ہیں۔ ایک دھیان دوسرا دھن۔ دھیان تو یہ ہے کہ ہر وقت اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اللہ تعالیٰ کا دھیان رہے۔ اور دھن یہ ہے کہ تزکیہ نفس کی ہر وقت دھن رہے۔ یہ دونوں باتیں بڑی عجیب ہیں ان پر عمل کرتے رہو، کسی کے معاملہ میں مت پڑو، دوسروں کے معاملات سے علیحدہ رہو۔ دوسروں کے معاملات میں پڑنا مشیخت کے خلاف ہے۔

کثرت ذکر اس طرح رہے کہ زبان ہر دم ذاکر اور

قلب توفیق ذکر و طاعت پر شاکر۔ لین دین اور معاملات کو
بالکل صاف رکھو۔ بس یہی باتیں ہیں جو بطور وصیت عرض کر
رہا ہوں اگر چہ ہمت نہیں پھر بھی بفضلہٖ تعالیٰ یہ وصیت کردی۔

خلاصہ **تصوف** بس حسن کلام کے ساتھ، اعمال حسنہ کا اہتمام بالدوام برغبت اور اعمال سیئہ سے اجتناب بنفرت اور زبان ذاکر اور قلب شاکر رہے۔ تزکیۂ نفس واصلاح نفس کی دھن اور اللہ تعالیٰ کا دھیان، یہ ہے سارے تصوف کا خلاصہ نچوڑ۔ بس اس پر عمل ہوتا رہے۔ یہ ارشاد عالی ہے میرے مرشد حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ نور اللہ مرقدہ کا۔

۵۲ پاکستان سے ایک صاحب کا خط آیا کہ وہاں کسی مقام پر جمعیۃ المسلمین کے نام سے ایک جماعت بنائی گئی ہے جس کے ہفتہ وار دو اجتماعات ہوتے ہیں اس میں ہر ممبر کی نماز باجماعت کا ہفتہ بھر کا جائزہ لیا جاتا ہے اور دوسرے دینی امور پر بھی عمل کرنے کی ہدایات ہوتی ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا :۔

”بغیر شیخ کامل کے کبھی بھی تکمیل اخلاق و اعمال کی نہیں ہوسکتی، ناممکن ہے۔ تکمیل بغیر شیخ کامل کے ہوسکے یہ عادۃً محال ہے۔ ہاں اگر مستقل طریقہ سے اس مہم کی پابندی کی جائے کتابیں سنائی جائیں، نفع تو ہوگا۔ مگر دینی امور میں ملکہ ورسوخ و تکمیل بلا شیخ کامل کی صحبت کے ناممکنات میں سے۔ ہے، خواہ اس کے لئے کتنی ہی ایسی جماعتیں مسلمانوں کی بنائی جائیں۔ ان جماعتوں سے اعمال کی تکمیل نہیں ہوسکتی“

۵۳ فرمایا کہ مبتدی کو مختلف اہل حق کے پاس بیٹھنا بھی مضر ہے پھر اہل باطل

مبتدع وغیرہ کے پاس بیٹھنے کے کیا معنی؟ ہاں اگر دونوں شیخوں کا مذاق ایک ہو تو اور بات ہے۔ حضرت والا نور اللہ مرقدہ مختلف الوان کے بزرگوں کے پاس بیٹھنے سے منع کرتے تھے کیونکہ طریق علاج مختلف ہوتے ہیں، رنگ مختلف ہوتے ہیں، اس میں طالب کا قلب مشوش ہو جاتا ہے۔ ابھی یہ مبتدی ہے اس کا قلب شیخ کے ساتھ جما نہیں ہے، بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو دوسری جگہ ہیں اپنے شیخ کے یہاں نہیں، مثلاً وہاں کرامات ہیں اپنے شیخ میں نہیں، وہاں شب بیداری ہے، نفل روزہ داری ہے یہاں نہیں۔ اب یہ مرید خیال کر رہا ہے کہ بجائے وہاں کے یہاں بیعت ہو جاتا تو اچھا تھا بس تشویش آگئی، نہ ادھر کا رہا نہ ادھر کا۔ بعض مشائخ صاحب توجہ ہوتے ہیں، یہ مرید توجہ میں جا کر بیٹھ گیا قلب میں سرسراہٹ اور رونق آگئی، اپنے شیخ کے یہاں برسوں بیٹھا ان میں سے کچھ بھی نہ ہوا۔ بس سمجھنے لگا کہ یہاں تری ہے میرے شیخ میں خشکی ہے تشویش پیدا ہو گئی یہ اس کو مضر ہے۔ مگر یہ حکم مبتدی کیلئے ہے لیکن اگر اعتقاد میں پختگی آگئی ہے کہ کہیں بھی جاتا ہے، کیسا ہی دیکھتا ہے اپنے شیخ کی طرف سے ذرہ اعتقاد میں فرق نہیں آتا اس کو مختلف مشائخ کے یہاں جانا مضر نہیں۔ یہ سلوک کا مسئلہ ہے جس طرح فقہ کے مسائل ہیں اسی طرح تصوف کے بھی مسائل ہیں۔

(از مجالس حصہ سوم ص ۱۳۵۔۱۳۶)

تبلیغی جماعت میں جانے والوں کو نصیحتیں

۱ تبلیغی جماعت کے کچھ حضرات ملاقات اور دعا کے لئے حاضر ہوئے تو ارشاد فرمایا:-

"تبلیغ کرنے کے لئے اول اخلاص ہو کہ رضائے الٰہی کے علاوہ اور کوئی غرض نہ ہو، مثلاً بیماری سے شفاء یا مقدمہ میں کامیابی وغیرہ کیونکہ اگر یہ نیت ہوئی اور کام نہ ہوا تو خیال کرے گا کہ چلہ بھی دیا اور پھر بھی فلاں کام نہ ہوا۔

دوسری شرط ہے علم کہ جس چیز کی تبلیغ کر رہا ہے اس کا علم ہو۔

تیسری شرط ہے حلم کہ کوئی کیسی ہی طبیعت کے خلاف بات کہدے، برداشت کرے کوئی پرواہ نہ کرے۔

چوتھی شرط ہے ترحم، شفقت اور مہربانی۔

اور پانچویں شرط ہے مامور ہونا یعنی کسی اہل کی جانب سے حکم دیا جانا۔

۲ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جی ہماری تبلیغی جماعت آئی ہوئی ہے، دعا کی درخواست ہے۔ حضرت نے دعا فرمائی کہ "اللہ تعالیٰ حدودِ شرع میں رہتے ہوئے اپنے اہل وعیال کے نان ونفقہ کے حقوق واجبہ کی ادائیگی کے ساتھ خوب خوب دین کی دعوت کا کام کرتے رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

۳ ایک صاحب نے تبلیغ میں جانے کی اجازت چاہی تو ان کے جواب میں تحریر فرمایا:-

"مکرم بندہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

تبلیغی سفر یا اجتماع وگشت میں اس طرح پر جائیں کہ گھر پر جو ذریعہ معاش ہو اس کو سنبھالنے والا کوئی دوسرا معتبر آدمی موجود ہو تا کہ سلسلہ معاش خراب نہ ہو جائے۔ مثلاً کاشتکار اپنی کھیتی باڑی اور اپنے جانوروں کو گھاس دانے کے لئے کوئی معتبر شخص چھوڑ کر جائے، اسی طرح تاجر کے لئے ہے کہ اس کی دوکان کو کوئی سنبھالنے والا موجود ہو۔ یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ بیماری یا موت کی حالت میں بھی تو ایسے حالات پیش آجاتے ہیں جن میں سلسلہ معاش خراب ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ حالات تو غیر اختیاری ہیں جن کا بندہ مکلف نہیں ہوتا۔ اس کا بھی خیال رکھیں کہ جب جائیں تو گھر پر رات کے لئے کوئی دوسرا شخص محرم معتبر موجود ہو اور دن میں باہر کام کے لئے کوئی آدمی ہو تا کہ روزانہ کی بازار وغیرہ کی ضرورت میں تنگی نہ ہو۔

قرض لے کر جانا نہ ہو اگر کچھ تھوڑا سا قرض لینا بھی ہو تو اس کی ادائیگی کی صورت وذریعہ اپنے پاس بظن غالب موجود ہو تا کہ قرضخواہوں کے تقاضے سے ذلت وشرمندگی نہ ہو۔

جن کی ملازمت ہو ان کی بخوشی اجازت ہو، جتنے دن رخصت ہو یا گھر جتنے دن کہہ کر جائے اتنے دن میں واپسی ہو، تا کہ گھر والوں کو تشویش نہ ہو اور اگر اتفاقاً رکنا یا روکنا معمولی چند دن کے لئے ہو تو گھر پر ڈاک وغیرہ سے اطلاع کر دیجائے

تاکہ گھر والوں کو انتظار و تکلیف کی پریشانی نہ ہو۔

علماء اور علم دین کی خدمت کو سب سے اعلیٰ و افضل و اقدم سمجھیں۔ علماء کی عظمت قلب میں بہت زیادہ ہو اور تبلیغ کا کام نہ کرنے والوں پر طعن و تشنیع و اعتراض نہ ہو۔

والسلام

احقر محمد مسیح اللہ عفی عنہ"

طالب علموں اور نوجوانوں کو نصیحتیں

۱ فرمایا کہ نوجوان بچو، جوانی میں جاندار بن کر رہو، جانور بن کر زندگی نہ گزارو کہ غصہ میں بالکل آپے سے باہر ہو جاؤ۔

۲ فرماتے کہ بچو، غلط جگہ بیٹھو گے تو اس کے چار نقصان ہیں۔ عزت جائے گی، صحت جائیگی، دولت جائے گی اور اپنے کام کی مشغولیت جائے گی۔

۳ فرماتے کہ زبان کی اور نگاہ کی حفاظت رکھو۔ بدنگاہی نہ ہو، بدکلامی نہ ہو۔

۴ فرماتے کہ بدترین صحبت سے بہترین آدمی بھی بدترین ہو جاتا ہے۔

۵ فرماتے جو کچھ کماؤ اسے اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھو اپنا کمال نہ سمجھو۔

۶ فرماتے کہ عزت کی حفاظت کے ساتھ زندگی گزاریں، ذلت سے اپنے کو بچائیں۔

۷ فرماتے سنیما اور ٹیلی ویژن بہت بڑا فتنہ ہے جس سے مسلمان بگڑتے چلے جا رہے ہیں۔

۸ فرمایا کہ گو برابر سرابر جواز کے اندر بدلہ لینے کی اجازت دی گئی ہے مگر حق تعالیٰ پسند اسی کو فرماتے ہیں کہ معاف کر دیا جائے۔

۹ چند نوجوان ملاقات کے لئے آئے تو انہیں نصیحت فرمائی کہ حرام سے بچتے ہوئے شریعت کے احکام کا لحاظ رکھتے ہوئے صنعت، تجارت، زراعت ہر جائز طریقہ سے خوب مال کماؤ خوب کھاؤ، اللہ تعالیٰ امن و عافیت سے نوازیں، ایمان کی مضبوطی آخر حیات تک جسموں کی تندرستی کے ساتھ کاروبار میں برکت کے ساتھ قائم رکھیں۔ آمین۔

۱۰ ارشاد فرماتے کہ سب سے بڑی نیکی نیکوں کے پاس بیٹھنا ہے اور سب سے

بڑی برائی بروں کے پاس بیٹھنا ہے۔

۱۱ فرمایا کہ لڑکوں کا لڑکوں کے پاس بیٹھنا فتنہ ہے۔ (یعنی ناجنس اور غیر شریف لڑکوں کے پاس بیٹھنے سے انہی کی طرح یہ بھی بدقماش ہو جائیں گے۔ احقر مرتب غفرلہ)

۱۲ ایک شخص ملاقات کیلئے آئے انکو رخصت کرتے وقت بطور نصیحت فرمایا کہ آنکھ، کان، زبان بند کرلو، بس اپنے کام سے کام۔ دوسری طرف نہ دیکھو، نہ سنو، نہ بولو۔ پھر دیکھو کیسی راحت ہی راحت ہے، اس میں تمام پریشانیوں سے حفاظت ہے۔ یہ تجربہ کی بات کہہ رہا ہوں۔

۱۳ حضرتؒ کے نواسوں نے ـــــ جو پاکستان میں رہتے ہیں ـــــ حضرت کی خدمت میں خط لکھا تھا، حضرت نے اپنے نواسوں کو جو جواب لکھا ہے وہ طالب علموں اور نوجوانوں کے لئے آب زر سے لکھنے کے لائق پند و موعظت پر مشتمل ہے، اسی مناسبت سے یہاں اس کو درج کیا جاتا ہے، آپ نے تحریر فرمایا:۔

"از محمد مسیح اللہ

عزیزان من سلمہم اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہاں سب بخیر و عافیت ہیں، الحمد للہ بندہ بھی بفضلہ تعالیٰ بخیر و عافیت ہے، الحمد للہ اچھی صحت ہے، مرض تو تقریباً نہ ہونے کے درجہ میں ہے۔ ابھی ضعف کافی ہے، مسجد صرف فجر کے وقت جانا ہوتا ہے، ابھی گھر بھی جانا نہیں ہوتا۔ آپ صاحبان بلا رہے ہیں، یہ آپ عزیزان کی محبت ہے لیکن اس قدر ضعف، ایسے میں سفر کس طرح؟ اللہ تعالیٰ سفر کے لائق بنا دیں۔ آمین۔

آپ عزیز بھائیوں کے شوق سے پڑھنے کی تمنا سے
اور نمازوں کا شوق ہونے سے خاص خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ
مضبوطی استقلال عطا فرمائیں۔ آپ عزیز ان کو پڑھنے سے
کام، کتابوں کا مطالعہ، اسباق کی پابندی، غور سے سبق سننا، پھر
یاد کرنا، بار بار دیکھتے رہنا، کھیل سے اور ادھر ادھر جانے آنے
سے پرہیز کرنا چاہئے۔ دیکھو، غلط کام تو غلط ہی ہے، اس سے
زیادہ غلط، غلط مقام پر بیٹھنا ہے، اس طرح اچھا خاصا نیک
شریف آدمی بھی بگڑ جائے گا (الحذر کل الحذر) چھوٹوں پر
شفقت، بڑوں کی عظمت یہ ہے بڑی شرافت۔ خاندانی
تہذیب کو محفوظ رکھنا یہ بڑے حوصلہ کی بات ہے۔ تعلیم کے
وقت مدرسہ، نماز کے وقت مسجد، باقی وقت گھر، کتابوں کا
مطالعہ، اگر کچھ کام ہو تو کرلیا، وقار کے ساتھ رہنا، غصہ سے نہ
رہنا، فضول لغو کلام سے پرہیز ہونا بڑی شرافت ہے۔ اور
دیکھو، سب کو ایسے لڑکوں سے محبت ہوتی ہے، لحاظ بھی ہوتا
ہے۔ بس اپنے کام سے کام رکھو۔ آپ بھائیوں کے خط سے
دل بہت خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ اعمال میں استقامت سے
نوازیں، تواضع سے نوازیں، اپنے چھوٹے بھائی بہن کو سلام۔
اللہ تعالیٰ بعافیت رکھیں۔ والسلام

ماہ صفر ۱۴۰۹ھ۔ اکتوبر ۱۹۸۸ء

(ضیاء السالک جلد ۱ ص ۲۹۹۔۳۰۰)

پریشان حالوں کیلئے مضمون شفاء

ایک صاحب نے حضرت مسیح الامتؒ کی خدمت میں اپنی پریشانیوں اور مصائب کے متعلق عریضہ لکھا تھا، حضرت نے ان کو جو جواب تحریر فرمایا وہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔ زندگی میں اس طرح کے حالات لوگوں کو پیش ہی آتے رہتے ہیں اور ایسے مواقع پر عام طور سے لوگ مایوسی وغیرہ کا شکار ہو جاتے ہیں اس خط میں اس کا علاج اور تسلی وسکینت کا پورا سامان موجود ہے حضرت نے تحریر فرمایا:۔

''محمد مسیح اللہ

مکرم زید مجدہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عزیز من ، یہ عالم اسباب ہے اور اللہ تعالیٰ کو مومن بندہ سے بہت محبت ہے اور بندۂ مومن کو بھی اللہ تعالیٰ سے محبت ہے ''الذین آمنوا اشد حباً للہ'' آیت شریفہ شاہد ہے۔ اسی لئے مومن کیسا بھی ہو اللہ تعالیٰ کی شان میں تو کیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھی گستاخی برداشت نہیں کرتا۔ اس لئے جب محبوب کی طرف سے کوئی بات طبیعت کے خلاف ہو تو بندۂ مومن مٹھاس کی طرح اس کو پیتا ہے کیونکہ وہ محبت کی چٹکی ہے۔ انبساط ونشاط اس کے دل میں ہوتا ہے گو جسم کو تکلیف ہو۔

بس جس کام کو کرنا ہے اس عالم اسباب میں کہ اسکے اسباب بھی اس محبوب حقیقی نے پیدا فرمادئے ہیں اسلئے صحیح

اسباب کو مضبوطی کے ساتھ جم کر اختیار کرے اور انجام کو محبوب حقیقی کے سپرد کر دے اور پھر جو پیش آوے اس پر رضا۔ سمجھے کہ اسی میں میرے لئے خیر ہے، مصلحت ہے، نفع ہے۔ اس کے خلاف ہوتا تو نہ معلوم کیا شر ہوتا۔ باری تعالیٰ کا خطاب ہے ”عسی ان تکرھو ا شیئاً فھو خیر لکم و عسی ان تحبوا شیئاً فھو شر لکم“ اسلئے مومن کو ہمیشہ دلشاد رہنا چاہئے۔ ایمان مضبوط اور اعمال میں استقامت دائمی۔ دعا برابر ہوتی رہے اور بس تفویض وتسلیم۔ اللہ تعالیٰ آپکو آپ کے مقاصد میں بخیر و خوبی کامیاب فرمائیں، ہر قسم کی برکات سے نوازیں۔ آمین۔ والسلام“

(ضیاء السالک جلد ۱ ص ۳۲۲)

فرماتے کہ پریشانی کو شان کے ساتھ پرے کر دو، اور سکون کے ساتھ رہو۔

اسہل و احوط کو اختیار کریں اور حال کا اہتمام کریں

ارشاد فرمایا کہ میں نے تو اپنے حضرت مولانا تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سنا ہے کہ ہر کام میں اسہل و احوط طریق اختیار کرنا چاہئے، خواہ مخواہ صعوبت و مشقت میں نہیں پڑنا چاہئے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے اگر سواری میں چلنے کے لئے پیسے دئے تو پھر پیدل کیوں چلے؟ اور اگر اللہ تعالیٰ نے زیادہ پیسے دئے کہ پوری کار کرایہ پر لے سکتا ہے پھر بس کا انتظار کیوں کرے؟ اور اگر اللہ تعالیٰ نے اتنے پیسے دئے کہ اپنی ذاتی کار خرید سکتا ہے تو پھر کرایہ کی کار میں کیوں بیٹھے؟۔

دوسری بات یہ ہے کہ زمانہ تین ہیں۔ ماضی، حال، مستقبل۔ ماضی کا غم نہیں لہذا اس میں جو ہوا سو ہوا۔ اس لئے اگر ماضی میں گناہ ہو گیا تھا تو اس سے توبہ کرلو اور خوب جی بھر کر توبہ کرلو، اس کے بعد اس گناہ کو مت سوچو بلکہ اس سے بے خیال ہو جاؤ۔ اور اگر کچھ نقصان ہو گیا تھا تو اس سے سبق حاصل کرلو، آئندہ اس سے بچئے کہ تدبیر اختیار کرو، محض غم کرنے سے کیا فائدہ ؟ اور مستقبل کا فکر نہیں کہ یوں ہو، ووں ہو، بس حال کا اہتمام کہ جس کام کا جس وقت جو صحیح طریقہ ہے اس کام کو اس طریقہ سے انجام دینا۔

لہذا اس بیان کا خلاصہ یہ ہوا کہ (۱) تمام کاموں میں اسہل و احوط طریق اختیار کرنا چاہئے۔ (۲) ماضی کا غم نہیں (۳) مستقبل کا فکر نہیں، بس حال کا اہتمام۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کبھی کسی سے امید نہ رکھو

ایک سالک طریق نے اپنے ایک طویل عریضہ میں یہ بھی لکھا تھا کہ برسوں پہلے جلال آباد شریف میں آنحضور کی زبان مبارک سے سنا ہوا ہے قطب عالم گنگوہی علیہ الرحمہ کا یہ ارشاد کہ:۔

”کبھی کسی سے کوئی امید نہ رکھو“ (اوکما قال) اس پر

جواب تحریر فرمایا:۔

”جی ہاں، کبھی بھی کسی قسم کی بھی کسی سے بھی کوئی امید مت رکھو“ پھر بعد سکتہ فرمایا ”مجھ سے بھی“

مکتوب نگار نے اسکے آگے لکھا تھا کہ حضرت گنگوہیؒ کا یہ قول زندگی کے نشیب وفراز میں مشعل راہ کا کام دیتا ہے۔

اس پر تحریر فرمایا:۔

”جی ہاں، کیا عجیب توحید وتوکل ہے“

(ضیاء السالک جلد ا ص ۳۲۱)

باب ۶

کشف وکرامت اور قبولیت دعا

کشف وکرامت اور قبولیت دعاء

اللہ کے جو بندے اللہ ہی کے ہوجاتے ہیں —— جن کو عرف میں اہل اللہ، اولیاء اللہ اور بزرگ کہا جاتا ہے —— وہ اپنی زندگی ریاضت ومجاہدہ، زہد وتقوی اور تفویض وتسلیم کی جن کیفیات کے ساتھ گزارتے ہیں حق تعالیٰ اس کے صلہ میں اکثر انھیں اس دنیا میں بھی ایسے عطایا اور عنایات سے سرفراز فرماتے ہیں جو اسباب مادی سے ماوراء ہوتے ہیں اور جسکے نتیجہ میں خلق خدا کو ان کی ذات سے دینی ودنیوی اور مادی وروحانی بیشمار فوائد اور منافع حاصل ہوتے ہیں۔ انہیں عطایا میں سے کشف وکرامت اور قبولیت دعا کا تحفہ اور عطیہ بھی ہے۔ یہ اصحاب رشد وہدایت اہل اللہ کے خلق خدا کے درمیان تعارف کا ذریعہ بھی بن جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں ان کی تعلیمات وہدایات کا حلقہ اثر وسیع تر ہوتا جاتا ہے اور مخلوق ان سے مادی وروحانی دونوں طرح کے فیوض سے بامراد ہونے لگتی ہے، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ کشف یا کرامت بزرگی کے لئے معیار یا شرط لازم ہے کہ جو صاحب کشف وکرامت ہو وہ تو بزرگ ہے اور جو ایسا نہ ہو وہ بزرگ نہیں، بلکہ ولایت کا اصل معیار تقوی اور اتباع سنت ہے اور بس، اگر کوئی شخص صاحب تقوی اور متبع سنت ہے تو وہ اللہ کا ولی اور بزرگ ہے گو اس سے ایک بھی کشف وکرامت کا ظہور نہ ہو۔ اور اصل تو یہ ہے کہ کشف وکرامت بھی اسی وقت معتبر ہے جب اتباع شریعت کے ساتھ ہو اور اگر اتباع شریعت کے بغیر ہے تو اس کی حقیقت شعبدہ بازی سے زیادہ نہیں ہے۔ حضرت مسیح الامتؒ اپنی کتاب ”شریعت وتصوف حصہ دوم“ میں کشف کے بیان میں تحریر فرماتے ہیں:۔

”یہ (کشف) بھی ایک حال رفیع ہے جب کہ اتباع شرع کے ساتھ ہو، عالم غیب کی اشیاء کا منکشف ہونا کشف کہلاتا

ہے۔ بخاری و مسلم و ترمذی شریف میں حضرت انس بن نضرؓ کا قول مروی ہے فرمایا کہ میں جبل احد کے پیچھے سے جنت کی خوشبو پاتا ہوں۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے غزوۂ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں دو شخص دیکھے جن پر سفید کپڑے تھے اور سخت لڑائی لڑ رہے تھے میں نے ان کو نہ پہلے کبھی دیکھا تھا نہ بعد میں دیکھا۔ یعنی وہ دونوں فرشتے جبرئیل و میکائیل علیہما السلام تھے (بخاری و مسلم) ان کا حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو نظر آجانا حدیث میں صراحۃً مذکور ہے تو مدلول حدیث کشف ملائکہ ہے" (جلد۲ ص۱۰۶)

یہ تو تھی کشف کی حقیقت اور اس کی دلیل، آگے اس کی قسموں کی تفصیل دی ہے اور پھر تحریر فرمایا ہے:۔

"انتباہ:۔ بزرگوں کو جو کشف ہوتا ہے ان کے اختیار میں نہیں، یہاں تک کہ نبیوں کا کشف بھی ان نبیوں کے اختیار میں نہیں۔ دیکھ لیجئے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو مدت تک یوسف علیہ السلام کی خبر نہ ہوئی اور جب خبر آنے کا وقت آیا تو میلوں سے حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتہ کی خوشبو آنے لگی۔ بس معلوم ہوا کہ یہ ضروری نہیں کہ بزرگوں کو ہر وقت کشف ہوا کرے" (جلد۲ ص۱۰۸)

اس کے بعد ایک بہت ہی اہم انتباہ فرمایا ہے جس پر متنبہ نہ ہونے ہی کی وجہ

سے کتنے لوگ غلطی میں مبتلا ہیں۔ اور غیر مقصود کو مقصود اور غیر مطلوب کو مطلوب سمجھے بیٹھے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

انتباہ:۔ یاد رکھئے کہ کشف ہونا کوئی بڑا کمال نہیں۔ یہ مجاہدہ و ریاضت سے کافر کو بھی ہونے لگتا ہے، مجنونوں کو بھی کشف ہوتا ہے۔ اسلئے کشف بالکل قابل التفات نہیں ہے" (جلد۲ ص۱۰۸)

اور "کرامت" کی توضیح فرماتے ہوئے اسی کتاب میں لکھتے ہیں:۔

"کرامت یہ ہے کہ جو کسی نبی کے متبع کامل سے خلاف عادت الٰہی کوئی بات صادر ہو اور اسباب طبعیہ سے وہ اثر نہ پیدا ہوا ہو۔ خواہ وہ اسباب جلی ہوں یا اسباب خفی ہوں۔ پس اگر وہ امر خلاف عادت نہ ہو یا اسباب طبعیہ جلی یا خفی سے ہو تو وہ کرامت نہیں ہے" (ایضاً ص۱۰۸)

آگے تحریر فرماتے ہیں:۔

"انتباہ:۔ جو شخص اپنے کو کسی نبی کا متبع نہیں کہتا وہ بھی کرامت نہیں، جوگیوں، ساحروں وغیرہ سے بعض ایسے امور صادر ہو جاتے ہیں اسی طرح اگر وہ شخص مدعی اتباع نبی کا تو ہے مگر واقع میں متبع نہیں ہے خواہ اصول میں خلاف کرتا ہو جس طرح اہل بدعت، یا فروع میں خلاف کرتا ہو جیسے فاسق فاجر مسلمان۔ اس سے بھی اگر ایسا امر صادر ہو تو وہ بھی کرامت نہیں ہے بلکہ استدراج ہے، اور یہ سخت مضر ہے کہ یہ شخص خرق عادت ہو

نے کی وجہ سے اپنے کو کامل سمجھے گا اور اس دھوکہ میں کبھی حق کے طلب کرنے اور اتباع کرنے میں کوشش نہیں کرے گا، نعوذ باللہ۔ یہ بڑا خسران ہے۔ پس کرامت اس وقت کہلائے گی جب کہ اس کا محل صدور مومن متبع سنت کامل التقوی ہو‘‘
(ایضاً ص ۱۰۹)

مزید تفصیل لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

’’اس سے (یعنی یہ کہ کرامت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس ولی کو اس کا علم یا اس کا قصد ہو) معلوم ہوا کہ ولایت کیلئے کرامت کا ظہور یا وجود ضروری نہیں۔ چنانچہ بعض صحابہ سے عمر بھر ایک بھی خرق عادت کا صدور ووقوع نہیں ہوا حالانکہ حضرات صحابہ سب کے سب اولیاء تھے، بلکہ تمام اولیاء سے افضل تھے، چونکہ فضیلت کا مدار قرب الٰہی اور اخلاص عبادت ہے۔

شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ بعض اہل کرامت نے مرنے کے وقت تمنا کی ہے کہ کاش ہم سے کرامتیں ظاہر نہ ہوتیں تا کہ اس کا عوض بھی آخرت میں ملتا کیونکہ یہ امر ثابت ہے کہ نعمت دنیا میں سے کسی بھی نعمت میں جس قدر کمی رہے گی اس کا اجر وبدلہ قیامت میں ملے گا۔ گو بعض اولیاء ایسے بھی ہوئے ہیں کہ انتقال کے بعد بھی ان سے خوارق وتصرفات سرزد ہوتے رہے اور یہ بات حد تواتر کو پہنچ گئی ہے‘‘ (ایضاً ص ۱۱۰)

یہاں پر یہ بھی معلوم کر لینا ضروری ہے کہ کرامت کی دو قسمیں ہیں۔ایک حسی اور دوسری معنوی،اس کی وضاحت فرماتے ہوئے حضرت مسیح الامتؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

''عموماً لوگ فقط حسی کرامت کو جانتے ہیں اور اسی کو کمال شمار کرتے ہیں اور وہ حسی مثلاً یہ ہے کہ دل کی بات پر مطلع ہو جانا، پانی پر چلنا، ہوا پر اڑنا، ایک ہی وقت میں دو جگہ یا چند جگہ پر نظر آنا، زمین میں دھنس کر اندر ہی اندر تیر کر اوپر آجانا، ذرہ سی دیر میں کہیں سے کہیں پہنچ جانا، بے موسم پھل لا دینا وغیرہ۔اور اوپر تفصیل سے بیان آچکا ہے کہ یہ چیزیں تو ریاضت سے جوگی وغیرہ غیر مسلموں سے بھی صادر ہو جاتی ہیں اور مسلمان فاسق سے بھی بہ سبب ریاضت یا بسبب شمول امور طبعیہ مثل مسمریزم، فریمس، ہمزاد، عملیات نقوش طلسمات، شعبدات، ادویات کی تاثیرات عجیبہ، سحر، نظر بندی وغیرہ۔بعض تو ان میں کی محض خیالی چیزیں ہیں اور بعض واقعی بھی ہیں تو اسباب طبعیہ خفیہ سے متعلق ہیں۔کرامت ان سب فضولیات سے پاک ہے...........اسی لئے جو لوگ ایسی حسی خرق عادات کو ولایت کی نشانی گمان کرتے ہیں وہ دجال کے دجل وفریب اور جال میں پھنس کر معتقد ہو جائیں گے حتی کہ بعض ایسے مولوی بھی جیسا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فرمایا ہے۔

پس ولی کی ولایت کا معیار کرامت معنوی ہے،اس

کرامت کے ساتھ کرامت حسی کا ظہور ہو یا نہ ہو۔ اگر فیض حاصل کرنا ہے تو کرامت معنوی دیکھو۔ خواص کے نزدیک، اہل بصیرت اہل نظر کے نزدیک بڑا کمال یہی کرامت معنوی ہے یہی اصل ہے جس کا حاصل شریعت پر مستقیم رہنا، مکارم اخلاق کا خوگر ہو جانا، اعمال صالحہ، نیک کاموں کی پابندی اور بے تکلفی سے صادر ہونا، اخلاق رذیلہ کبر، حسد، ریا، حقد، کینہ، حب جاہ، حب مال، حب دنیا، حرص وطمع، طول امل، غضب وغیرہ تمام صفات مذموم سے پاک ہونا اور کوئی سانس غفلت میں نہ گزرنا، اللہ تعالیٰ کا دھیان دل سے نہ اترنا، طاعات کا طبیعت میں جمانا، معاصیات کا طبعی نفرت تک پہنچ جانا، اتباع سنت ہر کام میں بے ارداہ ہونا۔ یہ وہ کرامت ہے جس میں استدراج کا احتمال ہی نہیں، بخلاف پہلی قسم حسی کے کہ اس میں استدراج کا احتمال موجود ہے" (ایضاً ص ۱۱۱۔۱۱۳)

پس اصل کرامت تو کرامت معنوی ہی ہے تاہم کرامت حسی کی اہمیت وعظمت بلکہ اس کی افادیت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا بلکہ کرامت کا لفظ جب مطلقاً بولا جاتا ہے تو اس سے کرامت کی یہی قسم حسی ہی متبادر ہوا کرتی ہے، اس قسم کی کرامتوں کا ذکر قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں بھی آیا ہوا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کے واقعہ میں مذکور ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے جب ان کے پاس بے موسم کے پھل وغیرہ دیکھے تو دریافت فرمایا "یا مریم انی لک هذا قالت هو من عند الله" (اے مریم، یہ بے موسم کی چیزیں تمہارے پاس کہاں سے آگئیں، مریم نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس

سے آئی ہیں۔اور بخاری شریف میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب وہ مشرکین مکہ کی قید میں لوہے کی بیڑیوں میں مقید تھے تو دیکھا گیا کہ وہ انگور کھا رہے ہیں حالانکہ اس وقت مکہ میں کہیں پھل اور میوہ کا پتہ اور نشان تک نہ تھا—— اسی بناء پر اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ ''کرامات اولیاء حق اور ثابت ہیں'' اور بشرط اتباع شریعت حالات رفیعہ میں سے بھی ہیں اگرچہ نہ مقصود ہیں اور نہ ولایت کیلئے لازم—— چونکہ اس سلسلہ میں لوگ افراط وتفریط میں مبتلا ہیں اسلئے مختصراً اتنا لکھ دینا ضروری معلوم ہوا ''لیحی من حی عن بینة و یهلک من هلک عن بینة''۔

جہاں تک حضرت مسیح الامتؒ کی زندگی علمی، عملی، ارشادی اور اصلاحی کا تعلق ہے تو اس پر آپ کی کتاب زندگی کا ایک ایک ورق شاہد ہے کہ آپ کی ذات اتباع سنت اور استقامت علی الشریعہ کا جیتا جاگتا نمونہ تھی جو سب کرامتوں سے بڑھ کر کرامت ہے کہ ''الاستقامۃ فوق الکرامۃ'' اور زندگی کا یہی رخ درحقیقت رشد وہدایت کا سرچشمہ اور اہل عقیدت ومتوسلین کے لئے قابل تقلید نمونہ ہوتا ہے۔رہیں حسی کرامتیں تو چونکہ وہ بھی بہت سے لوگوں کے لئے باعث کشش ہوکر موجب عقیدت ومحبت ہوجاتی ہیں جس کے نتیجہ میں اصلاح وہدایت کی توفیق حاصل ہوجایا کرتی ہے اس لئے سوانح نگاروں کا معمول رہا ہے کہ بزرگوں کے حالات کے ضمن میں ان کی کرامات کا تذکرہ بھی کرتے ہیں اس بناء پر ہم بھی یہاں حضرت مسیح الامتؒ کے کشف وکرامات اور قبولیت دعا کے چند واقعات بہ طور نمونہ ذکر کرنا مناسب خیال کرتے ہیں۔

مولانا سید غلام محمد افریقی بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ حضرتؒ کے ساتھ مظفر نگر گئے، واپس میں ایک جگہ مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا، حضرتؒ نے ڈرائیور کے پاس کہلایا کہ تھوڑی دیر کے لئے بس روک دے تاکہ ہم مغرب کی نماز پڑھ لیں۔ڈرائیور نے

کہا کہ گاڑی لیٹ چل رہی ہے آپ لوگ شاملی میں چل کر نماز پڑھ لیجئے گا۔ ڈرائیور کا اتنا کہنا تھا کہ اچانک بس رک گئی، ڈرائیور نے بہت کوشش کی لیکن اسے نہ چلنا تھی نہ چلی۔ حضرت نے مولانا غلام محمد صاحب سے فرمایا کہ بھائی بس تو رک ہی گئی ہے اتر کر نماز پڑھ لیں، چنانچہ اطمینان کے ساتھ نماز ادا کی گئی اور جیسے ہی حضرت نماز سے فارغ ہوئے بس اسٹارٹ ہوگئی۔ اب بس کے ڈرائیور کو خیال ہوا تو اس نے آکر معافی مانگی، حضرت نے فرمایا کہ بھائی کچھ نہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کی مصلحت ہے۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ حضرتؒ برطانیہ کے سفر کے دوران باٹلی سے کسی دوسرے مقام پر تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں دو تین سپاہی شاہی گھوڑے پر سوار جا رہے تھے، یہ شاہی گھوڑے نہایت خوبصورت، بلند قد وقامت والے اور سدھے ہوئے تھے، جب حضرتؒ کی کار ان کے قریب پہنچی تو وہ گھوڑے راستہ کے بیچ میں کھڑے ہو گئے، سپاہیوں نے ہر چند کوشش کی مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ ان کے بیچ راستہ میں کھڑے ہونے کی وجہ سے چلنے والی کاریں اور سواریاں رک گئیں، ازدحام ہو گیا، یہ دیکھ کر حضرت نے فرمایا کہ گھوڑے ہٹیں گے نہیں تم اپنی کار آگے نکال لو۔ چنانچہ حضرتؒ کی کار آگے نکل کر جب ان گھوڑوں کے سامنے گزری تو گھوڑوں نے پچھلے پیروں پر کھڑے ہو کر اپنے طریقہ کے مطابق سلامی دی پھر وہ گھوڑے وہاں سے روانہ ہو گئے اور راستہ صاف ہو گیا، جب حضرت کی کار وہاں سے گزر گئی تو ارشاد فرمایا کہ ایک جانور اللہ کی مخلوق گھوڑا ابھی جانتا ہے کہ یہاں سے کوئی مسلمان گزر رہا ہے۔

برطانیہ ہی کا واقعہ ہے کہ لندن میں ایک مسجد کے مینار کی تعمیر کی اجازت حکومت کی طرف سے نہیں مل رہی تھی اور قانونی دشواریاں پیدا ہو گئی تھیں۔ حضرت کی خدمت میں دعا کی درخواست کی گئی، حضرت نے دعا فرمائی اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اب کی مرتبہ اگر

آؤں گا تو اپنی نظروں سے انشاء اللہ العزیز اس کو تیار دیکھوں گا۔ چنانچہ حضرتؒ کی دعا کی برکت سے اس کی تعمیر کی اجازت مل گئی اور مینار کی تعمیر مکمل ہوگئی اور اس کے بعد حضرت جب لندن تشریف لے گئے تو اس کو دیکھ کر بہت مسرت کا اظہار فرمایا۔

جلال آباد کے قریب ہی کی کسی بستی سے ایک عورت آئی اور عرض کرنے لگی کہ حضرت، میرے لڑکے کو ڈاکو اٹھائے لے گئے ہیں، دعا فرمادیں کہ میرا لڑکا آجائے، حضرتؒ نے دعا فرمائی کہ ''خدا کرے وہ ڈاکو سو جائیں اور تیرا لڑکا موقع پا کر بھاگ کر نکل آوے'' جس روز وہ عورت دعا کیلئے آئی تھی اس کے تیسرے روز لڑکا صحیح سلامت اپنے گھر واپس آگیا۔ اس نے بتایا کہ ڈاکو مجھے جنگل میں لئے گئے تھے، وہ سب وہاں سو گئے اور میں موقع پا کر چپکے سے بھاگ کر نکل آیا۔ یعنی حضرت نے جس طرح دعا فرمائی تھی بعینہ وہی صورت پیدا ہوئی۔

اسی طرح کا ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ جمعرات کا دن تھا، آپ حسب معمول بیٹھے ہوئے خط بنا رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ میرا لڑکا قتل کے مقدمہ میں گرفتار ہوگیا ہے آپ کہہ دیجئے کہ وہ چھوٹ جائے، آپ نے فرمایا کہ یہ میں کیسے کہہ دوں کہ وہ چھوٹ جائے ہاں میں دعا کرتا ہوں کہ خدا کرے وہ جیل سے چھوٹ جائے۔ اس پر اس شخص نے نہایت اصرار کیا کہ نہیں حضرت، آپ کو یہ کہنا ہی پڑے گا کہ وہ چھوٹ جائے، جب تک آپ یہ نہیں گے میں جاؤں گا نہیں، جب اس نے بار بار اصرار کیا اور پیچھے ہی پڑ گیا تو حضرت والاؒ نے فرمایا کہ جاؤ، چھوٹ جائے گا انشاء اللہ۔ تیسرے روز وہ شخص یہ اطلاع لے کر آیا کہ حضرت، میرا لڑکا جیل سے رہا ہوگیا۔

حضرت والاؒ نے خود ایک بار اپنا یہ واقعہ سنایا کہ میں دہلی گیا ہوا تھا، جہاں قیام تھا اس کے قریب ہی ایک مسجد تھی، میں پنجوقتہ نماز پڑھنے کے لئے اس مسجد میں جایا کرتا تھا

وہاں کے امام ایک عالم تھے ان سے ملاقات اور گفتگو ہوئی تو انھوں نے کہا کہ آج کل ہمارے شیخ آئے ہوئے ہیں، اشراق کے بعد آپ ہمارے ساتھ چلئے، میں نے عذر کر کے ٹال دیا اور عرض کر دیا کہ میرا دل نہیں چاہتا، انھوں نے دوسرے وقت پھر کہا تو چونکہ کئی دفعہ کہہ چکے تھے اور میری طبیعت میں مروت ہے لہٰذا کہدیا کہ اچھا بھائی چلوں گا۔ چنانچہ وہاں گئے وہ بزرگ نقشبندی سلسلہ کے تھے، ایک مسجد کے حجرہ میں ٹھہرے ہوئے تھے، اس وقت ان کا حلقہ جاری تھا، لوگ بیٹھے ہوئے تھے، میں بھی جا کر بیٹھ گیا، وہ شیخ خود چادر اوڑھے ہوئے تھے، ہر شخص پر یکے بعد دیگرے توجہ دے رہے تھے، میں بالکل اخیر میں کنارہ پر بیٹھا ہوا تھا، جب وہ میری طرف متوجہ ہوئے تو میرے قلب میں کچھ سرسراہٹ سی ہوگئی، اس وقت میری جوانی کی عمر تھی، مجھے بھی اپنے حضرت کی نسبت کی وجہ سے کچھ غیرت سی آئی لہٰذا اس کی وجہ سے میں بھی ان نقشبندی بزرگ کی طرف متوجہ ہوا۔ میرے توجہ کرنے سے وہ چادر ہٹی اور تقریباً آڑے سے گرنے ہی تھے کہ احقر نے توجہ ہٹالی، وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد جب تھانہ بھون حاضری ہوئی تو کاغذ پر اس واقعہ کو لکھ کر روزانہ کی ڈاک کے لیٹر بکس میں ڈالدیا جو خانقاہ کی مسجد کے منبر پر جواب کے لئے رکھا رہتا تھا، چنانچہ حضرت والاؒ کا جواب مسجد کے منبر پر آ گیا۔ حضرت والا (مولانا تھانویؒ) نے تحریر فرمایا تھا کہ انھوں نے تو لغو کھیل کا کام کیا ہی تھا، آپ نے بھی لغو کھیل کا کام کیا، لہٰذا بیس رکعتیں پڑھو۔ حضرت والا نے سزا دے دی، چنانچہ وہیں مسجد میں فوراً بیس رکعتیں پڑھیں۔ حضرت والا (مولانا تھانویؒ) نے اس کو کھیل قرار دیا کہ یہ جوان ہیں، ان کی توجہ میں اثر ہے، کچھ طاقت سی ہے، نہ معلوم آگے چل کر کسی پر کیا توجہ کر دیں لہٰذا اس کو ہٹاؤ، اسلئے بیس رکعت کی سزا دیدی، پھر اس کے بعد توجہ نہایت مضمحل ہوگئی، ویسے بھی وہ جوانی کا وقت تھا۔

سفر افریقہ کے دوران ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میرے والد صاحب بیمار ہیں، پیروں میں رعشہ کا مرض ہے حضرت دعا فرمادیں اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرمادیں۔ حضرت والاؒ نے دعا فرمادی، جس وقت آپ نے دعا فرمائی وہ مریض کسی دوسرے مقام پر تھے اور اس وقت نماز پڑھ رہے تھے، حضرت کے دعا فرماتے ہیں نماز ہی کی حالت میں ان کو شفاء ہونی شروع ہوگئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اللہ تعالیٰ کے فضل سے مرض بالکل ختم ہوگیا اور وہ صحتیاب ہوگئے۔

سفر افریقہ ہی میں کسی جگہ آپ کسی کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے، جو صاحب حضرتؒ والا کے ساتھ وہاں گئے ہوئے تھے ان کو قبر کی شناخت میں شبہ ہو گیا اور وہ یہ نہ بتا سکے کہ وہ قبر کون سی ہے، تو حضرت نے خود ہی فرمایا کہ ''یہ قبر ہوگی'' پھر اسی کے پاس کھڑے ہوکر فاتحہ پڑھی اور ایصال ثواب کیا۔ بعد میں تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ واقعۃً وہی قبر ان صاحب کی تھی جس پر آپ نے فاتحہ پڑھی۔

ایک صاحب کسی دوسرے شیخ سے بیعت تھے اور حضرت والاؒ سے بھی محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ ایک روز انھوں نے سوچا کہ لاؤ، حضرت سے بھی بیعت ہو جاؤں اور اسی ارادہ سے مجلس میں حاضر ہوئے۔ حضرتؒ نے ان کی طرف دیکھتے ہی فرمایا کہ جب ایک عورت نے ایک شوہر سے نکاح کرلیا ہے تو پھر دوسرے مرد سے نکاح کی ضرورت کیوں ہوئی؟ شیطان ایسا دھوکہ کیوں دے رہا ہے؟ بس یہی کہنا پڑتا ہے کہ لوگ دین کو کھیل بنانا چاہتے ہیں۔ وہ صاحب سمجھ گئے کہ مجھ ہی کو کہا جارہا ہے، انھوں نے عرض کیا کہ حضرت جی، میری بڑی غلطی ہے میں جاہل آدمی ہوں اب انشاء اللہ ایسی غلطی نہیں کروں گا۔

ایک دفعہ مدرسہ کے ایک طالب علم نے عرض کیا کہ حضرت فلاں کام کی وجہ سے مظفر نگر ہو آؤں؟ حضرت نے فرمایا کہ آج ہی جاکر کیا کروگے؟ کل چلے جانا۔ انھوں نے

اپنے دل میں سوچا کہ حضرت حکم تو فرما نہیں رہے ہیں، رائے ہی دے رہے ہیں۔ بس تو آج ہی ہو آؤں۔ یہ سوچ کر وہ مظفرنگر جانے کے لئے بس اڈہ پہنچے اور ٹکٹ لے کر سوار ہی ہونے والے تھے کہ ایک دوسرے طالب علم نے یہ اطلاع دی کہ آپ کے فلاں مہمان تشریف لائے ہیں۔ اور آپ کو بلا رہے ہیں، یہ معلوم ہونے پر وہ فوراً واپس آ گئے، شام کو معلوم ہوا کہ جس بس میں یہ مظفرنگر جانا چاہتے تھے "بگھرہ" کے قریب وہ حادثہ کا شکار ہو گئی جس کے نتیجہ میں کافی جانی اور مالی نقصان ہوا۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت سید حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ——— خلیفہ حضرت مسیح الامتؒ و داماد حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ، سابق کمشنر و ممبر ریونیو بورڈ ——— نے اس حقیر کو سنایا تھا کہ وہ جس زمانہ میں میرٹھ میں غالباً کلکٹر تھے حضرت سے ملاقات کے لئے جلال آباد گئے، واپسی کے وقت حضرت نے خلاف معمول فرمایا کہ مناسب ہوگا کہ رک جائیں صبح چلے جائیے گا، لیکن چونکہ سرکاری کام درپیش تھا اس لئے ٹھہرنے سے معذرت ظاہر کی اور عرض کیا کہ حضرت سواری ہے، پہنچ جاؤں گا۔ سید صاحب فرماتے تھے کہ کچھ ایسا ہوا کہ جلال آباد سے تو میں روانہ ہو گیا لیکن راستہ میں غیر متوقع طور پر بہت پریشانی ہوئی اور رات راستہ ہی میں بسر کرنی پڑی۔ یہ واقعہ سنا کر حضرت سید صاحبؒ نے فرمایا کہ بزرگوں کی باتوں کو یوں ہی نہ سمجھ لینا چاہئے، یہ حضرات جب کچھ فرما دیں تو پھر اپنی رائے پر عمل نہ کرنا چاہئے ورنہ نقصان ہی اٹھانا پڑتا ہے۔

ایک صاحب بیان کرتے تھے کہ میرا پیر ذرہ بڑا ہے اس لئے میرے ناپ کا جوتا جلال آباد میں باوجود بہت تلاش کرنے کے نہیں ملا، میں نے حضرت سے عرض کیا کہ یہاں میرے پیر کے ناپ کا جوتا ملا نہیں اسلئے جوتا لینے کے لئے دیوبند جانا چاہتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ ایک مرتبہ اور دیکھ لیا جائے شاید مل جائے۔ ناامیدی تو تھی مگر حضرت

والاؒ کے فرمانے کی وجہ سے جلال آباد کے اسی بازار میں گیا جہاں دو بار بار دوکانوں پر جوتا تلاش کر چکا تھا اور دوکاندار سے کہا کہ بھائی میرے پیر کا جوتا ہے؟ اس نے کہا کہ ہے اور جوتا دکھلایا تو وہ میرے پیر میں بالکل صحیح آ گیا اور میں خوشی خوشی بازار سے جوتا خرید کر لے آیا اور لانے کے بعد حضرت والا سے عرض کیا کہ حضرت بازار میں الحمد للہ میرے پیر کا جوتا مل گیا، یہ سن کر حضرت نے مسرت کا اظہار فرمایا۔

ایک موقع پر جب حضرتؒ برطانیہ تشریف لے گئے تھے وہاں ایک پادری نے اسلام پر اعتراضات کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا، اس نے تمام مسلمانوں کو چیلینج کر رکھا تھا کہ کوئی مسلمان میرے اعتراضات کا جواب دے۔ علامہ خالد صاحب پاکستانی اس وقت برطاینہ میں تھے انھوں نے اس پادری کا جواب دینے کا ارادہ کیا اور دعا کی غرض سے حضرت مسیح الامتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت نے فرمایا کہ آپ اس کا چیلینج قبول کر لیں میں دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب فرمائیں۔ علامہ خالد صاحب کو آپ کی دعا کے بعد پوری طرح تسلی ہوگئی اور ہمت بلند ہوگئی اور انھوں نے اس پادری کا چیلینج قبول کر لیا۔ چنانچہ مناظرہ کی تاریخ طے ہوگئی اور گرجا گھر کے ایک ہال میں مناظرہ ہونا طے پایا۔ مقررہ تاریخ پر وہاں ایک جم غفیر کا ازدحام ہو گیا۔ مناظرہ شروع ہوا تو علامہ خالد صاحب نے کہا کہ چونکہ مناظرہ کا چیلینج آپ کی طرف سے ہے اس لئے آپ ہی داعی ہیں لہٰذا آپ کے جو اعتراضات ہیں پیش کیجئے۔ یہ سن کر وہ پادری کھڑا ہوا اور اس نے اپنی پوری تقریر میں اسلام اور قرآن و حدیث پر اعتراضات کی بوچھار شروع کر دی اور اس پر اپنی پوری قوت صرف کر دی۔ اس کے بعد علامہ خالد صاحب کھڑے ہوئے اور انگریزی زبان میں نہایت مدلل اور مربوط تقریر کی، اس کے ایک ایک اعتراض کا مسکت جواب دیا اور دوران تقریر انہی کی کتابوں سے ان کے مذہب کا ابطال اور رد کیا۔ جس وقت وہ تقریر کر رہے تھے

تو موقع موقع پر تمام حاضرین خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم مولانا کے مدلل اور مسکت جوابات سن کر خوشی سے تالیاں بجاتے اور لطف کی بات یہ کہ اس میں عیسائی بھی شریک تھے وہ بھی تالیاں بجاتے۔ مولانا نے اپنی تقریر ختم کرنے کے بعد فرمایا کہ مذہب اسلام پر اگر آپ کے کچھ اور اعتراضات ہوں تو پیش کیجئے تا کہ ان کے جوابات بھی دیدئے جائیں۔ لیکن وہ پادری علامہ خالد صاحب کی تقریر سن کر حیرت زدہ اور مبہوت رہ گیا اور ایسا مرعوب ہوا کہ کچھ بھی نہ بول سکا اور خاموش ہو کر بیٹھ گیا، ’’فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ‘‘ کا منظر اور مصداق لوگوں کی نگاہوں کے سامنے تھا۔

مناظرہ ختم ہونے کے بعد علامہ خالد صاحب فوراً حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعہ سنایا اور عرض کیا کہ حضرت، میں خود حیرت میں ہوں کہ میں نے ایک گھنٹہ تک تقریر کی اور مجھے کچھ پتہ نہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، بس یہ سب اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاؤں کی برکت سے کیا ہے اور عزت بخشی ہے۔ مناظرہ کی روئیداد اور اہل اسلام کی فتح کی خبر سن کر حضرتؒ بہت مسرور ہوئے۔

ایک صاحب نے بتایا کہ وہ سگریٹ کے بہت بری طرح عادی تھے، ابھی ایک ختم ہوئی اور دوسری سلگالی، وہی صاحب ایک روز حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مجلس میں بیٹھے اور جب حضرت کی خدمت سے اٹھ کر چلے تو اچانک ان کے دل میں سگریٹ سے نفرت سی پیدا ہوگئی، وہ کہتے ہیں کہ میں راستہ میں سوچتا رہا کہ اب چھوڑ دوں گا لیکن درمیان میں خیالات کے اندر اتار چڑھاؤ ہوتا رہا مگر ہوا یہ کہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے ہی حضرت والاؒ کی برکت سے سگریٹ پھینک دی اور ہمیشہ ہی کے لئے پھینک دی اس کے بعد پھر کبھی نہیں پی۔

مرتب ’’حیات مسیح الامتؒ‘‘ لکھتے ہیں کہ ایک روز مجلس میں حضرت نے فرمایا

کہ ''تعارف شیخ'' ضروری ہے۔ مناسبت شیخ کا عنوان تو سنا تھا مگر تعارف شیخ کا عنوان پہلی مرتبہ سنا، اس لئے بندہ نے ایک پرچہ حضرت والا کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے لکھا کہ تعارف شیخ کا کیا مطلب ہے؟ دوسرے دن پہنچتے ہی حضرت والاؒ نے بلا کسی سوال کے فرمایا کہ تعارف شیخ کا مطلب یہ ہے کہ شیخ کو تقوی کے ــــ جو کہ شریعت ہی ہے ــ معیار پر دیکھو کہ اس کی زبان ذاکر اور دل شاکر ہو۔

مرتب ''حیات'' مولانا مہربان علی صاحب بڑوتوی مرحوم کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ اپنے مدرسہ ہرسولی سے جلال آباد کے لئے چلے، جمعہ کی صبح کا وقت تھا، چند طلبہ سے کوئی غلطی ہوگئی تھی انھوں نے ان کو تنبیہ اور سرزنش کی۔ جب جلال آباد پہنچا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے فرمایا'' **اللھم انی اسئلک قلباً خاشعاً** '' میں خشوع والے قلب کا سوال ہے تو کیا یہ خشوع صرف نماز کے لئے مخصوص ہے یا ہر وقت خشوع کی ضرورت ہے۔

جس دل میں خشوع نہیں ایسے دل سے اللہ کے رسول ﷺ نے پناہ چاہی ہے، فرمایا'' اللھم انی اعوذبک من قلب لا یخشع ''(غالباً طلبہ کی سرزنش میں کچھ تجاوز ہوگیا تھا یہ اس کی اصلاح تھی۔ احقر مرتب غفرلہ)

یہی مولانا مہربان علی مرحوم بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ یہ سوچ کر حاضر ہوا کہ حضرت سے دعا کے لئے عرض کروں گا کہ میرے یہاں دو لڑکیاں ہیں اور لڑکا نہیں ہے۔ جا کر بیٹھا اور پیر دبانے لگا تو حضرت نے فرمایا، مہربان، میں نے کہا جی حضرت، پوچھا بچے ہیں؟ میں نے عرض کیا جی حضرت دو لڑکیاں ہیں، فرمایا اللہ تعالی صالح لڑکا عطا فرمائیں۔ بس خدا کے فضل سے اس مرتبہ لڑکا ہی ہوا۔

ایک بار بعض سالکین کو یہ وسوسہ گزرا کہ ہمارا نفس تو بیحد شریر ہے اس کو سختی کی

ضرورت ہے اور حضرت والا نرم مزاج ہیں۔ اسی درمیان حضرت کی خدمت میں حاضری ہوئی تو حضرت والاؒ نے ازخود یہ ارشاد فرمایا کہ بھائی آپ تو چاہتے ہیں کہ لوہا جیسا شیخ ہو اور بھائی میں تو لوہا نہیں ہوں، موم ہوں۔ پھر بڑے درد بھرے لہجہ میں فرمایا ارے اس موم ہی کی قدر کرلو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لوہا تمہیں بھی توڑ دے اور خود بھی ٹوٹ جائے۔ اور فرمایا کہ میں تو موم بتی ہوں جس کا نفع چراغ سے بھی زیادہ ہے، اس میں خطرہ بالکل نہیں ہے چراغ میں تو بتی وغیرہ کا خطرہ ہوسکتا ہے مگر موم بتی میں نہیں ہوسکتا۔

الحاج بنا بھائی خلیفہ حضرت مسیح الامتؒ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت والا جنوبی افریقہ سے ماریشس تشریف لائے تھے، میں حضرت کو ری یونین لینے کے لئے حاضر ہوا۔ جب ہوائی اڈہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ ہوائی جہاز میں سیٹ خالی نہیں ہے۔ حضرت سے عرض کیا گیا تو فرمایا کہ ہم انشاء اللہ جائیں گے۔ حضرت کے فرمانے کے بعد دوبارہ معلوم کیا گیا تو پتہ چلا کہ گیارہ سیٹیں خالی ہیں، چنانچہ ہم کو ٹکٹ وغیرہ بہت اطمینان کے ساتھ مل گیا۔ پھر جب ہم جہاز پر سوار ہونے کے لئے چلے تو میں ذرہ تیزی سے آگے بڑھا تاکہ جہاز میں سیٹ اچھی طرح حاصل کرلی جائے، لیکن آگے بڑھتے ہی میرے دل میں خیال آیا کہ حضرت والا سے آگے بڑھنا تو بے ادبی ہے اور یہ خیال آتے ہی میں ذرہ رُکا لیکن حضرت بڑی تیزی کے ساتھ میرے پاس فوراً تشریف لائے اور میرے کندھے پر دست شفقت رکھ کر فرمایا کہ حضرات صحابہ کرامؓ بھی جہاد کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھا کرتے تھے، کوئی بات نہیں آپ آگے بڑھ کر سیٹ حاصل کرلیں۔

ایک عالم راہ سلوک کے سلسلہ میں سخت پریشانی اور الجھن میں مبتلا تھے، ان کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا اسی پریشانی کی حالت میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ابھی سلام و مصافحہ ہی ہوا تھا کہ حضرت نے ان سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ مجھے اشعار سے

قطعاً دلچسپی نہیں ہے مگر مولوی صاحب کو دیکھ کر یہ شعر پڑھ رہا ہوں ۔

ڈھونڈا ڈھونڈا کیا پھرے کیوں من کو راکھے اداس
تیرا مولیٰ تجھ میں بسے جوں پھولن میں باس
ڈھونڈا ڈھونڈا کیا پھرے کیوں من کو راکھے تنگ
تیرا مولیٰ تجھ میں بسے جون مہندی میں رنگ

اسی طرح ایک دوسرے عالم نے اپنا حال بیان کیا کہ مجھ میں باتیں کرنے کی عادت تھی حالانکہ یہ بھی خیال آتا تھا کہ باتیں نہیں کرنا چاہئے۔ ایک روز حضرت والا نے بلا کسی اطلاع حال کے ان مولانا صاحب کے سامنے یہ شعر پڑھا ۔

کارکن کار بگزر از گفتار
کاندریں راہ کار باید کار

وہ عالم کہتے تھے کہ یہ شعر سنتے ہی میری اصلاح ہوگئی اور باتیں کرنے کی عادت چھوٹ گئی۔

مولوی محمد ہاشم صاحب افریقی نے بتایا کہ میں جلال آباد سے فارغ ہو کر گھر چلا گیا تھا وہاں جا کر شادی ہوگئی۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت والاؒ کی خدمت میں جلال آباد حاضری کا داعیہ پیدا ہوا، جب سفر کی تیاری مکمل کرلی تو معلوم ہوا کہ اہلیہ امید سے ہیں۔ اب سفر کے سلسلہ میں مجھے تذبذب ہوگیا کہ ایسے حال میں کیا کروں؟ اسی تذبذب کی حالت میں ایک رات کو خواب دیکھا کہ حضرت والا مسکراتے ہوئے ایک نومولود بچی کو اپنے دونوں ہاتھوں پر رکھ کر مجھے عنایت فرمار ہے ہیں۔ اس خواب کو میں نے اپنی اہلیہ سے بھی ذکر کیا اور جلال آباد حاضری کا پختہ ارادہ کرلیا اور یہ سوچا کہ ہندوستان میں خدا کے حکم سے لاکھوں بچے پیدا ہوتے ہیں ان میں ایک بچہ میرا بھی پیدا ہو جائے گا، چنانچہ میں جلال آباد حاضر ہوگیا

اور حضرت والاؒ کے مکان میں اوپر کے حصہ میں رہنے لگا۔ اسی درمیان میری اہلیہ کے یہاں بچی پیدا ہوئی۔ بندہ نے حضرت والاؒ کو اطلاع کی تو بہت مسرت کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ آپ میرے پہلے مہمان ہیں جن کے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے اور فرمایا کہ میں ان شاء اللہ اوپر آؤں گا۔ چنانچہ باوجود ضعف کے حضرت والا سیڑھیاں چڑھ کر اوپر تشریف لائے اور دوسرے کمرہ میں ایک طرف بیٹھ کر بچی کے کان میں اذان اور تکبیر کہی اور تحنیک بھی فرمائی۔ اس کے بعد بچی کو لینے کے لئے ماموں جی آگے بڑھے تو فرمایا کہ آپ کیوں لیں، باپ تو اصل وہ ہے، چنانچہ بعینہ اسی طرح جس طرح میں نے خواب میں دیکھا تھا حضرت والاؒ نے مسکراتے ہوئے اس بچی کو کمبل میں لپیٹے ہوئے میرے دونوں ہاتھوں میں دے دیا۔

ایک عالم کسی مقام پر امام تھے اس مسجد کے منتظمین کو ان سے کچھ شکایت تھی منتظمین نے حضرت والا سے تنہائی میں کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہی، ان لوگوں کا ارادہ امام صاحب ہی کے متعلق یہ دریافت کرنے کا تھا کہ ان کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔ وہ لوگ وقت مقررہ پر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، ابھی ان لوگوں نے امام صاحب کا کچھ ذکر تک نہیں کیا تھا کہ حضرت مسیح الامتؒ نے انہی امام صاحب کا نام لے کر فرمایا کہ بھائی ان مولانا صاحب کو بلالاؤ آج تو ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے، عصر کا وقت ہو رہا ہے۔ یہ سن کر وہ حضرات شرمندہ ہوئے اور سوال کرنے کا ارادہ ہی ترک کر دیا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے آپ سے ٹوپی مانگی، آپ نے حسب عادت شریفہ عنایت فرما دی۔ کچھ دن بعد وہی شخص آیا اور اپنے کسی نزاع اور فساد کا واقعہ سنا کر عرض کیا کہ آپ میرے ساتھ چل کر فیصلہ کرا دیجئے۔ حضرت والاؒ نے جانے سے عذر ظاہر فرمایا اور اس کو حسب حال کچھ نصیحت فرمائی، صبر کی تلقین کی اور تدبیر حسن بتلائی مگر وہ

شخص اپنے نزاعات کی وجہ سے تقریباً مسلوب الحواس ہو رہا تھا اس لئے بار بار آپ کے چلنے کے لئے اصرار کرتا رہا اور آخر میں اس نے نہایت بے ادبی کے ساتھ یہ کہا کہ اچھا اگر آپ میرا فیصلہ نہیں کرائیں گے تو میں کافر ہو جاؤں گا۔ اس پر بھی حضرتؒ نے اس کو سمجھایا لیکن اس نے کسی نصیحت کا اثر نہیں قبول کیا اور جاتے ہوئے یہ گستاخی کی کہ ٹوپی جو پہلے وہ مانگ کر لے گیا تھا اسے اتار کر ایک خادم کو واپس دے دی اور کہا کہ لو یہ ٹوپی، میں نے یہیں سے لی تھی اور یہیں اتار کر جا رہا ہوں اور اب میں یہاں سے کافر ہو کر جا رہا ہوں بس اب میں کافر ہو چکا۔ (العیاذ باللہ)

خادم نے عرض کیا کہ حضرت، وہ شخص تو یوں کہتا ہوا جا رہا ہے اور ٹوپی بھی واپس کر گیا ہے۔ حضرت والاؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ اس کا دماغ صحیح نہیں ہے، باؤلا ہو گیا ہے، اور دعاء فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی مضبوطی کے ساتھ قائم رکھیں۔ چنانچہ اس کے چند ہی روز کے بعد وہ شخص دوبارہ آیا اور حضرت کے سامنے توبہ کرنے لگا اور معافی مانگنے لگا، حضرت نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور تسلی دی، وہ شخص رو رہا تھا، آپؒ نے فرمایا کہ تسلی رکھو۔ اس نے پھر ٹوپی مانگی تو حضرت نے دوبارہ ایک نئی ٹوپی اسکو عنایت فرما دی۔ (احقر راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس شخص کا تائب اور نادم ہو کر واپس آنا تو حضرت کی کرامت ہے ہی مگر اس شخص کی ایسی بدتمیزیوں اور گستاخیوں پر حضرتؒ کا تحمل فرمانا اس سے بڑھ کر کرامت ہے اور یہی ہمارے لئے درس عبرت اور باعث موعظت ہے)۔

مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خانصاحب مقیم پاکستان مجاز بیعت حضرت مسیح الامتؒ روایت کرتے ہیں کہ ۱۹۷۹ء میں جب حضرت حج کے لئے تشریف لے گئے تو احقر بھی پہلی مرتبہ اسی سال حج کے لئے گیا تھا۔ حضرت والاؒ مجھ سے دو تین دن کے بعد مکہ معظمہ پہنچے، میں نے وہاں آپ کو تلاش کیا تو میمش ہوٹل میں آپ سے ملاقات ہوئی۔ جس وقت

میں وہاں پہنچا تو آپ کے کمرہ میں مجلس ہو رہی تھی، حضرت مولانا ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم بھی حضرت والاؒ کے برابر تشریف فرما تھے، حافظ حبیب احمد صاحب نقشبندی چکوالی رحمۃ اللہ علیہ بھی مجلس میں شریک تھے، حضرت مولانا فقیر محمد صاحب نوراللہ مرقدہ بھی تشریف رکھتے تھے۔ حج کے ایام میں منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں حضرت والا علیحدہ رہے اور ہم علیحدہ رہے۔ حج کے بعد مکہ معظمہ میں ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ حضرت والاؒ واپسی کی تیاری فرما رہے ہیں اور جدہ پاسپورٹ لے جانے والے کو ہدایت فرما رہے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے بیس دسمبر سے پہلے کی نشست مخصوص کرالی جائے۔

ملاقات کے وقت حضرت والا نے مجھ سے بھی فرمایا کہ تنویر احمد خاں حج تو کرلیا، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ اب آپ پاکستان چلے جائیں، میں نے عرض کیا کہ حضرت، میں پہلی مرتبہ حج کے لئے حاضر ہوا ہوں اور میری واپسی میں ابھی ڈیڑھ مہینہ باقی ہے، یہاں خانہ کعبہ میں ایک نماز پر ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے، فرمانے لگے کہ ہاں یہ تو ٹھیک ہے لیکن ثواب کے مقابلہ میں تھوڑی سی غلطی ہونے پر ایک لاکھ گناہ بھی ہوتا ہے۔ اس پر احقر خاموش رہا، کوئی جواب نہیں دیا۔ حضرت والاؒ کی سیٹ بیس دسمبر کی مخصوص ہوگئی تھی اس لئے فرمایا کہ میں طواف وداع کے بعد مدینہ چلا جاؤں گا اور وہاں سے ان شاء اللہ ۱۹ر دسمبر کو جدہ پہنچ جاؤں گا۔ بہر حال اسی انتظام سفر کے مطابق حضرت والاؒ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور وہاں سے ۱۹ر دسمبر کو جدہ تشریف لے آئے۔

۱۹ر دسمبر کو میں حضرت والا سے ملاقات کے لئے جدہ حاضر ہوا، ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ آپ لوگوں کا شدت سے انتظار کر رہا تھا، الحمد للہ آپ حضرات آگئے، ہم نے حضرت والا کا سامان باندھا۔ جدہ میں حضرت والاؒ کی طبیعت بہت علیل ہوگئی۔ احقر نے دریافت کیا کہ حضرت کیا بات ہے؟ فرمایا کہ ویسے تو ٹھیک ہوں لیکن کسی چیز کا مجھ پر اثر

ہے، اسی حال میں سہارے کے ساتھ حضرت والاؒ کو ہم خدام مطار پر لے گئے اور حضرت والا نے ہمیں یہ دعا دے کر رخصت کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو حفظ و امان میں رکھیں۔ خیریت، سلامتی اور عافیت کے ساتھ آپ لوگوں کو وطن پہنچائیں۔

الحاصل ۲۰/دسمبر کو حضرت والاؒ ہندوستان واپس تشریف لے گئے، حضرت والاؒ کو رخصت کرنے کے بعد جب ہم واپس مکہ معظّمہ آئے تو معلوم ہوا کہ آج ہی ۲۰/دسمبر کو فجر کی نماز کے بعد باغیوں نے حرم شریف پر قبضہ کرلیا ہے۔ اب یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ حضرت والاؒ فوری واپسی کے لئے کیوں جلدی فرما رہے تھے اور ہمیں بھی کس وجہ سے جلدی واپسی کا مشورہ دے رہے تھے اور یہ کہ وہ کیا چیز تھی جس کا آپ کی طبیعت پر اثر تھا؟ اللہ تعالیٰ کا فضل رہا کہ ہم بحمد اللہ تعالیٰ خیریت سے پاکستان واپس آ گئے۔

باب ۷

تلامذہ، مسترشدین اور مجازینؒ

تلامذہ، مسترشدین اور مجازین

مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں ۵۶ سالہ دور تدریس و مشیخت میں حضرت مسیح الامتؒ کی ذات گرامی سے ملک اور اطراف ملک ہی نہیں بلکہ ایشیاء، یورپ، امریکہ، اور افریقہ وغیرہ اکناف عالم کے جن تشنگان علم و معرفت نے اپنی پیاس بجھائی ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ یہ ان منتسبین اور متوسلین کے علاوہ ہیں جو صرف ارادت وعقیدت اور اصلاح و تربیت کا تعلق اور وابستگی رکھتے تھے۔ آپ کے ان تلامذہ اور فیض یافتگان میں خاصی تعداد ایسے حضرات کی بھی ہے جو تعلیم و تدریس، تصنیف و تالیف اور خدمت علم دین کے مختلف میدانوں میں شہرت وعزت کے آسمان کے آفتاب و مہتاب بن کر چمکے اور ان سے علم و دین کا دریائے فیض جاری ہوا اور مختلف بلاد و امصار میں علم و دانش اور تزکیہ و احسان کی باد بہاری گلستان مسیح اللہی کے ان مہکتے پھولوں کی مرہون منت ہے۔ اس کی تفصیل خود ایک مستقل تصنیف کی محتاج ہے۔ اس وقت ہمارے پیش نظر چونکہ اختصار ہے اس لئے ہم اس باب میں آپ کے چند معروف تلامذہ اور شاگردوں کے اسماء اور خلفاء و مجازین کی مکمل فہرست ہی درج کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

چند مشاہیر تلامذہ

۱ حضرت مولانا محمد صفی اللہ خان صاحب صاحبزادہ محترم حضرت مسیح الامتؒ و مہتمم مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد ضلع مظفر نگر۔ ہند۔

۲ حضرت مولانا سید عبد الرحیم صاحب خویش اکبر حضرت مسیح الامتؒ و استاد مفتاح العلوم، جلال آباد۔

۳ حضرت مولانا رفیق احمد صاحب مرحوم و مغفور سابق شیخ الحدیث مفتاح العلوم

جلال آباد و سابق شیخ الحدیث مظاہر علوم (وقف) سہارنپور۔

۴ حضرت مولانا سلیم اللہ خانصاحب مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی پاکستان۔

۵ حضرت مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خانصاحب خلیفہ حضرت مسیح الامتؒ مقیم پاکستان۔

۶ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب میواتی مرتب "حیات مسیح الامت"۔

۷ حضرت مولانا مفتی نصیر احمد صاحب مرحوم و مغفور سابق استاذ و مفتی مفتاح العلوم جلال آباد۔

۸ حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد۔

۹ حضرت مولانا عقیل الرحمٰن صاحب استاذ حدیث مفتاح العلوم جلال آباد۔

مجازین بیعت ومجازین صحبت کے اسمائے گرامی

مجازین بیعت پاکستان:۔

۱ جناب حاجی محمد فاروق صاحب۔ بیت الاشرف، باغ حیات سکھر۔

۲ جناب ڈاکٹر محمد تنویر احمد خانصاحب۔ بنگلہ نمبر۴ سی بلاک۔اے یونٹ نمبر۸، لطیف آباد، حیدر آباد۔

۳ جناب ڈاکٹر عبد الغفار شیخ صاحب۔ بیراج روڈ سکھر۔

۴ جناب کرنل ارشد ایاز صاحب۔ چوبرجی کواٹرز ملتان روڈ لاہور۔

۵ جناب عقیل احمد صاحب۔۸۷۔اے ماڈل ٹاؤن لاہور۔

۶ جناب حبیب اللہ صاحب، ایس۔پی۔آئی۔ٹی سروس موڑ۔گجرات۔

۷ جناب حاجی محمد بشیر احمد صاحب۔زمین دارہ بوٹ شاپ۔لیر۔

۸ جناب مولانا وکیل احمد صاحب شروانی خویش حضرت مسیح الامتؒ۔۸۷، اے ماڈل ٹاؤن۔لاہور۔

۹ جناب خلیل احمد صاحب وکیل۔۸۸۷، اے عبد اللہ ٹاؤن سیکٹر ۱۱بی نارتھ کراچی۔

۱۰ جناب ڈاکٹر محمد سراج صاحب (ماہر امراض چشم) بنوں۔سرحد۔

مجازین صحبت پاکستان:۔

۱ جناب اکرام الحق صاحب۔راولپنڈی۔

مجازین بیعت ہندوستان:۔

۱ جناب مولانا محمد صفی اللہ خانصاحب۔صاحبزادہ محترم حضرت مسیح الامتؒ۔ جلال آباد۔

۲ جناب مولانا عبدالرحیم صاحب مدراسی۔ معہد العلوم الاسلامیہ، پکمیر۔ آندھرا پردیش

۳ جناب مولانا محمد قمر صاحب ۱۰/۷۹۔ اے گنگا گنج۔ الہ آباد

۴ جناب مولانا حکیم ذکی الدین صاحب، نظامیہ دواخانہ، پرنام بٹ۔ تامل ناڈو۔

۵ جناب مولانا نورالدین صاحب۔ مدرسہ تعلیم الاسلام، ترال کشمیر۔

۶ جناب اہل اللہ صاحب۔ قاضی اسٹریٹ۔ پرنام بٹ۔ تامل ناڈو۔

۷ جناب مولانا قاری عبدالرحیم صاحب میواتی مدرس مفتاح العلوم، جلال آباد۔ (وفات پاگئے)

۸ جناب پروفیسر سید علی شاہ صاحب مصدر۔ کشمیر۔

مجازین بیعت جنوبی افریقہ و برطانیہ وامریکہ وغیرہ:۔

۱ جناب مولانا اسماعیل صاحب کتھراوا۔ ویرلم۔ نٹال۔

۲ جناب مولانا عبدالحق صاحب (احمد صادق) ڈیسائی۔ پورٹ الیزبتھ کیپ پراونس۔

۳ جناب ڈاکٹر عبدالقادر ہنسا صاحب، لیڈی اسمتھ، نٹال۔

۴ جناب مولانا عمر جی صاحب۔ ڈربن۔ نٹال۔

۵ جناب ڈاکٹر اسماعیل منکیرا صاحب۔ جوہانسبرگ۔

۶ جناب الحاج ابراہیم تسبیح والا۔ ۲۲۔ ہیلی فیکس روڈ۔ ڈیوزبری۔ برطانیہ۔

۷ جناب الحاج بنا صاحب۔ ری یونین۔

۸ جناب مولانا عبدالرؤف صاحب لاج پوری، لندن۔

۹ جناب مولانا احمد صادق صاحب مہتر۔ کیلی فورنیا۔ امریکہ۔

مجازین صحبت جنوبی افریقہ و برطانیہ وغیرہ:۔

۱ جناب الحاج یوسف صاحب کھتراوا ۔ویرلم۔نٹال۔

۲ جناب مولانا محمد ہاشم صاحب۔روات۔برطانیہ۔

۳ جناب مفتی رشید میاں صاحب۔واٹرفال۔ٹرانسوال۔

۴ جناب مولانا محمد ہاشم بوڑا صاحب۔جنوبی افریقہ۔

۵ جناب مولوی قاسم داؤد مہتر صاحب۔جنوبی افریقہ۔

۶ جناب مفتی فہیم مائیت صاحب۔جنوبی افریقہ۔

۷ جناب یوسف نولکھی صاحب۔لی نیشیا۔جوہانسبرگ۔

تجدید اجازت:۔

یہ وہ حضرات ہیں جو پہلے سے دیگر اکابر کی طرف سے مجاز تھے،ان اکابر کی وفات کے بعد ان حضرات نے حضرت مسیح الامتؒ سے بیعت وتربیت کا تعلق قائم فرمایا اور حضرت مسیح الامتؒ کی طرف سے بھی مجاز ہوئے۔

۱ جناب مفتی محمود جیہہ صاحب شیخ الحدیث دار العلوم اشرف آباد ٹنڈوالہ یار۔ پاکستان (مجاز حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

۲ جناب مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب۔دارالعلوم کراچی۔(مجاز حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب)

۳ جناب مولانا صوفی محمد سرور صاحب۔جامعہ اشرفیہ۔مسلم ٹاؤن۔لاہور (مجاز حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ)

۴ جناب ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب۔اناج بازار۔سکھر۔(مجاز حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ)

۵ جناب نواب عشرت علی خان صاحب قیصر۔ کراچی (مجاز حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ)

۶ جناب ڈاکٹر عبدالواحد السید۔ ریاض۔ سعودی عرب۔ (مجاز حضرت حاجی محمد شریف صاحبؒ)

۷ جناب ماسٹر محمد عیسیٰ خانصاحب۔ حمید پور ضلع اعظمگڈھ۔ (وفات پاگئے) (مجاز حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ)

۸ جناب ابوبکر احمد میمن صاحب۔ فرسٹ فلور۔ کپاڈیا مینش نمبر ۱۱ ڈاکٹر نائر روڈ بمبئی نمبر ۱۱ (مجاز حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ)

وفات یافتگان: (وہ خلفائے کرام جو رحمت فرما گئے)

۱ جناب مولانا مفتی سعید احمد صاحب لکھنویؒ سابق شیخ الحدیث جامعہ مفتاح العلوم۔ جلال آباد۔

۲ جناب جسٹس انوار احمد صاحب۔ پٹنہ۔ بہار۔

۳ جناب مولانا نادر حسن صاحب۔ سہارن پور۔

۴ جناب قاضی عابد علی صاحب وجدی الحسینی۔ بھوپال۔

۵ جناب سید حسینؒ صاحب الہ آبادی سابق کمشنر و ممبر ریونیو بورڈ و خویش علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ مدفون علیگڑھ۔

۶ جناب عبدالرحیم صاحب۔ بلکی۔ کراچی۔

حضرت سید حسین صاحب کا اصل وطن موضع دمگڈھ تحصیل ہنڈیہ ضلع الہ آباد ہے۔ مگر آپکے والد ماجد میر سید نوازش حسین صاحب شہر الہ آباد کے محلہ کٹرہ میں منتقل ہو گئے تھے اور یہیں توطن اختیار کر لیا تھا۔ آپ نے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

۷ جناب قاضی عبدالحی صاحب۔اوکاڑہ۔

۸ جناب حکیم عزیز الدین صاحب۔کراچی

۹ جناب انعام الحق صاحب۔راولپنڈی۔

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) اجل حضرت مولانا سید محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادیؒ سے اردو، فارسی کی تعلیم کالج میں حاصل کی تھی، چنانچہ سید صاحبؒ کا فارسی کا ذوق بہت پختہ اور عمدہ تھا، آپ حضرت مولانا محمد عیسیٰؒ کے بہت عزیز شاگرد تھے اور انہیں سے بیعت بھی تھے۔ ۱۹۴۴ء میں جب سید صاحبؒ جونپور میں ڈپٹی کلکٹر تھے حضرت مولانا عیسیٰ صاحبؒ کا قیام جون پور میں حضرت سید صاحبؒ کے گھر پر تھا اور وہیں ۱۲؍مارچ ۱۹۴۴ء کو ان کا انتقال ہوا اور محلہ رضی خان کی مسجد کے پیچھے شیخ لیاقت علی صاحب کی زمین میں مدفون ہوئے۔علامہ سید سلیمان ندوی کی منجھلی صاحبزادی کے ساتھ آپ کی شادی ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اس شادی میں بہت برکت عطا فرمائی، آپکے سات صاحبزادے ہوئے۔ مولانا الہ آبادی کے انتقال کے بعد سید صاحبؒ نے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ سے رجوع کیا اور ان کی طرف سے اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے پھر ان کے انتقال کے بعد حضرت مسیح الامتؒ سے تعلق قائم کیا اور حضرتؒ نے بھی اپنی طرف سے اجازت بیعت سے مشرف فرمایا۔مختلف اضلاع میں ڈپٹی کلکٹر، کلکٹر، اور کمشنر کے عہدہ پر فائز رہے، آخر میں اپنے وطن الہ آباد میں ریونیو بورڈ اتر پردیش کی ممبری کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے۔

سید صاحبؒ قدیم وجدید علوم کے جامع تھے اور حضرت مولانا سید محمد عیسیٰ صاحبؒ کے فیض صحبت وتربیت سے ان کے اوپر اتباع سنت کا رنگ ایسا غالب ہو گیا تھا کہ وہ اپنی رفتار وگفتار اور نشست وبرخاست وغیرہ جملہ امور میں بلا مبالغہ نمونہ سلف ہو گئے تھے۔ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد علیگڑھ میں اقامت اختیار فرمالی تھی وہاں آپ کا دولت کدہ ”حنا منزل“ کے نام سے دودھ پور میں معروف ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

۱۰ جناب عزیز الدین صاحب۔ منڈی بہاؤالدین۔

۱۱ جناب حاجی محمد اسماعیل صاحب۔ منڈی بہاؤالدین۔

۱۲ جناب صوبیدار حاجی دوست محمد خاں صاحب۔ مہندر گڑھ پٹیالہ۔

۱۳ جناب حافظ جمیل احمد صاحب۔ چرتھاول ضلع مظفر نگر۔

۱۴ جناب مولانا منشی موسیٰ یعقوب صاحب راوت۔ ویرلم، نٹال۔

۱۵ جناب اعجاز علی صاحب۔ سکھر۔

نوٹ: یہ وہ فہرست ہے جو حضرت مولانا محمد صفی اللہ خانصاحب صاحبزادہ و خلیفہ حضرت مسیح الامتؒ کے مشورہ سے جناب حاجی محمد فاروق صاحب مجاز حضرت مسیح الامتؒ نے مرتب کی تھی۔ ہم نے "حیات مسیح لامتؒ" سے یہ فہرست نقل کی ہے۔ (دیکھئے حیات مسیح الامت ص ۶۶۶۔۶۷۰)

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) ۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ مطابق ۴ر دسمبر ۱۹۸۹ء کو علیگڑھ میں وفات پائی اور دودھ پور کے قبرستان میں ایک منارہ مسجد کے پاس مدفون ہوئے۔ رحمہ اللّٰہ رحمۃ واسعۃ. کثیر خلق خدا کو آپ کی ذات سے دینی فیض پہنچا، اور کتنے ہی دین سے غافل لوگ ان کے فیض صحبت سے متبع سنت بن گئے۔

آپؒ کی اہلیہ محترمہ صاحبزادی علامہ سید سلیمان ندویؒ (۱۴۲۵ھ میں) حیات ہیں۔ آپ کے سات فرزند ہوئے۔ سب سے بڑے سید حسن صاحب کراچی ہجرت کر گئے تھے وہاں کسی انجینئرنگ کالج میں پروفیسر تھے چند سال قبل نماز کے لئے مسجد جارہے تھے کہ کسی بد بخت کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ دوسرے صاحبزادگان سید سرور حسن، سید شاہد حسن، سید حامد حسن اور سید زاہد حسن صاحب خلیجی ممالک میں بسلسلہ روزگار قیام پذیر ہیں۔ ایک صاحبزادہ سید احسن صاحب شعبہ اسلامک اسٹڈیز مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں پروفیسر ہیں۔ سب سے چھوٹے صاحبزادے سید عابد حسن بھی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ ہی کے کسی شعبہ میں استاذ ہیں۔ ماشاء اللہ سب فرزندان گرامی متدین اور متشرع ہیں بلکہ بعض حضرات اپنے قابل فخر والد کی طرف سے مجاز بھی ہیں۔ (احقر مرتب غفرلہ)

ایک وضاحت

حضرت مسیح الامت نور اللہ مرقدہ کے مجازین صحبت و بیعت کی مذکورہ فہرست میں جن حضرات کے اسمائے گرامی درج ہیں ان کے علاوہ جناب مولانا موسیٰ رشید خان صاحب مدظلہ بھی حضرت مسیح الامت کے خلیفہ مجاز بیعت ہیں جیسا کہ مجلّہ ''مفتاح الخیر'' ترجمان جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد کے شمارہ بابت ماہ ذوقعدہ و ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ مطابق جنوری وفروری ۲۰۰۵ء صفحہ ۳۶ پر درج ہے، نیز حضرت مولانا محمد صفی اللہ خانصاحب مدظلہم (عرف بھائی جان) کی اس تحریر سے بھی واضح ہے جو مولانا موسیٰ رشید صاحب کے پاس محفوظ ہے اور مرتب کی نظر سے گذری ہے۔ مولانا کا پتہ یہ ہے:۔

(۱) خانقاہ دار آخرت۔ شیل پھاٹا نزد بھارت گیر۔ ممبرا۔ تھانہ۔ بمبئی۔

(۲) ۳۰۲، ہما پارک بلڈنگ۔ تنور نگر۔ کوسہ۔ ممبرا۔ تھانہ۔ بمبئی۔

مولانا موسیٰ رشید صاحب مدظلہ ممبرا، بمبئی میں مقیم ہیں اور بیعت وارشاد کا تربیتی وخانقاہی نظام اپنے اکابر خصوصاً حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ اور اپنے شیخ مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خانصاحب شروانی کے طریق پر انجام دینے میں مصروف ہیں اور ماشاء اللہ تعالیٰ حضرت تھانویؒ کے مسلک اور طرز تربیت و اصلاح پر قائم ہیں۔

ضمیمہ

حضرت مسیح الامتؒ کے بخاری شریف کے دو درس جو نسبتاً مختصر ہیں شامل کتاب کئے جاتے ہیں اس سے حضرتؒ کے طرز تدریس کا نمونہ سامنے آجائے گا اور اہل علم کو آپ کے درس کی خصوصیات کا اندازہ ہو سکے گا، نیز اس میں جو دقائق و معارف ہیں ان سے استفادہ بھی ہوگا۔

حدیث انما الاعمال بالنیات

حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان قال حدثنا یحیٰ بن سعید الانصاری قال اخبرنی محمد بن ابراهیم التیمی انه سمع علقمه بن وقاص اللیثی یقول سمعت عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه علی المنبر **قال:** سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: انما الاعمال بالنیات، و انما لامرئ مانوی، فمن کانت هجرته الی دنیا یصیبها او الی امرأة ینکحها فهجرته الی ما هاجر الیه.

اس حدیث کی قراءت کے بعد فرمایا کہ امام بخاریؒ نے کیفیت بداءت وحی کا باب قائم فرمایا، اور اس کیفیت بداءت وحی کے سلسلہ میں سب سے پہلے آیت لائے جس کی مفصل تقریر گذر چکی، اس کے بعد اس حدیث مسند کو لائے ہیں۔ یہ حدیث انما الاعمال بالنیات اہم احادیث سے ہے، اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس حدیث سے اجمع، انفع، اغنیٰ کوئی حدیث نہیں، اجمع اس لئے کہ بعض فقہاء نے اس سے ایک سو مسائل مستنبط کئے ہیں، اور انفع اس لئے کہ دین و دنیا کے اعمال کا مدار خلوص پر ہے اور

اسی کا اس میں بیان ہے، اور اغنی اس لئے کہ یہ حدیث سب سے زیادہ کارآمد ہے، چنانچہ شراح حدیث نے لکھا ہے کہ چار حدیث ایسی ہیں کہ جن پر اسلام کا دارومدار ہے، ایک یہی **انما الاعمال بالنیات** والی، دوسری **الحلال بین و الحرام بین** تیسری حدیث ترغیب وترہیب کی، چوتھی حدیث **ترک مالایعنی**۔

اما شافعیؒ سے منقول ہے کہ یہ حدیث ثلث اسلام ہے، اور یہ بھی منقول ہے کہ نصف دین ہے، پہلے قول کی توضیح یہ ہے کہ علامہ بدرالدین عینیؒ شارح بخاری فرماتے ہیں کہ مدار اسلام کا تین چیزوں پر ہے، تصدیق بالجنان، اقرار باللسان، عمل بالارکان، اور تصدیق بالجنان، ہی کا نام نیت ہے، اور دوسرے قول کی توضیح یہ ہے کہ عبادت کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو عبودیت قلب سے ہو، دوسرے وہ جو عبودیت قالب سے ہو، اور عبودیت قلب ہی کا نام نیت ہے، اس حدیث شریف کے اندر چند بحثیں ہیں۔

حدیث ''انما الاعمال بالنیات'' پر بیس بحثیں

(۱) امام بخاریؒ نے بصیغہ ''حدثنا'' روایت کیوں شروع فرمائی؟

(۲) تحدیث کسکو کہتے ہیں؟

(۳) بیان احادیث میں کن کن الفاظ کے ساتھ روایت کی جاتی ہے؟

(۴) جن الفاظ کا استعمال بیان احادیث میں ہوتا ہے کیا ان کو تخفیفاً بھی ذکر کر سکتے ہیں؟

(۵) تخفیفاً بیان کرنے کی کیا کیا صورتیں ہیں؟

(۶) امام بخاریؒ اپنے استاذ حمیدیؒ ہی کی روایت کو اس جگہ کیوں لائے جب کہ ان کے اور بھی اساتذہ ہیں؟

(۷) سفیان دو ہیں، سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ، یہاں کون سے مراد ہیں؟

(۸) علقمہ تابعی ہیں یا صحابی؟

(۹)''یقول'' مضارع حال پر دلالت کرتا ہے، اور''سمعت'' ماضی پر دلالت کرتا ہے ان دونوں کو کیسے جمع کیا؟ یہ تو اجتماع ضدین ہے !!

(۱۰)''علی المنبر'' کا اضافہ کیوں کیا ہے؟

(۱۱)''انما'' تاکید کے لئے ہے یا حصر کے لئے؟

(۱۲)لفظ''انما''بسیط ہے یا مرکب؟

(۱۳)''اعمال'' کیوں فرمایا گیا''افعال'' کیوں نہیں فرمایا؟

(۱۴)''نیات''جمع کے صیغہ کے ساتھ کیوں لائے جب کہ بصیغہ واحد''بالنیۃ'' بھی یہ حدیث مروی ہے، اور نیت کی لغوی و اصطلاحی کیا تعریف ہے؟

(۱۵)''انما الاعمال بالنیات'' کے بعد''وانما لامرئ ما نوی'' کیوں فرمایا گیا؟

(۱۶)اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مختصراً کیوں بیان فرمایا جب کہ حدیث مفصل ہے اس کا ایک حصہ کیوں ذکر فرمایا اور ایک کیوں ترک فرمادیا؟

(۱۷)''الی امرأۃ ینکحھا'' جبکہ پہلے لفظ''الی دنیا یصیبھا'' میں داخل ہے، تو پھر اس کو خاص طور پر کیوں ذکر فرمایا، ذکر خاص بعد العام کی کیا وجہ ہے؟

(۱۸)ہجرت کی حقیقت کیا ہے؟

(۱۹)اس حدیث کی تخریج کس کس نے کی ہے؟

(۲۰)اس حدیث کو ترجمۃ الباب کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟

اب ان مباحث کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

پہلی بحث یہ تھی کہ امام بخاری نے بصیغہ'' حد ثنا ''روایت کیوں شروع فرمائی؟

سوال کا جواب یہ ہے کہ روایت حدیث کے اندر مختلف الفاظ اختیار کئے جاتے ہیں اور وہ یہ ہیں''حدثنا ، اخبرنا ، انبأنا ، حدثنی ، اخبرنی ، انبأنی ، قرأت ، قال لی ، قال

فلان، ذکر لی فلان، روی لی فلان، روی فلان، کتب الی فلان، کتب فلان عن فلان، سمعت فلاناً وغیرہ۔ یہاں امام بخاریؒ نے تحدیث کا صیغہ استعمال فرمایا ہے، تحدیث کے معنی لغت میں بات کرنے کے آتے ہیں، چاہے استاد شاگرد سے بات کرے یا شاگرد استاد سے، یا کوئی بھی شخص کسی دوسرے سے بات کرے اس کو لغت میں تحدیث کہتے ہیں، اور اصطلاح محدثین میں ''قرأۃ الشیخ علی التلمیذ'' کو تحدیث کہتے ہیں، ''انبأ'' ''مناولۃ الشیخ للتلامذہ'' کو کہتے ہیں یعنی شیخ اپنی کتاب دیکر اجازت روایت کی دیدے ''حدثنا'' متعدد تلامذہ کی صورت میں اور ''حدثنی'' ایک تلمیذ کی صورت میں کہتے ہیں اسی طرح ''اخبرنا'' وغیرہ کو قیاس کیا جائے۔ ''سمعت'' اگر شیخ سے سننے کی صورت ہو''تو سمعت فلاناً'' کہتے ہیں۔ یہ الفاظ اتصال سند پر نص ہوتے ہیں، یعنی شیخ اور تلامذہ کے درمیان کوئی فاصلہ راوی کا نہیں ہے، ان الفاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایک نے دوسرے سے ملاقات کی ہے، البتہ جب روایت بلفظ ''عن'' اور ''قال'' ہوتی ہے جیسے ''عن فلان'' اس کو ''معنعن'' کہتے ہیں، یہ اتصال پر نص نہیں ہوتی ممکن ہے کہ جن سے روایت کی ہے ان سے خود سنا ہو یا خود نہ سنا ہو، اسی طرح ''قال'' بھی اتصال پر نص نہیں، یہاں امام بخاریؒ نے ''حدثنا'' کے ساتھ حدیث کی روایت کی، کیونکہ امام بخاریؒ کے نزدیک صحت سند کیلئے اتصال ضروری ہے، یعنی شیخ اور تلمیذ میں لقاء ہونا، گو امام مسلم امکان لقاء ہی پر متصل قرار دیتے ہیں۔ ''حدثنا'' بفتح ثاء ہے حمیدیؒ ''حدثنا'' کا فاعل ہے۔ اس کے بعد ''قال'' محذوف نکال کر اس طرح پڑھا جائے گا''قال حدثنا سفیان'' ان جگہوں میں ''قال'' پڑھا جاتا ہے لکھا نہیں جاتا۔

الحاصل یہاں امام بخاریؒ نے تحدیث کا صیغہ لا کر یہ بتلا دیا کہ ہمارے استاد حدیث کی روایت فرما رہے تھے اور ہم سن رہے تھے، اور صیغہ جمع سے یہ بتلا دیا کہ اس

حدیث کو اپنے استاذ سے سننے والا صرف میں تنہا نہیں تھا بلکہ میرے ساتھ اور بھی بہت سے تلامذہ تھے۔ اس حدیث کی سند میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر یحییٰ بن سعید تک تفرد ہے اور یحییٰ بن سعیدؒ کے بعد تفرد نہیں، چونکہ سب نے ''حدثنا'' جمع کا صیغہ بیان حدیث کے وقت استعمال کیا ہے، اسی لئے شراح بخاری فرماتے ہیں کہ سفیانؒ سے اوپر تلامذہ کی تعداد ڈھائی سو تین سو بلکہ سات سو تک رہی ہے، امام بخاریؒ بھی فرماتے ہیں کہ ہم ڈھائی سو تین سو کی تعداد میں تھے۔

نیز امام بخاریؒ کے ''حدثنا'' فرمانے میں اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ میں نے اس حدیث کو اپنے استاذ حمیدیؒ سے لقاءً سنا ہے جیسا کہ میرا اصول ہے کہ راوی کی لقاء اپنے استاذ سے بوقت سماع حدیث ضروری ہے لہٰذا اس سے ثابت ہو گیا کہ حدیث کی سند متصل ہے۔

الحاصل اس تقریر سے امام بخاریؒ کے بصیغہ جمع لفظ ''حدثنا'' کے ساتھ روایت بیان کرنے کی حکمت ظاہر ہو گئی۔

اب یہ بحث ہے کہ روایت حدیث کے لئے جن جن الفاظ کو بطور اصطلاح کے استعمال کیا جاتا ہے کیا ان کو تخفیفاً بھی لکھا جا سکتا ہے اور تخفیفاً ذکر کرنے کی صورت میں کس لفظ کے لئے کیا اصطلاح مقرر ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ ان صیغوں کو تخفیفاً لکھنا بھی محدثین کے نزدیک درست ہے چنانچہ جب سند میں ''نا'' یا ''ثنا'' آتا ہے تو ''حدثنا'' کا مخفف ہوتا ہے اور ''انا'' ''اخبرنا'' کا اور ''ثنی'' ''حدثنی'' کا مخفف ہوتا ہے۔

اب یہ بحث ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنے استاذ حمیدیؒ کی روایت کو مقدم کیوں فرمایا جب کہ امام بخاریؒ کے دوسرے بھی ان کے علاوہ اساتذہ ہیں؟ حمیدیؒ کی حدیث کی وجہ ترجیح کیا ہے؟ سو اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ حمیدیؒ مکی ہیں اور خاندان قریش سے ہیں،

چونکہ بداءت وحی بھی مکہ ہی سے ہوئی ہے، اس لئے مکی راوی کی روایت کے ساتھ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کی ابتداء فرمائی، نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے بھی ہونا تقدیم کو مقتضی ہے اس لئے کہ حدیث بیان کرتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرب ہوتا ہے اور قرب نبی قرابت نبی کی رعایت کو چاہتا ہے اس لئے قریشی راوی کی روایت کو مقدم کیا۔ دوسری حدیث امام بخاریؒ امام مالکؒ کی لائے ہیں جو اہل مدینہ سے ہیں، چونکہ بداءت وحی مکہ سے ہوئی ہے، اور وحی کا نشر وشیوع مدینہ سے ہوا ہے، چونکہ مکہ میں رکاوٹوں کی وجہ سے پوری طرح نشر واشاعت نہ ہوسکی، اور مدینہ میں آنے کے بعد اطراف واکناف میں خوب نشر واشاعت ہوئی لہٰذا پہلے امام بخاریؒ نے اہل مکہ سے روایت کو ذکر فرمایا اور اس کے بعد اہل مدینہ کی روایت کو لائے تاکہ وحی کے ابتداء نزول و ابتداء نشر دونوں کی طرف اشارہ ہو جائے۔

اس کے بعد یہ بحث تھی کہ یہاں سفیانؒ سے کون سے سفیانؒ مراد ہیں؟ چونکہ سفیانؒ دو ہیں، سفیان ثوریؒ اور سفیان بن عیینہؒ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں سفیان بن عیینہؒ مراد ہیں، چونکہ حمیدیؒ کے استاد یہی سفیانؒ ہیں، یہ سفیانؒ بھی مکی ہیں اور نہایت جلیل القدر تابعی ہیں، امام شافعیؒ کے اساتذہ میں سے ہیں۔

اس کے بعد حضرت علقمہؒ کے متعلق بحث تھی کہ یہ صحابی ہیں یا تابعی؟ تو ان کے بارے میں اختلاف ہے، بعض حضرات ان کو صحابی کہتے ہیں، اور بعض حضرات تابعی کہتے ہیں۔ ابن المنذرؒ اور ابو عمر بن مندہؒ اور صاحب مشکوۃ حضرت خطیب تبریزیؒ نے ان کو صحابی قرار دیا ہے، چنانچہ صاحب مشکوۃ ''اکمال'' میں ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ علقمہ بن وقاص لیثیؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پیدا ہوئے، غزوۂ خندق میں شریک رہے اور عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں مدینہ طیبہ میں انکی وفات ہوئی، ان کے پوتے

عمر اور محمد بن ابراہیم لیثی نے ان سے روایت کی ہے۔

اس کے بعد یہ بحث تھی کہ "سمعت" ماضی کا صیغہ ہے اور "یقول" مضارع کا جو کہ حال واستقبال پر دلالت کرتا ہے ان دونوں کو کیسے جمع کیا گیا یہ تو اجتماع ضدین ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ کبھی زمانہ ماضی کی بات کو بھی فعل مضارع سے تعبیر کر دیا کرتے ہیں، تاکہ زمانہ ماضی کا حال کے اندر استحضار کیا جائے، اس سے یہ بتلانا مقصود ہوتا ہے کہ جو بات میں زمانہ ماضی کی کہہ رہا ہوں وہ ایسی مضبوط و محفوظ ہے جیسا کہ ابھی میرے سامنے ہو رہی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ماضی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حدیث سنی تھی اس کے بالکل محفوظ ہونے کے اظہار کی خاطر بجائے "قال" "یقول" فرما دیا، اس تقریر سے "سمعت" اور "یقول" کے صیغوں کے اجتماع کی حکمت بھی معلوم ہوگئی اور تضاد کا اشکال بھی رفع ہو گیا۔

اب یہ بحث ہے کہ حضرت علقمہ بن وقاص لیثیؒ نے "علی المنبر" کا اضافہ کیوں فرمایا اس میں کیا حکمت ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علقمہؒ "علی المنبر" فرما کر یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اس میں سماعت روایت کے ساتھ ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رویت بصری بھی ان کے منبر پر ہونے کی وجہ سے مجھے بخوبی ہو رہی تھی، میں نے آپ کی صوت کی سماعت کے ساتھ ساتھ آپ کی صورت اور ہیئت بیان کو بھی دیکھا ہے جس سے کہ معنی کی حقیقت اور اس کی معرفت اور منشاء کو پہنچنا اور اخذ کرنا مثل بداہت کے ہو جاتا ہے۔ نیز امام بخاریؒ کے اصول کے مطابق سماع برویت ولقاء کی طرف بھی اشارہ ثابت ہو رہا ہے، اور نیز برفع احتمال بعید یہ بتلانا بھی مقصود ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ رفع صوت کی صفت کے ساتھ متصف ہونے کے ساتھ ساتھ چونکہ ممبر پر تشریف فرما تھے اس لئے آواز پوری طرح صاف سنی جا رہی تھی جس سے مجھے بعینہ آپ کے وہ الفاظ جن کو آپ

روایت فرما رہے تھے سن رہے تھے اور انہیں الفاظ کو بعینہ میں روایت کر رہا ہوں، اس طرح لفظ ''علی المنبر'' کے اضافے سے روایت کی کامل توثیق ہوگئی۔ یہ فوائد ہیں ''علی المنبر'' کے اضافے میں۔

لفظ ''انما'' کی بحث

اب اس کے بعد ''انما'' کی بحث ہے کہ لفظ ''انما'' تاکید کے لئے ہے یا حصر کے لئے؟ مرکب ہے یا بسیط؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ ''انما'' بالاجماع تاکید و تحقیق کے لئے آتا ہے اور حصر کے لئے بھی آتا ہے، اس کے معنی یہ ہوں گے کہ مذکور کے لئے اثبات ہے اور غیر مذکور کے لئے نفی۔ اس کے بعد اس میں کلام ہے کہ یہ حصر کے معنی حقیقۃً ہیں یا مجازاً، منطوقاً ہیں یا اشارۃً، علمائے جمہور کے نزدیک ''انما'' حصر کے لئے حقیقۃً ہی ہے، اور ابن عتبہؒ معاصر علامہ تفتازانیؒ کی رائے یہ ہے کہ ''انما'' کی اصل وضع تاکید کے لئے ہے کبھی بقرینہ مقام حصر کے لئے بھی آجاتا ہے۔

دوسرا کلام ''انما'' میں یہ ہے کہ یہ مرکب ہے یا بسیط؟ علامہ سکاکیؒ جو علم بلاغت کے امام ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ''انما'' ''ان'' اور ''ما'' سے مرکب ہے، اس قول کے اعتبار سے کلمہ ''انما'' باعتبار اپنے مدلول و منطوق کے تاکید در تاکید کے لئے ہے اور بعض منطقیوں نے اس ''ما'' کو ''ما'' نافیہ قرار دیا ہے، مگر اس صورت میں ایک ہی کلمہ میں اثبات و نفی کا اجتماع ضدین ہونا لازم آوے گا جو کہ محال ہے، نیز ''ما'' نافیہ صدارت کلام کو مقتضی ہے، لہٰذا یہی کہا جاوے گا کہ یہ تاکید در تاکید کیلئے ہے کبھی حصر کے لئے کبھی غیر حصر کیلئے۔

اعمال وافعال میں کیا فرق ہے؟

اس کے بعد یہ بحث ہے کہ حدیث میں اعمال کیوں فرمایا؟ افعال کیوں نہیں

فرمایا؟ اعمال اور افعال میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فعل اور عمل میں یہ فرق ہے کہ عمل میں قصد اور ارادہ کو دخل ہوتا ہے، چونکہ اس کا صدور قصد اور ارادہ ہی سے ہوتا ہے۔ اور فعل عام ہے اس کے لئے قصد وارادہ شرط نہیں، چنانچہ مثال کے طور پر ایک شخص نے بندوق چلائی کسی کے مارنے کا اس کا ارادہ نہیں تھا لیکن اتفاق سے گولی کسی آدمی کو لگ گئی اور وہ مر گیا تو یہ فعل ہوا عمل نہیں ہوا۔ چونکہ اس شخص کو مارنے کا اس کا قصد وارادہ نہیں تھا۔

الحاصل عمل اختیار کو مقتضی ہے اور فعل بلا اختیار بھی ہوتا ہے، اور گفتگو حدیث شریف میں انسانی اعمال سے ہے چونکہ انسان اختیاری امور ہی کا مکلّف ہوتا ہے جن کو اعمال کہا جاتا ہے، غیر اختیاری امور کا بندہ مکلّف نہیں ہوتا، اور بیان اعمال اختیار یہ ہی کا مقصود ہے اس لئے بجائے افعال کے حدیث شریف میں اعمال فرمایا گیا، خود نیت کا لفظ بھی اسی کو بتلا رہا ہے، چونکہ حدیث شریف میں نیت پر اعمال کو موقوف فرمایا ہے اور نیت قصد کو کہتے ہیں اور قصد کا تعلق اعمال سے ہے، لہٰذا افعال کے بجائے اعمال فرمایا، چونکہ اگر افعال فرماتے تو نیت کے ساتھ اس کا جوڑ صحیح نہ ہوتا، اس لئے کہ فعل کا مدار نیت پر نہیں، اس کا صدور بلا نیت وقصد بھی ہوتا ہے۔ دوسری وجہ بجائے افعال کے اعمال فرمانے کی یہ بھی ہے کہ عمل کا مادہ "ع، م اور ل" ہے اور یہی حروف علم کا بھی مادہ ہیں، اسمیں اس کی طرف اشارہ ہو گیا کہ صحیح اور مقبول عمل وہی ہوتا ہے جو علم کے ساتھ ہو، بلا علم کے یا تو عمل کا صدور ہی نہ ہوگا اور اگر صدور ہوگا تو وہ نامقبول ہوگا، اس لئے بھی بجائے افعال کے اعمال فرمایا گیا، ان کے علاوہ اور بھی چند وجوہات بجائے افعال کے اعمال فرمانے کی ہیں جو انشاء اللہ العزیز کل عرض کی جائیں گی۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین

درس تاسع

لفظ اعمال اختیار کرنے کی وجوہ

قراءت حدیث کی سماعت کے بعد فرمایا کہ لفظ اعمال کے متعلق بحث چل رہی تھی کہ بجائے افعال کے اعمال کیوں فرمایا گیا اس کی کل چند وجوہ بیان کی گئی تھیں اور فعل اور عمل کے فرق کو بھی واضح کیا گیا تھا، اور اس سلسلہ میں عرض کیا گیا تھا کہ فعل کے لئے قصد واختیار شرط نہیں ہے، اس لئے ارادی، غیر ارادی، اختیاری، ہر قسم کے افعال پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، بخلاف عمل کے کہ اس میں ارادہ ونیت کو دخل ہے، بلانیت وارادہ کے جو عمل صادر ہو اس کو عمل نہیں کہا جاتا اور اس حدیث میں انہیں کاموں کو بیان کرنا مقصود ہے جن کا تعلق نیت سے ہوتا ہے، لہٰذا اگر بجائے اعمال کے افعال فرماتے تو نیت کے ساتھ اس کا جوڑ صحیح نہ ہوتا۔ اب آج ان وجوہ مذکورہ کے علاوہ لفظ اعمال کی ترجیح کی دوسری وجوہ ذکر کی جاتی ہیں، سو منجملہ اور وجوہ کے ایک تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ عمل دوام واستمرار کو مقتضی ہے اور فعل میں دوام واستمرار ضروری نہیں، چنانچہ ناغہ کے ساتھ بھی اسکا صدور ہوتا ہے کہ ایک کام کو کبھی کیا کبھی نہیں کیا اس کو فعل کہا جاتا ہے بخلاف عمل کے کہ اس کے لئے دوام و استمرار عرفاً بھی لازم ہے اور شرعاً بھی لازم ہے، چنانچہ دیکھ لیجئے اس عالم کو عرف میں باعمل نہیں کہا جاتا جو کہیں تو شریعت کے مطابق چلے اور کہیں شریعت کو چھوڑ کر اپنی طبیعت اور ہوائے نفس کی موافقت کرے، عالم باعمل عرف عام میں اسی عالم کو کہا جاتا ہے جو ہمیشہ شریعت کی پابندی کرے، شریعت کو چھوڑ کر ہوائے نفسانی کی اتباع نہ کرے، حرص وطمع، غضب وغصہ پر غالب رہے، صبر واستقلال، ہمت وحوصلہ کے ساتھ سنت نبوی پر جما رہے،

دوسرے احباب، اعزہ و اقرباء، کنبہ و برادری، اہل ثروت و دولت، یا صاحب منصب و حکومت کسی سے بھی طریق سنت کے مقابلے میں مرعوب و مغلوب نہ ہو۔

اسی طرح ایک دوسری موٹی سی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ جو شخص کبھی نماز پڑھنے لگتا ہے اور کبھی چھوڑ دیتا ہے ــــ ہمیشہ نماز کی پابندی نہیں کرتا، عرف عام میں لوگ اس کو نمازی نہیں کہتے، نمازی اسی کو کہا جاتا ہے جو ہمیشہ پابندی کے ساتھ نماز پڑھتا ہو، اسی پر دوسرے اعمال کو بھی قیاس کر لیجئے۔ پس اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ عرف عام میں عمل اسی کو کہا جاتا ہے جس پر مداومت کی جائے۔

اسی طرح شریعت میں بھی دیکھ لیجئے، حدیث شریف میں ہے "خیر العمل مادا وم علیہ صاحبہ و ان قل "یعنی وہی عمل بہتر اور پسندیدہ ہے جس پر صاحب عمل مداومت کرے اگر چہ وہ قلیل ہی ہو، ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے "احب الاعمال الی اللہ ادومھا "یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اعمال سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں جن پر مداومت کی جائے، اسی طرح قرآن پاک میں ارشاد ہے " الا المصلین الذین ھم علی صلاتھم دائمون "اس آیت میں نماز پر مداومت کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے۔

الحاصل ان احادیث اور آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ شریعت میں عمل پر دوام و استمرار محبوب و مطلوب ہے اور دوام و استمرار پر دلالت کرنے والا لفظ عمل ہے لہٰذا حدیث شریف میں بجائے افعال کے اعمال فرمایا گیا تاکہ اس حدیث سے عمل پر دوام و استمرار کی ضرورت و اہمیت بھی ظاہر ہو جائے۔

نیز علاوہ ان مذکورہ وجوہ کے ایک چوتھی وجہ لفظ اعمال فرمانے کی یہ بھی ہے کہ فعل قول کے مقابل استعمال ہوتا ہے تو اگر بجائے اعمال کے افعال فرمایا جاتا تو مطلب حدیث

شریف کا یہ ہوتا کہ صرف جوارح سے تعلق رکھنے والے افعال کا تعلق نیت سے ہے۔
حالانکہ حدیث کا منشاء تعمیم ہے کہ انسانی تمام اعمال کا تعلق نیت سے ہے، خواہ وہ اعمال متعلق بالقلب ہوں خواہ متعلق بالقالب ہوں یعنی جوارح سے متعلق ہوں، لہٰذا اگر بجائے اعمال کے افعال فرمایا جاتا تو صرف اعضاء ظاہری کے ساتھ حدیث خاص ہو جاتی اور وہ اعمال اس حکم سے نکل جاتے جن کا تعلق قلب سے ہے تو اس تعمیم کے اظہار کی غرض سے بھی بجائے افعال کے اعمال فرمایا۔

علم وعمل کا باہمی ربط

اب ان چار وجوہ کے ذکر کرنے کے بعد دوسری وجہ یعنی عمل وعلم میں باہمی ربط سے متعلق کچھ ضروری تفصیل بیان کی جاتی ہے، دوسری وجہ میں بیان کیا گیا تھا کہ عمل کے مادہ میں تین حرف ہیں، عین، میم، لام، اور یہی تین حرف علم کا مادہ ہیں، اس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ علم اور عمل میں گہرا ربط اور شدید تعلق ہے، لہٰذا عمل صحیح کے لئے پہلے علم کا حاصل کرنا ضروری ہے، تو گویا اعمال کا لفظ فرما کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی اہمیت اور اقدمیت کو ظاہر فرمایا ہے اور جہل سے نفرت دلائی ہے۔

بعنوان دیگر یوں سمجھئے کہ انسانی زندگی عملی زندگی ہے، چنانچہ عمل ہی سے انسان کی زندگی بنتی اور سنورتی ہے اور بے عملی سستی اور آرام طلبی سے زندگی بگڑتی ہے، اسی لئے بے عمل آدمی دوسروں کے لئے باعث ایذاء ونفرت بن جاتا ہے۔

شانِ زندگی

اسی وجہ سے محققین کہتے ہیں ''الاشتغال من شان الاحیاء و الفراغ من شان الاموات''، یعنی عمل میں مشغول رہنا زندوں کی شان ہے اور زندگی کا نشان ہے، اور عمل سے خالی رہنا، بے کار بن جانا مردوں کی حالت اور موت کی علامت ہے۔ اور ظاہر

ہے کہ مردوں کے مردہ جسموں سے کسی کو تعلق نہیں رہتا، مردہ جسم سے وحشت ہونے لگتی ہے اور اس کے گلنے سڑنے کے خوف سے کوئی اسکو اپنے پاس نہیں رکھتا ہر ایک اس سے دور رہنا چاہتا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ بے عمل رہنا مثل مردوں کے نفرت اور وحشت و تکلیف کا باعث بنتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بے عمل اور بے کار آدمی سب کو بھاری اور بوجھ معلوم ہوتا ہے چنانچہ مشاہدہ ہے، دیکھا جاتا ہے کہ بڑھاپے میں جب آدمی کام کے قابل نہیں رہتا تو خود اس کے گھر والے بھی اس کو بوجھ اور وبال جان سمجھنے لگتے ہیں، اسی لئے اس کی ہر حالت دوسری نظر سے دیکھی جاتی ہے، اس کا کھانا، پینا، اوڑھنا، بچھانا، اٹھنا، بیٹھنا، بولنا، بلانا سب ناگوار ہوتا ہے۔

غرض بڑھاپا ارذل عمر ہو جاتا ہے، اسی لئے بڑھاپے کی زندگی کوئی زندگی نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں۔

ہے افسوس عمر جوانی چلی   جوانی تو کیا زندگانی چلی

اور صرف بڑھاپے کی مثال ہی میں کیا انحصار ہے بے عملی کی جو بھی زندگی ہوگی، اس کا یہی انجام ہوگا، اب غور کرو کہ جب بے عملی بھی آدمی کی زندگی کو بے کار بنا دیتی ہے اور اس کی وجہ سے آدمی سے دوسروں کو نفرت و وحشت ہو جاتی ہے تو بد عملی تو اس سے بھی کہیں زیادہ بدترین چیز ہے، اس سے تو انسانی زندگی اور زیادہ تباہ و برباد ہوتی ہے یہ تو انسانیت کے لئے بالکل سم قاتل اور زہر ہلاہل ہے۔

حیوانیت اور انسانیت

بد عملی سے انسانیت بالکل ختم ہو جاتی ہے اور اس کے بجائے حیوانیت اور شیطانیت آجاتی ہے اور حالت یہ ہوتی ہے کہ گو صورت شکل انسانوں کی جیسی ہوتی ہے لیکن

اس کے سارے کام کھانا، پینا، دیکھنا، سننا، سونا، جاگنا، چلنا، پھرنا، پکڑنا، چھوڑنا محض حیوانات اور جانوروں کے حرکات بن کر رہ جاتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”یاکلون کما تأکل الانعام “یعنی ان کا کھانا چوپایوں کے مثل ہے جیسے جانوروں کے کھانے کا حال ہے ان لوگوں کے کھانے اور پیٹ بھرنے کا بھی وہی حال ہے، حرام وحلال خدا کی مرضی ونامرضی کا لحاظ کئے بغیر بس اپنی طبیعتوں کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں کہ جس طرح بھی ہو بس پیٹ بھر جائے، حدود وقیود، قوانین واحکام کا انہیں کچھ پاس ولحاظ نہیں ہوتا جو کہ انسانیت کے بالکل خلاف ہے۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے ”لھم قلوب لا یفقھون بھا و لھم اعین لا یبصرون بھا و لھم أذان لا یسمعون بھا او لئک کالانعام بل ھم اضل اولئک ھم الغفلون “یعنی یہ لوگ نہ اپنے دلوں سے سمجھنے کا کام لیتے ہیں نہ آنکھوں سے دیکھنے کی چیزیں دیکھتے ہیں اور نہ کانوں سے انسانی سننے کی چیزیں سنتے ہیں، اور یوں محسوسات ومادیات کو بغیر عبرت ونصیحت لئے جانور بھی دیکھتے ہیں اور آوازیں تو ہر قسم کی جانوروں کے کانوں سے بھی ٹکراتی رہتی ہیں، جب یہ اپنے خالق ومالک کی پسند وناپسند میں تمیز ہی نہیں کرتے تو ان لوگوں کے سننے دیکھنے اور جانوروں کے دیکھنے سننے کے درمیان کوئی فرق باقی نہیں رہا، تو یہ لوگ اپنی تمام حرکات زندگی میں جانوروں کے برابر اور انہیں کے درجہ میں ہیں بلکہ حقیقت پر اگر غور کیا جائے تو یہ لوگ تو جانوروں سے بھی زیادہ گمراہ اور بدتر ہیں، چونکہ جانوروں کے اندر صلاحیتیں نہیں ہیں، صرف طبیعتیں ہیں، اور اپنی طبائع کے تقاضوں کے حدود ہی میں وہ رہتے ہیں، اس سے باہر نہیں جاتے، بخلاف انسان کے کہ اس میں اعلیٰ درجہ کی قابلیتیں اور صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہیں جن کو صحیح مصرف میں استعمال کر کے وہ اللہ برتر کا خلیفہ بن سکتا ہے، پھر بھی اگر انسان نے غفلت

اختیار کر کے ان استعدادوں سے کام نہ لیا اور اپنی صلاحیتیں برباد کر دیں یا ان کو غلط استعمال کر کے حدود انسانیت سے نکل کر حیوانی راہ اختیار کی اور اپنی انسانیت کو غارت و برباد کر دیا تو یہ جانوروں سے بھی بدتر ہو گیا، چونکہ جانور تو اپنی فطری حدود سے باہر نہیں ہوا اور یہ لوگ غافل اور جاہل ہو کر اپنی فطری صلاحیتوں کو غارت کر کے دین فطرت سے باہر ہو گئے، اس لئے یہ جانوروں سے بھی گئے گذرے ہو گئے۔

اس تفصیل سے آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ بے عملی اور بدعملی انسانیت کے لئے نہایت مضر اور مہلک ہے، قدم قدم پر اس انسان کے سامنے حیوانیت اور شیطانیت کی راہیں کھلی ہوئی ہیں، جہاں ذرا غفلت ہوئی اور قدم راہ انسانیت سے پھسلا، پھر یا تو حیوانیت میں داخل ہوا یا شیطانیت میں گھسا اور پھر بالکل ع

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست

کا مصداق ہو جاتا ہے اس لئے انسانیت کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ بڑی ہوشیاری تیقظ و بیداری کے ساتھ رہا جائے اور بڑے غور و فکر اور اعلیٰ تجسس و تفحص سے کام لیا جائے اور طبیعت اور نفس کے تقاضوں اور ان کی خاصیتوں سے اور نفس و اہل نفس کے بتانے اور بہکانے اور ان کے خطرات و مہلکات سے ہر وقت ہر آن چوکنا اور ہوشیار و خبردار رہا جائے، نفس و شیطان کے مکائد اور ان کی چالیں سمجھ لینا ہر ایک کا کام نہیں، قدم قدم پر خطرات ہیں، ہر طرف جال پھیلے ہوئے ہیں، البذا بجز کسی شیخ محقق و مبصر کے دامن کے ان خطرات سے پناہ نہیں مل سکتی۔

جب تک اپنی رائے و تجویز کو چھوڑ کر کسی شیخ کامل کی اتباع نہ کی جائے اس وقت تک نفس و شیطان کے مکائد سے حفاظت و سلامتی نہایت دشوار اور سخت مشکل ہے، نفس و شیطان کی ماتحتی سے اور ان کے پنجے سے نجات کی بس یہی ایک شکل ہے کہ کسی محقق کے

سامنے اپنے آپ کو پامال کر دیا جائے۔

”من لا شیخ له فشیخه الشیطان“ کی تحقیق

یہی حاصل ہے محققین کے اس مشہور قول ”من لا شیخ له فشیخه الشیطان“ کا، اور ہمارا یہ زمانہ تو ظاہر ہے کہ کس قدر آزادی اور خود رائی اور اتباع ہویٰ کا چل رہا ہے، گمراہیوں اور گمراہ کرنے والوں کی ہر طرف کثرت ہے، نہایت ہی فتنوں کا زمانہ ہے، الامان الحفیظ۔ اس زمانہ میں ایمان کا سنبھالنا مشکل ہو رہا ہے اس زمانہ میں تو ایمان کی درستی کی سوائے شیخ کامل سے وابستگی کے اور کوئی صورت ممکن نہیں۔

اس لئے اس زمانہ میں تو اور بھی زیادہ ضروری ہو گیا کہ اپنی اصلاح و درستی کے لئے کسی کامل کو اپنا مصلح بنالے اور اس کی کامل ماتحتی کے دامن میں پناہ لے، اب مصلح بنانا ہر شخص کے لئے ضروری ہے۔

بات اگر چہ طویل ہو گئی لیکن حضرت والاؒ کی برکت اور حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے نہایت ضروری اور کام کی بات آگئی، بات انسانی زندگی کے سلسلہ میں تھی کہ انسانی زندگی ایک عملی زندگی ہے بے عملی اور بد عملی انسانیت کے لئے موت ہے، اس لئے کہ حیات انسانی کا بقا عملی زندگی پر موقوف ہے۔

اور اعمال انسانی کی درستی کا مدار غور و فکر پر ہے تو عمل انسانی کا تقاضا غور و خوض ہے اور تفکر و تفحص اس کے لئے لازم ہے۔ بدون غور و خوض اور بغیر تفکر و تفحص کے زندگی ایک حیوانی و شیطانی زندگی ہوگی، انسانی زندگی نہیں ہو سکتی۔

فکر ہی حقیقی علم ہے

میرے عزیزو! یہ غور و خوض اور فکر عجیب چیز ہے، حقیقی علم یہی غور و فکر ہے، اسی غور و فکر کا نام مطالعہ ہے، مطالعہ طالب علم کے لئے نہایت ضروری ہے، بغیر مطالعہ علم

حاصل نہیں ہوتا، جتنا گہرا مطالعہ ہوگا اسی قدر علم بڑھتا جائے گا۔ علم میں تبحر اور تعمق مطالعہ ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ بلا مطالعہ کے گو کچھ معلومات اور جزئیات کا حصول ہو جائے مگر حقیقت علم اس غور وفکر کے بغیر نہیں آسکتی۔

پس غور وخوض اور تفکر و تفحص تجسس علم کا بھی تقاضا ہے اور عمل کا بھی تقاضا ہے، اس عنوان کے پیش نظر یہ حدیث "انما الاعمال بالنیات" غور وفکر کی ضرورت اور اس کے حاصل کرنے کی ترغیب اور اس سے خالی رہنے پر ترہیب اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

بہر حال ان مختلف وجوہ کے بیان اور مختلف عنوانات سے تقریر جو کی گئی ہے اس سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ بجائے افعال کے اعمال لانے میں کس قدر اسرار ونکات ہیں، اور آپ کا یہ فرمان کس قدر معانی ومطالب پر مشتمل ہے، اس سے آپ کی وہ شان جامعیت ظاہر ہو رہی ہے جس کو آپ نے "اوتیت جوامع الکلم" سے بیان فرمایا ہے کہ مجھ کو منجانب اللہ ایسے کلمات عطا ہوئے ہیں، جن میں الفاظ کم ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود معانی کثیرہ کے جامع ہوتے ہیں، اب وقت زیادہ ہو چکا، باقی بیانات انشاء اللہ کل عرض کئے جائیں گے، حق تعالیٰ ہمکو فہم سلیم اور ذوق صحیح عطا فرما دیں۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين

(فضل الباری ص ۸۷۔۱۰۱ جلد ۱)

اردو زبان کی حفاظت دین کی حفاظت ہے

اردو میں دینی علوم کا خزانہ، تصوف اور اخلاق کا بے تعداد ذخیرہ ہے جس کو علمائے مشائخ نے صدیوں کی مشقت اور اہتمام کے ساتھ جمع فرمایا ہے اسلاف کی روایات کا مخزن ہے، انبیاء علیہم السلام کے اخلاق، صحابہ کرام کے حالات، اولیائے عظام کی عبادات اور مجاہدات و ریاضات اور ان کی حکایات نیز حقائق و معارف کا گنجینہ ہے، رذائل نفسانیہ، اخلاق فاضلہ پر اطلاع اردو زبان میں مدون و محفوظ ہیں۔ یہ خصوصیات اردو زبان کی فضیلت کو ثابت اور حفاظت کو ہم پر واجب کرتی ہیں، اس کا ضائع ہونا دین کے بہت سے اجزا کا ضائع ہونا ہے، خاص کر عام مسلمانوں کے لئے تو علم دین کا دوسرا ذریعہ ہی نہ رہے گا، اس کو ضائع ہوتے دیکھنا اور انسداد نہ کرنا کیا شرعاً جائز ہوگا؟

صاحبو! اردو زبان کی حفاظت دین کی حفاظت ہے، پس حسب استطاعت اس کی حفاظت واجب اور طاعت ہے باوجود قدرت اس میں غفلت کرنا معصیت اور موجب مؤاخذۂ آخرت ہوگا۔

(حضرت مسیح الامتؒ کی ایک یادگار تحریر سے ماخوذ۔ حیات مسیح الامتؒ ص ۵۴۳ از روداد مفتاح العلوم ۱۳۷۰ھ)

عربی زبان کا تحفظ

عربی کی حفاظت بایں وجہ کہ ہمارا دین کامل، مکمل، محقق، مفصل، مدلل، مبرہن، اصولاً و فروعاً اور حقیقی اسلام عربی میں ہے، واجب ہے۔

(حضرت مسیح الامتؒ کی ایک یادگار تحریر سے ماخوذ۔ حیات مسیح الامتؒ ص ۵۴۳ از روداد مفتاح العلوم ۱۳۷۰ھ)

بیعت میں اغراض فاسدہ اصلاح میں مانع ہے

کوئی اس لئے بیعت ہو گیا کہ تندرستی اچھی ہو جائے، کوئی اسلئے بیعت ہو گیا کہ گھر میں کچھ برکت ہو جائے، کوئی اسلئے ہو گیا کہ آمدنی اچھی ہو جائے، قرضہ ادا ہو جائے، کوئی اسلئے ہو گیا کہ شیخ سے نسبت ہو جائے گی تو لوگوں کو ہمارے اوپر اعتماد ہو جائے گا، کوئی اسلئے ہو گیا کہ لوگوں کی رجوعات ہو جائیں گی، لوگ ہم پر اعتماد کر کے اچھا اعتقاد قائم کر لیں گے کہ فلاں کی طرف منسوب ہے۔ یہ سب دنیاداری کی باتیں ہیں، اب اصلاح ہو تو کس طرح ہو؟ قلب کے اندر تزکیہ آئے تو کس طرح آئے؟ اور خلوت میں اور جلوت میں پابندی پوری استقامت کے ساتھ کس طرح ہو کہ خلوت اور جلوت یکساں ہو جائے؟ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نظر مآل (انجام) پر نہیں ہے اسلئے اعمال مین کوتاہی ہے۔ اگر اس کی نظر مآل پر ذرہ برابر بھی ہوتی تو اس کے دل میں تکبر ہونے کی ذرہ برابر گنجائش نہ تھی اور جن کی مآل پر نظر تھی انھوں نے بقسم کہہ دیا کہ ہم کتے اور خنزیر سے بھی بدتر ہیں تو مآل پر نظر نہ ہونے کی جہ سے عمل چلا گیا یعنی اس پر نظر نہیں رہی البتہ امل (امید) رہ گئی کہ اپنے اعمال پر تو نظر نہیں لیکن اللہ کی عطا کی امید ہے۔ اسی کو یہاں لفظ امل سے عمل کے قافیہ کی مناسبت سے ذکر کر دیا گیا ہے ورنہ اصطلاح میں طول امل لمبی لمبی تمناؤں کو کہتے ہیں۔ طول امل حرام ہے یہ باطنی مرض ہے، اب یہ ہو جائے وہ ہو جائے، اب یہ کروں اب وہ کروں، بیٹے کی تمنا ہے وہ ہو گیا، تو اس کے نکاح کی تمنا ہے نکاح ہو گیا تو پوتے کی تمنا ہے پوتا ہو گیا، تو اس کے نکاح کی تمنا ہے وہ بھی دیکھ لوں، یہ طول امل آ گیا تو عمل چلا گیا۔ جب لمبی لمبی تمنائیں آرزوئیں آتی چلی گئیں تو بھلا اعمال و تزکیہ کہاں آئے گا اگر آ بھی گیا تو تمنائیں آنے سے چلا گیا۔

الغرض پہلے اکابر کی نظر اعمال پر تھی اس لئے سفر و حضر یکساں تھا، گھر اور باہر یکساں تھا، معمولات گھر پر اور مہمان بننے پر یکساں تھے، البتہ عذر کی حالت میں کہہ چکا

ہوں کہ جدا ہے اس کے احکام بھی جدا ہیں تو ان حضرات کے اعمال حالت عذر کو چھوڑ کر سفر وحضر میں یکساں تھے، نہ کہ طلب ظاہر کرتے ہوئے خانقاہ کے اندر بھی معمولات کی پابندی نہیں۔ تہجد گذاری، اشراق اور چاشت گذاری، اوابین گذاری نہیں، نمازوں کی باقاعدہ پابندی تکبیر تحریمہ کے ساتھ نہیں، پھر بھلا گھر جا کر تو کیا ہوگا؟ ابتداء میں یہ عرض کیا تھا کہ آخر اصلاح میں یہ دیر کیوں ہوتی چلی جارہی ہے؟ بات یہ ہے کہ اللہ تعالی نیتوں کے ساتھ ہیں یعنی حق تعالی کی توفیق نیتوں کے ساتھ ہوتی ہے اور نیت صحیح نہیں کیوں کہ '' ان اللــه علیم بذات الصدور '' (اللہ تعالی دلوں کے حال جانتے ہیں) نیت کا حال اللہ تعالی کو معلوم ہے اسلئے توفیقات نہیں جب توفیقات نیت صحیح نہ ہونے کیوجہ سے نہیں تو استقامت کس طرح ہو؟ استقامت کے معنی ہیں ڈٹا ہوا رہنا، جما ہوا رہنا، چھوڑنے کا خیال تک بھی نہ ہونا، برابر اس پر لگے رہنا، ذرا سا بہانہ آجانے پر ترک کی صورت پر نظر نہ ہونا، پھر دیکھئے ''تتنزل علیهم الملائکة'' (ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں) کا ظہور کیوں نہیں ہوگا؟.................. جب یہ استقامت حاصل ہوجاتی ہے تو حضر میں بھی، سفر میں بھی، گھر میں بھی، مہمانداری میں بھی، خوشنودی میں بھی، رنجیدگی میں بھی، فراخ دستی میں بھی، تنگدستی میں بھی، صحت میں بھی، علالت میں بھی معمولات پر جما رہتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر ایک حالت کا حکم علحدہ ہے جیسا کہ اوپر بھی عرض کیا گیا کہ پہلے بیٹھ کر وظیفہ پورا کیا کرتا تھا اب مرض ہے لیٹ کر پورا کرلے۔ الغرض معمولات پر جما رہنا یہ ہے استقامت۔ اس کے بعد حق تعالی کی جانب سے فرشتوں کی مدد آتی ہے ''تتنزل علیهم الملائکة الا تخافوا و لا تحزنوا '' جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔

بات یہ ہورہی تھی کہ اس زمانہ میں اصلاح میں دیر کیوں ہورہی ہے؟ جواب نکل آیا کہ وجہ تاخیر یہ ہے کہ پیر بنانے کے بعد —— جو دیکھ بھال کر بنایا جاتا ہے —— دو

پیر بنا رکھے ہیں ایک وہ جس کو پیر بنایا ہے اور ایک خود پیر ہے خود اپنا شیخ ہے کہ جو بات اپنی مرضی کے موافق تھی اس کو مان لی اور جو مرضی کے موافق نہیں تھی وہ نہیں مانی، دو شیخ ہو گئے، اگر ایک بیوی کے دو میاں ہو جائیں تو بیوی کی جان تباہی میں آجائیگی کبھی وہ بلا رہا ہے، کبھی وہ بلا رہا ہے، یہ بیوی میں شرک ہو گیا۔ اسی طرح ایک مرید کے دو پیر، کبھی پیر کی بات مانتا ہے کبھی اپنی بات مانتا ہے یہ تو ایسی مثال ہوگئی'' افتؤمنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض ''(کیا بعض کتاب پر ایمان لاتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو) یہ شرک نہیں تو اور کیا ہے؟ تعجب کی بات ہے کہ اصلاح کا طالب بھی ہے اور اپنی چلاتا ہے، یہ بھی شرک ہے۔ شرک کی قسمیں ہیں: ایک شرک فی الالوہیت ہے ایک شرک فی النبوت ہے ایک شرک فی الطریقۃ ہے ایک شرک فی الزوجیت ہے، ہر ایک کا حکم علحدہ علحدہ ہے۔ تو یہ شرک فی الطریقۃ ہے کہ شیخ کے ساتھ خود کو بھی پیر بنا رکھا ہے کیا اس سے شیخ کو ناگواری نہیں ہوگی؟ اگر میاں بیوی کے پاس بھی جاوے اور غیر کے پاس بھی جاوے .... تو اگر میاں کو معلوم ہو جاوے تو اسکو گوارا ہوگا؟ ہر گز نہیں، کیونکہ یہ شرک فی الزوجیت ہے اسی طرح مرید کو اپنی عقل، اپنا تجربہ، اپنا علم چلانا یہ شرک فی الطریقۃ کی بات ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آج جو اصلاح کے اندر دیر ہوتی چلی جارہی ہے اس کی ایک وجہ یہی ہے کہ شیخ کی رائے کے آگے اپنی رائے چلاتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اپنی سعی پر نظر ہے جب حضور ﷺ کی نظر باوجود نبی ہونے کے اپنی سعی پر نہیں کہ فرماتے ہیں'' ھذا الجھد و علیک التکلان '' یہ میری کوشش ہے اور بھروسہ آپ ہی پر ہے تو سالک کی نظر سعی پر ہر گز نہیں ہونا چاہئے، یہ بھی شرک کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ بس حکم کی تعمیل پر نظر رہے اور دعا مسلسل کرتا رہے اپنے عمل پر نظر نہ ہو نظر صرف اللہ کی ذات پر ہو توحید خالص یہی ہے۔ (مجالس مسیح الامتؒ قسط ا ص ۱۲۲۔۱۲۶)

مآخذ

(۱)	حیات مسیح الامتؒ	مؤلفہ مفتی رشید احمد صاحب میواتی
(۲)	تذکرہ مسیح الامتؒ	مؤلفہ ڈاکٹر مولانا تنویر احمد خانصاحب
(۳)	شروانی نامہ	مؤلفہ عباس خان صاحب شروانی
(۴)	مجالس مسیح الامتؒ	افادات حضرت مسیح الامتؒ
(۵)	مجلّہ مفتاح الخیر	جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد
(۶)	فضل الباری فی درس البخاری	افادات حضرت مسیح الامتؒ
(۷)	ضیاء السالک	مرتبہ مفتی عبدالستار صاحب
(۸)	شریعت وتصوف	مؤلفہ حضرت مسیح الامتؒ
(۹)	آداب المعاشرت	از حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ